ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب

سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلۂ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں
سرور کائناتؐ کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دلنشین انداز میں
یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ) قیمت ہے مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ)۔ قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ...
قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ زیر طبع

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر
نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسّی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت چہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر
ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی
ترتیب کو زیادہ دلنشین اور سہل کیا گیا ہے۔
قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔
حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات
و واقعات تک۔ قیمت سے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے
حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد ...

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات
کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد ...

برہان

جلد بست و ہفتم — شمارہ نمبر ۱

جولائی ۱۹۵۱ء مطابق شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

خبر ہے علی گڈھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ میں چند تبدیلیاں پارلیمنٹ کے زیر غور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یونیورسٹی میں داخلہ ہر فرقہ کے طلبار کا ہوگا دوسرے یہ کہ یونیورسٹی کورٹ کی ممبرشپ صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص نہ رہے گی تیسرے یہ کہ دینیات کا مضمون جبری نہیں ہوگا اور اگر ان سب تبدیلیوں کو مان لیا جائے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کو "مسلم یونیورسٹی" کہنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اخبارات میں ایکٹ کی ان مجوزہ تبدیلیوں کے متعلق موافق اور مخالف دونوں قسم کی رائیں ظاہر کی جارہی ہیں اور اس طرح گویا ایک اچھا خاصہ معرکۂ بحث و تحیص قایم ہوگیا ہے حالانکہ صورت معاملہ اس قدر صاف، واضح اور غیر مبہم ہے کہ اس کے متعلق دو رائیں ہو ہی نہیں سکتیں۔

سب سے پہلے غور اس پر کرنا چاہئے کہ یونیورسٹی کے بانیوں نے یونیورسٹی کا نام جو "مسلم یونیورسٹی" رکھا تھا تو کیا اس کا مقصد فرقہ پرستی تھا؟ کیا یہ اس لئے تھا کہ اس میں صرف مسلمان طلبا تعلیم پاسکیں گے اور غیر مسلم طلبار کا اس میں داخلہ نہ ہوسکے گا؟ ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی ایک سوال کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہوسکتا کون نہیں جانتا کہ یونیورسٹی کا دروازہ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے طلبار پر کھلا رہا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ جیسا کہ نواب محسن الملک مرحوم نے اپنے خط میں جو اب تک متعدد اخبارات میں نقل ہوچکا ہے لکھا ہے غیر مسلم طلبا، کو ان کے اپنے کلچر اور تہذیب قومی کے مطابق قیام وطعام کی سہولتیں اور عبادت کی آسانیاں بھی مہیا کی جاتی رہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب صورت حال یہ ہے تو یونیورسٹی کو مسلم کہنے کی وجہ کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی دو وجہیں تھیں (۱) ایک یہ کہ مسلمان تعلیم میں اور اقتصادی خوشحالی میں اپنے برادران وطن سے بہت پیچھے تھے اس بنا پر ضرورت تھی کہ ایسی درسگاہ قائم کی جائے جس میں غریب سے غریب گھر کے مسلمان بچے بھی اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں تعلیم پاسکیں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ مقصد ان مشترک تعلیم گاہوں سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا جو سب کچھ یا بہت بڑی حد تک برادران وطن کے روپیہ سے چل رہی تھیں اور یا گورنمنٹ

کی اپنی درسگاہیں تھیں کیونکہ ان دونوں قسم کی درسگاہوں میں مسلمان طلبہ کا داخلہ زیادہ سے زیادہ تناسب آبادی کے مطابق مل سکتا تھا اور اس بنا پر مسلمانوں میں تعلیم عام نہیں ہوسکتی تھی۔

(۲) اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو کم از کم ایک ایسی درس گاہ کی ضرورت تھی جس میں علوم جدیدہ کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و کلچر کی بنیاد پر طلبا کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کی جائے اس مقصد کے لئے ضروری تھا کہ دینیات کو جبری مضمون کی حیثیت دی جائے اور ساتھ ہی عربی، فارسی اردو، اور اسلامی تاریخ کی تعلیم کا اہتمام و انتظام نسبتۃً وسیع اور بلند پیمانہ پر کیا جائے علاوہ بریں طلبار کی خاص خاص انجمنیں اور سوسائٹیاں ہوں جن کے ذریعہ طلبار میں ایک مخصوص کردار اور ایک خاص طرز زندگی پیدا کیا جائے۔

مذکورہ بالا دو وجہوں میں سے جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے اس کی واقعیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اور اگر آج ایک سیکولر گورنمنٹ بھی ملک کے بعض پسماندہ طبقوں کے لئے بعض خاص خاص مراعات کرسکتی ہے اور اس سے گورنمنٹ کے سیکولرازم پر کوئی حرف نہیں آتا تو پھر ایک پسماندہ طبقہ کو خود یہ حق کیوں حاصل نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے ہی طبقہ کے لڑکوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے کا ذمہ لے اور اس کے لئے ایک الگ درسگاہ قایم کرے رہی دوسری وجہ! تو اگر اسلامی تہذیب و کلچر دنیا کا کوئی واقعی عظیم الشان کلچر ہے تو جس طرح کیمبرج اور آکسفورڈ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مغربی تہذیب و کلچر کے ساتھ اور ہندو بنارس یونیورسٹی اور شانتی نکیتن وغیرہ ہندو تہذیب و کلچر کے ماحول و فضا کے ساتھ علوم و فنون کی تعلیم کا انتظام و اہتمام کریں تو پھر کم از کم ایک یونیورسٹی کو یہ حق کیوں نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے ہاں اسلامی تہذیب و کلچر کے ماحول و فضا کے ساتھ تعلیم کا بندوبست کرے اس میں کلام نہیں کہ کسی قوم کے کلچر کی تعمیر و تشکیل میں اس کے مذہبی معتقدات و رجحانات کو بھی دخل ہوتا ہے لیکن کلچر کو مذہب کے ہم معنی سمجھنا پرلے درجہ کی ناواقفیت اور بے خبری ہے آج ہمارے ملک میں ہی کتنے ہیں جو مذہباً ہندو ہیں یا مسلمان لیکن مغربی تہذیب و کلچر کے دلدادہ و فریفتہ ہیں اس بنا پر کوئی درسگاہ ایسی جس میں اسلامی تہذیب و کلچر کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو اس کی نسبت یہ سمجھنا کہ وہ کسی ایک خاص مذہب کے لوگوں کی ہی درسگاہ ہے سخت ترین غلطی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے بانیوں نے اس درسگاہ کا دروازہ غیر مسلم طلبا

پر کبھی بند نہیں کیا البتہ یہ ضرور ہے کہ جو طالب علم بھی یہاں داخل ہوگا وہ اسلامی تہذیب و کلچر کے اثرات سے بالکل الگ نہیں رہ سکے گا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ وہ وجہیں جن کے باعث علی گڈھ یونیورسٹی کا نام مسلم یونیورسٹی رکھا گیا تھا اور جو ہم ابھی عرض کیا گیا نہایت معقول اور صحیح وجہیں تھیں اب بھی موجود ہیں یا نہیں ؟ تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اب موجود نہیں ہیں بلکہ جس وقت یونیورسٹی کی بنا رکھی گئی تھی اس کی بہ نسبت اب کہیں زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہیں اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ یونیورسٹی کے نام سے مسلم کے لفظ کو اڑایا جائے۔

رہی یہ بات کہ حکومت چونکہ سیکولر ہے اس بنا پر یونیورسٹی کے نام کے ساتھ اگر لفظ مسلم لگا رہا تو وہ حکومت کی گرانٹ کی مستحق نہیں ہوگی تو سوال یہ ہے کہ سیکولرزم کے معنی کیا ہیں ؟ کیا اس کے معنی اینٹی مذہب اور اینٹی کلچر کے ہیں ظاہر ہے کہ سیکولرازم کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ایسی حکومت جس کا اپنا خود کوئی مذہب نہیں ہے اور اس بنا پر اس کا برتاؤ ہر مذہب اور ہر فرقہ اور ہر کلچر کے لوگوں کے ساتھ یکساں ہوگا اور وہ ہر ایک کی سرپرستی، مساوات و برابری کے جذبہ سے کرے گی اس صورت میں حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے مختلف کلچروں کی نگہداشت اور حفاظت کرے اور اس میں اپنی والی کے فرق و امتیاز کو گوارا نہ کرے بہرحال ان وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر ہماری قطعی رائے ہے کہ بنارس یونیورسٹی کے ساتھ لفظ ہندو اور علیگڈھ یونیورسٹی کے ساتھ لفظ مسلم ضرور لگا رہنا چاہیے لیکن ان دونوں یونیورسٹیوں کی حیثیت فرقہ وارانہ ہونے کے بجائے کلچرل یونیورسٹیوں کی ہونی چاہیے یعنی بنارس میں مسلمانوں اور علی گڈھ میں ہندو طلبہ کے داخلہ کی اجازت ہونی چاہیے ایک جگہ ہندو دینیات جبری ہو اور دوسری جگہ اسلامی دینیات جن طلباء کو ہندو تہذیب اور کلچر کے ماحول میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہو وہ بنارس جائیں اور جن کو اسلامی تہذیب و کلچر کی فضا سے دلچسپی ہو وہ علی گڈھ آئیں۔

جو لوگ بات بات میں گاندھی جی کا نام لیتے ہیں ان کی عبرت کے لئے ہم ذیل میں ایک واقعہ بیان کرتے ہیں اگرچہ ہم ایک مدت پہلے بھی اس کو برہان میں نقل کر چکے ہیں جناب شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی جو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ارکان واعیان میں سے ہیں بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جامعہ کی مالی حالت حد درجہ سقیم ہوگئی تھی اس پر غور کرنے کے لئے ڈاکٹر انصاری مرحوم کے مکان پر ایک اجتماع ہوا جس میں حکیم اجمل خاں اور گاندھی جی بھی تھے بحث و گفتگو کے دوران میں سیٹھ جمنالال بجاج جو اس وقت جامعہ کے خزانچی تھے بولے کہ اگر جامعہ کے نام سے "اسلامیہ" کا لفظ اڑا دیا جائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہندوؤں سے ہی لاکھوں روپیہ چندہ کے میں لے سکتا ہوں گاندھی جی جو گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے یہ سنتے ہی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا "ہیں ! بجاج یہ تم کیا کہتے ہو میں نے تو یہ جامعہ قائم ہی اس مقصد کے لئے کی تھی کہ یہاں اسلامی تہذیب و کلچر کے ساتھ انگریزی علوم و فنون کی تعلیم دی جائے تاکہ اگر کل میں اپنے لڑکے دیوی داس کو اسلامی تہذیب و کلچر سے

تدوینِ حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۱۸)

صحابیت کی قوت کا اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تعلق تھا کیا وہ کسی بحث و تحقیق کا محتاج تھا؟ جن لوگوں میں اس بدیہی حقیقت کے متعلق شک و اشتباہ وہ پیدا کرنا چاہتے تھے، گو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی بڑی تعداد صحابہ کی دیکھنے والی تھی یا کم از کم صحابہ کے دیکھنے والوں سے ان کے حالات تواتر کی شکل میں ہر ایک کے کانوں تک پہنچے ہوئے تھے ساری فضا اس وقت کی صحابیت کی اس قوت کی گونج سے معمور تھی، یقیناً جس نصب العین کو وہ لے کر اٹھے تھے، کامیاب ہو جانے کے بعد اسلام کی فاش شکست پر ان کی یہ کوشش منتج ہوتی خدانخواستہ اگر یہ ہو جاتا تو پہلی صدی ہجری میں جیسا کہ ان بداندیشوں نے سوچا تھا اسلام کا سارا ایوان سربسجود ہو کر رہ جاتا گویا شروع ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی تاریخ ہمیشہ کے لئے اسی وقت ختم ہو جاتی، اس لئے اس کی تو داد دینی پڑتی ہے کہ تاکنے والوں نے ٹھیک اسی بنیادی اساس کو ضرب لگانے کے لئے تاکا تھا جس پر ضرب لگانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد وہ بازی جیت لیتے۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا دن کی کھلی روشنی میں خواہ دیکھنے والے جیسے کچھ بھی ہوں ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر یہ باور کرا دینا کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے اور بجائے دن کے رات آگئی ہے کوئی آسان بات نہ تھی، آخر مغالطی مقدمات کی اثراندازی بھی ایک خاص حد تک

محدود ہوتی ہے آپ لاکھ نفسیاتی کرتبوں سے کام لیتے ہوئے چلے آئیے، لیکن آنکھیں کھولے جو چمکتے ہوئے آفتاب کو دیکھ رہا ہے اس کو یہ باور کرانے میں کیا آپ کامیاب ہو سکتے ہیں آدمی بہرحال آدمی ہے چوپایہ اور جانور نہیں ہے خصوصاً شکار کھیلنے والے جن میں شکار کھیلنا چاہتے تھے مسلمان تھے اور غیر منافق مخلص مسلمان تھے۔

کوئی تدبیر اس کے سوا کارگر نہیں ہو سکتی تھی کہ جھوٹ کا دھواں اٹھایا جائے اور اسی سے ایسی تاریکی پھیلا دی جائے کہ بینائی رکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کو دن رات کی شکل میں نظر آنے لگے، یہی واحد تدبیر مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے باقی رہ گئی تھی۔ جسے بالآخر اختیار کرنے والوں نے اختیار ہی کیا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ کا انتساب قطع نظر اس کے کہ مآلاً وہ افتراء علی اللہ یعنی اللہ کی طرف جھوٹ باندھنے کے جرم کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور قرآن میں اس جرم کے مجرم کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی کرنے والوں کی صف میں سب سے بڑا ظالم اور مجرم بیسیوں جگہ قرار دیا گیا تھا اسی کے ساتھ ساتھ جیسا کہ گذر چکا فلیتبوء مقعدہ من النار والی روایت کا صحابہ کرام نے اتنا چرچا کیا تھا اور اس کو اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اتنی کثرت سے ہر مجلس و محفل میں وہ دہرانے رہتے تھے کہ روایت میں قریب قریب تواتر کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی اس ذریعہ سے قلوب میں اس جرم کی اہمیت کو دل نشین کرنے میں وہ اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ شاید قتل و زنا و سرقہ وغیرہ جرائم کی بھی اس جرم کے مقابلہ میں اہمیت باقی نہیں رہی تھی اس عہد کی تاریخ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس جرم کی اہمیت سے اتنے زیادہ متاثر تھے کہ دعویٰ کرنے والا اگر یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ گویا ان میں اس جرم کے ارتکاب کی صلاحیت ہی جاتی رہی تھی تو شاید واقعات کی روشنی میں اس دعویٰ کا مسترد کرنا آسان نہ ہوگا

آخر اس کے بھی کوئی معنی ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی یہی جماعت جس میں ہر قسم کے لوگ تھے یعنی اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ مدارج میں ان کو بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے، جیسے ہر جماعت کے افراد میں یہ تقسیم جاری ہوتی ہے تاہم یہ مسلم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر جو ہیں کہ معصوم پیدا نہیں کیا جاتا

اس لئے نہ اس زمانے میں اور نہ اس کے بعد اس وقت تک کسی طبقہ کے صحابیوں کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ مسلمانوں میں کبھی پیدا ہوا۔ اور غیر معصوم ہونے کی وجہ سے جس قسم کی بھی کمزوریاں اس جماعت کے بعض افراد سے سرزد ہوئی ہیں بغیر کسی جھجک کے مسلمان ہمیشہ ان کا تذکرہ زبانی بھی اور کتابوں میں بھی کرتے چلے آ رہے ہیں آخر خود سوچئے حضرت ماعز اسلمی، یا نعمان بن عمرو الانصاری یا مغیرہ بن شعبہ یا وحشی یا عمرو بن عاص یا خود امیر معاویہ وغیرہم حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی طرف حدیث و سیر و تاریخ وغیرہ کتابوں میں کون کون سی باتیں نہیں منسوب کی گئی ہیں اور بہ تسلیم کرکے منسوب کی گئی ہیں کہ واقعی ان لغزشوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے جرائم جنہیں ہم کبائر کہہ سکتے ہیں" واقعہ ہے ان کی شاید ہی کوئی قسم

ئے سیر صحابہ و تاریخ کی کتابوں میں ان صحابیوں کے حالات آپ کو ملیں گے خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ماعز کی طرف زنا کا جرم منسوب کیا گیا ہے اسی طرح مغیرہ بن شعبہ کی طرف بھی بعضوں نے اس جرم کو منسوب کیا ہے نعمان بن عمرو انصاری تو وہی مشہور شگفتہ مزاج صحابی ہیں جن کی بعض ادائیں عجیب بعض لکھا ہے کہ مدینہ میں موسمی پھل وغیرہ جیسی چیزیں بیچنے کے لئے کوئی آتا تو ادھار اس سے خرید لیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہدیہ پیش کر دیتے یہ خیال کرکے کہ نعمان کی طرف سے یہ ہدیہ ہے رسول اللہ خود بھی نوش جان فرماتے اور دوسروں میں تقسیم کر دیتے جب قیمت مانگنے والا نعمان کے پاس آتا تو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ رسول اللہ کے سامنے لاکر اس سے کہتے کہ قیمت آپ سے مانگ لو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ تم نے تو ہدیۃً پیش کیا تھا، کہتے کہ ہاں پیش تو ہدیۃً ہی کیا تھا لیکن میرے پاس دام کہاں ہیں جو ادا کردوں؟ ایک دفعہ ایک غریب بدو کے اونٹ کو جب وہ رسول اللہ کے پاس بیٹھا تھا انھوں نے بعضوں کے اشارے سے ذبح کر دیا۔ بدو نے باہر نکل کر یہ تماشا جو دیکھا چیخنے لگا رسول اللہ سے فریاد کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کی حرکت ہے، نعمان کا نام لیا گیا۔ وہ بھاگ کر ایک شخص کے گھر میں چھپے ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ڈھونڈتے ہوئے اس گھر میں گھس کر نعمان کو گرفتار کیا، دریافت کیا کہ یہ کیا حرکت تھی کہنے لگے کہ جن لوگوں نے میرا پتہ آپ کو بتایا ہے ان ہی کے اشارے سے میں نے کیا تھا آخر رسول اللہ نے اپنی طرف سے اونٹ کی قیمت بدو کو ادا کی اور کباب بنا کر اونٹ کو لوگ کھا گئے ان ہی نعمان پر متعدد دفعہ شراب خواری کا الزام لگا، ثابت ہوا، حد لگی وحشی بھی صحابیوں ہی میں شمار ہوتے ہیں، حمص میں رہتے تھے شراب خواری کے الزام میں ان پر بھی حد لگی رہے عمرو بن عاص اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سو ان کے متعلق مجھے کہنے کی بھی ضرورت نہیں، جن نا کردنیوں کو تاریخ میں ان کی طرف منسوب کیا ہے ان سے کون ناواقف ہے اور قصہ ان ہی لوگوں کی حد تک محدود نہیں ہے چاہا جائے تو اچھی خاصی فہرست ان اسماء کی مرتب ہو سکتی ہے۔

ہو گی جو اس فہرست میں نظر نہ آتی ہو، مگر حیرت ہوتی ہے کہ ان ہی صحابیوں کی طرف جہاں تک میرے معلومات ہیں اس جرم کے انتساب کی جرأت کسی زمانہ میں نہیں کی گئی ہے کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس سے جو فعل بھی سرزد ہو جاتا تھا محض صحابی ہونے کی وجہ سے لوگ اس فعل کے انتساب سے نہیں جھجکتے تھے تو خدانخواستہ کذب علی النبیؐ کے جرم کا تجربہ ان ہی صحابیوں میں سے کسی صحابی سے اگر ہوتا، تو اس کے ذکر سے لوگوں کو کون سی چیز مانع آسکتی تھی اسی لئے میں سمجھتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان کہ

کنا لا نتہم بعضا بعضا طبقات ابن سعد ج ۷، صـ۱۳ قسم دوم	ہم لوگ (یعنی صحابہ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے (یعنی قصداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط بات منسوب کر رہا ہے)۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کے ماننے پر آپس کے باہمی تجربات نے ان کو قطعی طور پر مجبور کر دیا تھا اور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہی حدیثوں کے سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس اعتراض کے سوا عموماً دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان ہی صحابیوں میں عام رواج تھا[1] لیکن احادیث و آثار کے اس عظیم ذخیرے کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی

---

[1] حدیث کے معمولی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صحابیوں کی بیان کی ہوئی کتنی حدیثوں پر تنقید فرمائی ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ (مردے پر رونے والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے) یہ حدیث ہو یا سماع موتی والی روایت ہو یا قطع صلوٰۃ کے سلسلہ میں یہ روایت کہ عورت کے سامنے آجانے سے بھی نماز منقطع ہو جاتی ہے یا نحوست نہیں ہے لیکن مکان گھوڑے عورت میں وغیرہا۔ روایتوں پر حدیث کی کتابوں میں صدیقہ عائشہ کی تنقیدیں اس وقت نقل کی جاتی ہیں، الوضوء مما مست النار (یعنی آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو کرنا چاہئے) ابوہریرہ کی اس حدیث پر ابن عباس ان کے شاگرد کی تنقید کہ کیا گرم پانی سے قبل بھی وضو کر دوں اور تو یہ چند سرسری مثالیں ہیں، چاہا جائے تو صحابہ کرام کی تنقیدوں کا ایک کافی ذخیرہ جمع کیا جا سکتا ہے جو دوسرے صحابیوں کی روایتوں پر ان کی طرف سے کی گئی ہیں ۱۲

جس کی بنیاد پر یہ سمجھا جائے کہ صحابی نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا الزام کبھی لگایا تھا؟ وہی حدیث یعنی گھر والوں کے رونے کی وجہ سے موتی پر عذاب ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حضرت عمرؓ اور حضرت کے صاحبزادے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس روایت کو بیان کیا کرتے تھے، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب سنا تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، لیکن کن الفاظ میں، مسند احمد میں ہے صدیقہ نے فرمایا

رحم اللہ عمر و ابن عمر فواللہ ما	رحم کرے اللہ عمر اور ابن عمر پر بس قسم ہے خدا کی نہ تو
هما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین	یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ
مسند احمد ص۲۸۱ ج ۶	منسوب کرنے والے اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں۔

اور عمر و ابن عمر تو خیر بڑے لوگ ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ بے چاری فاطمہ بنت قیس جن کی طلاق والی روایت کا شاید کہیں پہلے بھی ذکر آیا ہے، مسلمانوں کا خلیفہ اور وہ بھی کون خلیفہ؟ عمر فاروقؓ! فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو سمجھتے ہیں کہ قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنت سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے، لیکن بایں ہمہ زیادہ سے زیادہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمہ اور ان کی اس روایت کے متعلق کچھ کہہ سکے تو یہی کہہ سکے کہ

لا نترك كتاب اللہ وسنة نبیہ	اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کی سنت کو کسی ایسی عورت
صلی اللہ علیہ وسلم لقول امرأة	کے بیان سے ہم نہیں چھوڑیں گے جس کے متعلق
لا ندری احفظت او نسیت (صحاح)	ہم نہیں جانتے کہ اسے یاد رہا یا بھول گئی

جس کا حاصل یہی ہوا کہ بھول چوک، اور نسیان سے زیادہ اور کسی چیز کے انتساب کی یعنی عمداً غلط بیانی کے انتساب کی ہمت حضرت عمرؓ میں بھی فاطمہ جیسی عورت کے متعلق پیدا نہ ہوسکی۔

خلاصہ یہ ہے کہ بحث و تنقید کی آزادی کا حال تو یہ تھا کہ صحابہ صحابہ ہی پر نہیں بلکہ ان کے چھوٹے بڑوں ہی پر نہیں بے جھجک جہاں موقعہ ہوتا، اعتراض کرنے سے نہیں چوکتے تھے، بلکہ صحابیت کے شرف سے جو محروم تھے، دیکھا جا رہا تھا کہ بے محابا وہ بھی صحابہ کو ٹوک رہے ہیں، جہاں

ضرورت ہوتی ہے رد کر رہے ہیں، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کسی کو اس کا وسوسہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ العیاذ باللہ پیغمبر کو خدا کا سچا پیغمبر مانتے ہوئے ان کی طرف کسی غلط بات کے منسوب کرنے کی کوئی جرأت کر سکتا ہے، یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اپنے ایک پرانے قدیم شاگرد ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف جو صحابی نہ تھے ان کے سامنے وہ حدیث آپ نے روایت کی کہ جذام کا مرض جسے ہو گیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس سے اس طرح بھاگنا چاہئے جیسے آدمی شیر کو دیکھ کر بھاگتا ہے ابو سلمہ کہتے ہیں کہ سننے کے ساتھ میں نے ابو ہریرہ سے کہا کہ آپ ہی نے تو یہ روایت بیان کی تھی کہ "عدویٰ" کوئی چیز نہیں ہے یعنی بیماریوں کے متعلق چھوت اور تعدی کا خیال صحیح نہیں ہے، مطلب یہ تھا کہ آپ اس کے خلاف ایسی روایت بیان کر رہے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں میں تعدی اور چھوت کے قانون کو دخل ہے اعتراض سخت تھا دونوں روایتوں میں کھلا ہوا تضاد محسوس ہو رہا تھا، اس تضاد کو ابو سلمہ ظاہر بھی کرتے ہیں ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے جو کچھ کہا وہ بھی ان کی سمجھ میں نہ آیا[1] لیکن باوجود ان تمام باتوں

---

[1] ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میرے اعتراض کے جواب میں فرطن بالحبشیۃ (یعنی ابو ہریرہ حبشی زبان میں کچھ بولنے لگے) یہی وجہ ہوئی جو ان کی سمجھ میں حضرت ابو ہریرہ کا جواب نہ آیا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عدویٰ جس کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد تعدی یا چھوت کا طبی قانون نہیں ہے جو تجربے اور مشاہدے پر مبنی ہے بلکہ وحشی اقوام جیسے ہندوستان وغیرہ میں بعض امراض کو خبیث روحوں کی طرف منسوب کرنے کا وہم پایا جاتا ہے مثلاً سیتلا دیوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ جب کسی سے خفا ہوتی ہے تو اسے چیچک میں مبتلا کر دیتی ہے، ہندوستان کے مختلف مقامات میں سیتلا دیوی کے مندر پائے جاتے ہیں کچھ اسی قسم کا خیال ایام جاہلیت میں عربوں کا بعض امراض کے متعلق تھا عدویٰ سے ان ہی بعض امراض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو عدویٰ کو بھی اسی ذیل کی چیز خیال کرنا مستبعد نہیں ہے۔ بعض حدیث کتابوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جذام کے جراثیم کی شکل بالکل شیر جیسی ہوتی ہے سنا ہے کہ کسی ڈاکٹر نے پیغمبر کی اس حدیث کو سن کر تعجب کیا گویا حدیث میں محسوس ہوا کہ جذامی جراثیم کی اس شکل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے باقی ابو ہریرہ نے جواب میں حبشی زبان کیوں استعمال کی بظاہر اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان کے مزاج میں کچھ ظرافت تھی اسی موقع پر نہیں بلکہ دوسرے مواقع پر بھی ابو ہریرہ کو ہم پاتے ہیں کہ فارسی میں جواب دے رہے ہیں فارسی اور حبشی زبانیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتے تھے جب جی چاہتا استعمال فرماتے انشاء اللہ ان کی سوانح عمری میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی ان سیرہ اللہ ج ۱

کے حضرت ابوہریرہ کے متعلق ابو سلمہ اپنے اندر جس تجرباتی تاثر کو پاتے تھے" اس کا اظہار ان الفاظ میں انھوں نے کیا تھا آج بھی حدیث کی عام کتابوں میں ان کا یہ فقرہ موجود ہے، یعنی ابو سلمہ کہتے تھے کہ

فما رأیته نسی حدیثاً غیرہ (جمع الفوائد بحوالہ ابو داؤد وغیرہ)

پس میں نے نہیں پایا کہ اس حدیث کے سوا کسی اور حدیث کو وہ بھولے ہوں۔

ابو سلمہ جو حضرت ابوہریرہ کے حلقہ کے پرانے شاگرد ہیں ہزار ہا حدیثیں ان سے ابو سلمہ نے اس عرصہ میں سنی ہوں گی لیکن اس طویل صحبت اور تجربہ کے بعد یہ کہنا کہ بجز اس روایت کے ان کو میں نے بھولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، حضرت ابوہریرہ کے متعلق ایک وزنی شہادت ہے" بہرحال اس ایک موقعہ پر بھی خیال ابو سلمہ میں کسی چیز کا اگر پیدا ہوا تھی تو وہ صرف نسیان کا تھا حالات ہی ایسے تھے کہ اس کے سوا کسی دوسرے خیال کے پیدا ہونے کا امکان ہی کیا تھا الخطیب نے یہ لکھنے کے بعد یعنی

علی انہ لو لم یرد من اللہ عز وجل ورسولہ فیھم شیئ مما ذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الھجرۃ والجہاد والنصرۃ وبذل المھج والاموال وقتل الاباء والاولاد والمناصحۃ فی الدین وقوۃ الایمان والیقین (ص ۴۹)

صحابہ کے متعلق اللہ (قرآن) میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں وہ تعریفی الفاظ اگر نہ بھی پائے جاتے جن کا میں نے ذکر کیا جب بھی جو حال تھا اس کا بھی یہی اقتضا ہے کہ رسول اللہ کی طرف غلط بات نہیں منسوب کر سکتے تھے، یعنی ہجرت، جہاد اور پیغمبر کی نصرت، اپنی جانوں کی اور مالوں کی قربانی اپنے ماں باپ بچے اولاد کو اس راہ میں نثار کرنا اور دین کی بہی خواہیاں، ان کا ایمان ان کا یقین ان ساری باتوں کو سوچ کر یہی کہا جا سکتا ہے)

اس نتیجہ پر جو پہنچے ہیں کہ دین کے ان ہی سربازوں اور جاں فروش معماروں کے متعلق یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ جو باتیں دین نہ تھیں یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی فرمائی ہوئی نہ تھیں، قصداً وارادۃً ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف منسوب کر کے اس دین کو خود اپنے ہاتھوں انھوں نے ملیامیٹ

کر کے رکھ دیا، جس کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا اپنے اور اپنے بال بچوں کے خون سے جس دیوار کی انھوں نے تعمیر کی تھی سمجھ میں آنے کی بات ہے کہ خواہ مخواہ بلا وجہ اسی دیوار کو منہدم کر کے رکھ دینے کی آخر وجہ ہی کیا ہو سکتی تھی لیکن جب صحابیت ہی کی قوت کو چاہا گیا کہ اسلامی تاریخ میں اس کے وجود کو صفر کر دیا جائے۔ صفر ہی نہیں بلکہ برباد کرنے کی کوشش ہونے لگی کہ اسلام کی صف میں اول سے آخر تک یہی قوت مسلسل کام کرتی رہی یہ دعویٰ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا اتنا غیر معقول اور عجیب و غریب ہے کہ دلوں میں اس کا عام حالات میں اتارنا آسان نہ تھا آخر فوجی نوآبادیوں کے وہ عرب سپاہی جن میں کام کرنے والے کام کر رہے تھے، جیسے کچھ بھی تھے اور جو کچھ بھی تھے لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے وہ مسلمان تھے، عام انسانی احساسات اور حق و باطل کی تمیز کی عام فطری قوت سے وہ محروم نہ تھے۔ چارۂ کار اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ راہ کی ہر وہ منزل جس میں دسیسہ کاریوں کی ہر دوسری تدبیر بے اثر ہو کر رہ جاتی تھی اسی منزل کو ان جھوٹی حدیثوں سے وہ بھر دیتے تھے جنھیں عین وقت پر گھڑ کر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان بزرگوں کی طرف وہ منسوب کر دیا کرتے تھے جن کو صحابہ کی عام جماعت سے مستثنیٰ کر کے کہتے تھے کہ ان ہی گنے چنے چند صحابیوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلصانہ تعلق تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ اسلام کے یہ دونوں انقلابی حوادث یعنی صحابیت کے خلاف جو طوفان اٹھایا گیا۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کر کے جھوٹی حدیثوں کا جو دھواں اسلامی فضا میں پھیلایا گیا، اگرچہ بظاہر دیکھنے میں یہ دونوں حادثے الگ الگ حادثے نظر آتے ہیں، مطالعہ کرنے والے بھی ان دونوں حوادث کا مطالعہ اس طریقے سے کرتے چلے آئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے گویا کوئی تعلق نہ تھا، لیکن اور کچھ نہیں صرف یہی بات کہ ان دونوں انقلابی حوادث کی ابتداء کی تاریخ درج کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں لکھا تھا کہ دونوں کی ابتداء ایک ہی سرچشمہ سے ہوئی تھی میرے نزدیک دونوں حوادث کے باہمی تعلق کے سمجھنے کے لئے یہی واقعہ کافی تھا۔

لسان المیزان اٹھا کر دیکھئے، عبداللہ بن سبا کا ذکر کرتے ہوئے حافظ نے جہاں یہ لکھا ہے کہ صحابیت کے خلاف وہ طوفانِ عام جس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو شریک کر لیا گیا تھا بلکہ بنیاد ہی اس پر رکھی گئی تھی کہ ان ہی دونوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے منشار کے خلاف کاروبار شروع کیا اور صحابہ کی عمومیت نے ان کا ساتھ دیا گویا بنیادی الزام ان ہی دونوں پر لگایا گیا تھا اس واقعہ کے ذکر کے بعد تصریح کی ہے کہ

کان عبد اللہ بن سبا اول من اظهر ذلك ج۳ صفحہ ۲۹ — عبداللہ بن سبا ہی پہلا آدمی ہے جس نے اس خیال کو ظاہر کیا۔

جس کا مطلب یہی ہوا کہ صحابیت کے خلاف جس نے سب سے پہلے مخالفانہ باتیں شروع کیں وہ بھی یہی عبداللہ بن سبا تھا اور اسی کے ساتھ حافظ ہی نے عامر شعبی کے حوالہ سے ان کا دعویٰ نقل کیا ہے کہ

اول من كذب عبد اللہ بن سبا ج۳ صفحہ ۲۸۹ — اور سب سے پہلے جو جھوٹ بولا (یعنی جھوٹی حدیث بنائی) وہ عبداللہ بن سبا ہی تھا۔

دونوں انقلابی حادثوں کی اولیت کا اسی ایک شخص میں جمع ہونا یقیناً کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ ایک کی تکمیل کے لئے دوسرے کا وجود ناگزیر تھا۔

اس میں شک نہیں کہ خلافتِ عثمانی سے پہلے بھی مخالفانہ قوتیں جو عرب کے مختلف گوشوں میں پوشیدہ تھیں موقع پا کر سر نکالتی رہتی تھیں عہدِ صدیقی کا واقعہ ردّہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان مخالفانہ مخفی قوتوں سے بے تعلق تھا اور گو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں فتوحات کی وسعت کی وجہ سے بادیۂ عرب کے ان سپاہیوں کو کسی ایک جگہ سمٹ کر بیٹھنے کا موقعہ نہ ملتا تھا ان کو دنیا کے اس طول و عرض میں پھیلا دیا گیا جس کا دامن ایک طرف مغربی افریقہ کے حدود سے اور دوسری طرف مشرق میں چینی ترکستان سے ملا ہوا تھا ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ کسی دوسرے مسئلہ کی طرف توجہ کرنے کی گنجائش ہی کب پیدا ہوتی تھی ان کی حالت جیسا کہ تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے یہ تھی کہ

لا یکون ھم احد ھم الا نفسہ ما	ان کے سامنے اپنی جان اور جس جانور پر سوار ہوتے
ھو فیہ من دبۃ دابتہ او قمل	تھے اس کے کپڑے اور اپنے پوستین کے جوں کے سوا اور
فرج ۵ صہ ۲۴۹/۵۷ طبری	کسی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہ تھا۔

لیکن بایں ہمہ صبیغ ہی کے جس واقعہ کا آپ ذکر سن چکے ہیں جو اجناد المسلمین (مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں) میں مختلف قسم کے شکوک و شبہات قرآنی آیتوں کے متعلق پھیلاتا پھرتا تھا اور بہ ظاہر اس کی تحریک گرچہ بالکلیہ ایک ذہنی اور فکری تحریک معلوم ہوتی تھی لیکن العسکری کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے کہ

اتھمہ عمر برای الخوارج ا	حضرت عمر کا خیال تھا کہ وہ یعنی صبیغ خوارج کی جماعت
اصابہ صہ ۲۵۹/ج ۳	سے تعلق رکھتا ہے۔

"الخوارج" کے لفظ سے یہاں مراد یقیناً اس کے وہ اصطلاحی معنی نہیں ہیں جو خاص قسم کے عقاید و اعمال رکھنے والے ایک مستقل اسلامی فرقہ کی تعبیر ہے کیونکہ خارجیوں کا یہ فرقہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں پیدا ہوا، بلکہ "الخوارج" سے مقصود اس کے عام معنی ہیں، یعنی حکومت قائمہ کے خلاف باغیانہ خیال و عمل رکھنے والے لوگ، جس کا مطلب یہی ہوا کہ صبیغ کی تحریک میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان لوگوں کی کوششوں کی جھلک نظر آتی تھی جو اسلام اور دولت اسلامی کے خلاف اٹھانا چاہتے تھے، مگر جیسا کہ آپ نے دیکھا عہد فاروقی کے حکام اتنے بیدار تھے کہ صبیغ کو فوراً پایۂ تخت خلافت روانہ کر دیا گیا، حالات کا اندازہ کر کے جس حد تک خود حضرت عمر اس کی اصلاح کر سکتے تھے حالاں کہ کر چکے تھے، وہ تائب بھی ہو چکا تھا، لیکن باوجود اس کے زمانہ تک بصرہ جہاں صبیغ نے قیام اختیار کیا تھا وہاں کے والی اور حاکم حضرت ابو موسیٰ اشعری پر شدید تاکید حضرت عمر کی طرف سے تھی کہ صبیغ پر کڑی نگرانی رکھی جائے حکم تھا کہ اس کے ارد گرد لوگ جمع ہونے نہ پائیں حکم کی تعمیل جس طریقہ سے اس زمانے میں کی جاتی تھی، اس کا اندازہ ابو عثمان النہدی کے اس بیان سے ہوتا ہے جو اسی صبیغ کے متعلق ان کی طرف منسوب ہے، یعنی کہتے تھے۔

کتب الینا عمر ان لا تجالسوہ قال فلو جاء ونحن مأئة لتفرقنا (ج ۳ ص ۲۵)

عمر نے لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ کوئی نشست برخاست نہ کرے (اس حکم کا نتیجہ یہ ہوا) کہ جب صبیغ ہم لوگوں کی طرف آتا اور سو آدمیوں کی ٹولی بھی بیٹھی ہوتی تو ہم بکھر جاتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان معاملات میں کتنے محتاط بیدار اور چوکنے رہتے تھے، ذرا ان کے اس طرزِ عمل کو ملاحظہ کیجئے جس کا ذکر ابن سعد نے احنف بن قیس کے تذکرہ میں کیا ہے یعنی مسلمان ہو کر حضرت عمرؓ کے پاس جب احنف آئے تو ان کی تقریری اور ذکری صلاحیتوں کو دیکھ کر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو کامل ایک سال تک اپنے پاس روکے رکھا، جب سال پورا ہو گیا، تب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بصرہ اس فرمان کے ساتھ روانہ کر دیا کہ "اس شخص کو اپنے پاس رکھنا اور مہمات میں اس سے مشورہ لیتے رہنا جو مشورہ دے اس پر عمل کرنا" کہنے کی بات یہ ہے کہ جب احنف روانہ ہونے لگے تب حضرت عمرؓ نے ان کو مخاطب کر کے کہا

"تم جانتے ہو، کامل سال کبر تک اپنے پاس تم کو میں نے کیوں روک رکھا تھا، میں تم کو جانچنا چاہتا تھا، اور خوب جانچا۔ پرکھا اب میں اپنے اس احساس کا اعلان کرتا ہوں کہ بجز بھلائی کے تم میں اور کوئی پہلو مجھے نظر نہ آیا ظاہر تمہارا جہاں تک تجربہ ہوا مجھے بہت اچھا معلوم ہوا، اور میں امید کرتا ہوں کہ تمہارا باطن بھی ظاہر ہی کی طرح بہتر ہوگا۔" ابن سعد ج ۷ ص ۶۶ قسم دوم

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے آخر زمانہ میں پہلی بات تو یہی نظر آتی ہے کہ

لہ حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک روایت بھی بیان کی کہ آپ ان لوگوں سے ڈرایا کرتے تھے جو صاحبِ علم و فکر ہوں لیکن دین سے ان کا قلب بے تعلق ہو یہ بھی کہا تھا کہ ہم لوگ آپس میں یہ گفتگو کیا کرتے تھے کہ اس امت کی ہلاکت اسی قسم کے لوگوں سے ہوگی جو علیم و منافق ہوں گے یعنی تعلیم یافتہ بے دینوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کی بربادی مقدر ہے اصلی الفاظ حضرت عمرؓ کے یہ ہیں کہ کنا نتحدث انما یھلک ھذہ الامۃ کل منافق علیم (ج ۷ ص ۶۶ قسم اول)

اچانک جہادی مہموں کی سرگرمیوں پر ایک قسم کا جمود طاری ہوگیا ۳۳ھ سے ۳۵ھ تک یعنی جس سال حضرت والا کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اس سے دو سال پہلے کی روداد پڑھئے ان میں آپ کو کسی بھی مہم یا دشمنوں سے مسلمانوں کی آویزش کا کوئی تذکرہ نہ ملے گا خود اس سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے علاوہ اس کے جب ملک کے مختلف اطراف و جوانب سے فتنوں کی خبریں آنے لگیں اور حضرت عثمان نے مختلف صوبوں کے والیوں کو جمع کر کے مشورہ فرمایا تو مشورہ دینے والوں سے بعضوں نے مرض کی تشخیص کرتے ہوئے اپنی طرف سے علاج کی تدبیر یہ پیش کی تھی۔

ارى لك يا امير المومنين ان تشغلهم بالجهاد عنك — کامل ص ۵ — امیر المومنین میرا خیال یہ ہے کہ ان لوگوں کو جہاد میں مشغول کر کے اپنی طرف سے ہٹا دیجئے،

اور حضرت عثمان نے ان کی اس تجویز کے مطابق حکم بھی دیا جیسا کہ لکھا ہے کہ

امرھم بتجھیز الناس فی البعوث (") حکم دیا کہ لوگ فوجی مہموں میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

لیکن ثابت ہوا کہ یہ علاج بعد از وقت ہے بنانے والے نوجیوں کے بے کار اور خالی دماغوں میں فتنوں کے جن گھونسلوں کو بنانا چاہتے تھے بنا چکے تھے اس پر بھی جس قسم کی کامیابی ان کو ہوئی شاید نہ ہوتی اگر عہد فاروقی کے بیدار مغز حکام کی جگہ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ نہ چلی جاتی جس کا اندازہ اسی واقعہ سے ہوتا ہے کہ یہی عبداللہ بن سبا جب شروع شروع اسلامی چھاؤنیوں میں داخل ہوا، اور بصرہ میں پہلی دفعہ اس نے سر نکالا، حالاں کہ جس قسم کے لوگوں میں وہ ٹھیرا تھا حکومت کی نگاہوں میں وہ خود مشتبہ تھے اس وقت بصرہ کے حاکم ایک قریشی نوجوان عبداللہ بن عامر تھے۔ لوگوں نے ابن سبا کے مشکوک طرز عمل کی خبریں ان تک پہنچائیں بھی لیکن انھوں نے زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ اس کو ملوایا پوچھا کہ بھائی تم کہاں سے آئے ہو کون ہو جواب میں ابن سبا نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں پہلے یہودی تھا اور اب مذہب اسلام کو میں نے قبول کر لیا ہے اور آپ کی پناہ میں یہاں آیا ہوں،

ابن عامر نے یہ سن کر کہا کہ

"جس قسم کی خبریں تمہارے متعلق مجھے مل رہی ہیں ان کا اقتضا ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ" طبری (باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الثقفی

(۲)

از

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم - اے - پی ، ایچ ، ڈی)

(ب) تنظیم حکومت: کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد مختار نے مستثنائی رواداری اور حسن سلوک سے حکومت شروع کی، موالی اور غلاموں کا وہ بڑا محسن تھا، شہر کے معزز لوگوں، قبائلی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں (قراء و مفتی) کے ساتھ جن میں سے اکثر اس کے خلاف حکومت کی وفاداری میں لڑے تھے اس نے نہایت اچھا برتاؤ کیا اور ان کی تالیفِ قلب کی برابر کوشش کرتا رہا اگرچہ عربوں اور خاص طور پر کوفہ کے شوریدہ سر جاہ پسند عربوں کو مطمئن رکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔

کوفہ کے خزانہ میں اس کو نوے لاکھ درہم یعنی تقریباً پچاس لاکھ روپیے ملے اس روپیے کا ایک حصہ اس نے اپنے ان معاونین پر صرف کیا جن کی مدد سے اس کو فتح حاصل ہوئی تھی گورنر کے محاصرہ سے پہلے اڑتیس سو آدمی اس کے ساتھ تھے جن میں سے ہر ایک کو اس نے بلا امتیاز پانچ پانچ سو درہم عطا کئے (کیونکہ وہ سابقین اولین تھے) اور ان چھ ہزار کو جو محاصرہ کے دوران میں اس کے پرچم کے نیچے آگئے تھے دو دو سو درہم دئے۔[1]

اس رقم کا ایک گراں قدر عطیہ اس نے ابن الحنفیہ (متوفی ۸۱ھ) علی بن حسین، ابن عباس (متوفی ۶۹ھ) اور عبداللہ بن محمد (متوفی ۶۸ھ) کو بھیجا بلکہ بقول مصنف انساب الاشراف اس کے تحفے برابر ابن عمر (بہنوئی)، ابن عباس اور ابن الحنفیہ کے پاس ان حضرات کی خوشنودی و اخلاقی مدد حاصل کرنے کے لئے جاتے رہتے تھے۔[2]

اس دولت کے ایک حصے سے اس نے اپنی رہائش کے لئے غالباً قلعہ میں ایک مکان بنوایا

---

[1] طبری ۱۵۹/۲ [2] انساب الاشراف ۲۷۰/۵

اور ایک خوشنما باغ لگوایا اور ان دونوں پر کافی روپیہ خرچ کیا[۱]۔

کوفہ کے خاص و عام کو وقتی طور پر مطمئن کر کے وہ ماتحت علاقوں کی طرف متوجہ ہوا یہ علاقے خراسان فارس، اور سجستان کے صوبوں کو چھوڑ کر ایران و موصل کے ایک بڑے رقبہ پر مشتمل تھے یہاں اس نے اپنے نمایندے مقرر کئے اپنے قدیم ترین مخلص ساتھیوں میں سے متعدد کو اس نے گورنر اور کلکٹر کی حیثیت سے ان علاقوں میں بھیجا[۲]۔ اور بقیہ کو وقت ضرورت مدد کے لئے اپنے ساتھ رکھا ان میں سے ایک کو جس کا نام ابن کامل تھا اس نے شہر کا کوتوال مقرر کیا دوسرے معتمد ابو عمرہ کیسان کو جو مولی تھا اور جو بتصریح مصنف انساب الاشراف ۲۲۹/۵ فرقہ کیسانیہ کا موسس بنا (ملاحظہ ہو الملل والنحل شہرستانی اور ابن حزم) اپنے محافظ گارڈ کا کمانڈر مقرر کیا یہ عہدہ کوتوال کے عہدہ سے زیادہ معتمد کے آدمی کو دیا جاتا تھا کوتوال نے اس کو آکر اطلاع دی کہ سابق گورنر (ابن مطیع) ابو موسیٰ اشعری کے گھر میں روپوش ہے حسب دستور چاہیئے تھا کہ مختار اس کو پکڑوا کر قتل یا قید کرا دیتا لیکن اس نے کوتوال کی رپورٹ پر دھیان نہ دیا کوتوال نے تین بار رپورٹ کا اعادہ کیا اور ہر بار مختار سنی ان سنی کرتا رہا۔ گورنر پہلے مختار کا دوست رہ چکا تھا حضرت عمرؓ کا رشتہ دار تھا[۳] اور جیسا کہ ہم پڑھ چکے ہیں حضرت عمرؓ کے لڑکے عبداللہ مختار کے بہنوئی تھے، جب رات ہوئی تو مختار نے ابن مطیع کے پاس ایک لاکھ درہم بھیجے اور کہلا دیا کہ اس روپیہ سے تم سفر کا انتظام کر کے بھاگ جاؤ، مجھے تمہاری جگہ معلوم ہو گئی ہے میرا خیال ہے زاد راہ اور سفر خرچ نہ ہونے کی وجہ سے تم رکے ہوئے ہو[۴]۔ روپئے لے کر گورنر بصرہ چلا گیا ابن زبیر کے ڈر سے مکہ جانے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔

مختار مدبر، محسن، کاہن، نبی اور فقیہ ہر حیثیت سے اہل کوفہ کے دماغ پر چھانا چاہتا تھا چنانچہ صبح شام وہ مقدمے سننے اور دادرسی کرنے کے لئے دربار عام کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کی یہ حیثیت مسلمہ ہو گئی اور قراء کوفہ اس کی لیاقت کا لوہا مان گئے تو وہ اس کام سے یہ عذر کر کے دست بردار ہو گیا: "میں زیادہ اہم معاملات حکومت کے پیش نظر جج کے فرائض انجام نہیں دے سکتا" یہ شریح

---

[۱] انساب ۲۶۲/۵ مروج حاشیہ تاریخ کامل ۱۵۸/۶ [۲] اخبار الطوال [۳] اخبار الطوال صفحہ ۳۰۳ [۵] انساب ۲۲۸/۵

[۶] طبری ۱۱۰/۶

جو حضرت عمرؓ کے زمانہ سے کوفہ میں قاضی کے منصب پر رہے تھے حضرت علیؓ نے ان کو کچھ زمانہ کے لئے معطل کر دیا تھا، قاضی شہر مقرر کئے گئے۔ شیعوں نے شریح کے خلاف عثمانی ہونے کا پروپیگنڈہ کیا وہ مستعفی ہو گئے ان کا عہدہ مختار نے ابن مسعود (کوفہ کے فقہی مدرسہ کے بانی) کے پوتے عتبہ کے سپرد کیا۔[1]

یہ بڑی حیرت کی بات ہے کہ مختار نے قوت حاصل کرنے کے بعد سب سے پہلے اہل بیت کے قاتلوں یا ان کے قتل میں شرکت کرنے والوں کو سزا نہیں دی حالانکہ اس کے آئین سیاسی کی سب سے اہم دفعہ یہی تھی، جو قبائلی سردار ابن زیاد کے حکم سے حضرت حسین کے ساتھ لڑنے پر مامور کئے گئے تھے وہ شہر میں موجود تھے اور وہ لوگ بھی جنہوں نے حضرت حسین پر تیر چلائے تھے یا ان کا سر کاٹا یا ان کے قریبی اعزا پر حملے کئے تھے مختار نے کسی سے تعرض نہ کیا بلکہ جیسا کہ مورخوں کی تصریح سے پتہ چلتا ہے سب کے ساتھ وہ رواداری سے پیش آیا شاید وہ اپنی حکومت استوار کرنے کے بعد یہ سنگین قدم اٹھانا چاہتا ہو۔ اپنے سیاسی آئین اور دعووں کی اس صریح تنقیص کو وہ غیب دانی کے پردوں میں شعبدوں سے چھپا لیتا ہوگا تقریباً ایک سال تک وہ قاتلین حسین کو ڈھیل دیتا رہا پھر جب کوفہ کے غیر شیعی قبائلی عناصر نے دسویں ماہ اس سے بغاوت کی اور اس میں ناکام ہوئے تو مختار نے ان لوگوں پر تلوار سونت لی اور جنگ حسین یا قتل حسین میں شرکت کرنے والا جو جو ہاتھ آیا اس کا سر اڑا دیا اس بغاوت کے اسباب و نتائج بیان کرنے سے پہلے ایک نہایت بصیرت افروز واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔

ایک دن مختار کے محافظ گارڈ کا کمانڈر کیسان حسب دستور اس کے قریب ڈیوٹی پر تھا اور مختار کوفہ کے قبائلی سرداروں کے ساتھ نہایت گرمجوشی سے باتیں کر رہا تھا اور ان کی گفتگو نہایت توجہ سے سن رہا تھا اس کے قریب جو غیر عرب مقتدر لوگ تھے ان کی طرف وہ غیر ملتفت تھا یہ بات موالی سرداروں کو شاق گذری اور انھوں نے شکایت کے طور پر کیسان سے کہا "دیکھتے ہو ابو اسحاق (مختار کی کنیت) عربوں سے کس طرح ملتفت ہے اور ہماری طرف دیکھتا بھی نہیں" مختار تاڑ گیا۔ بعد

[1] طبری ۱۱۰/۶ [2] طبری ۱۰۹

میں اس نے کیسان کو بلا کر پوچھا کہ یہ لوگ تم سے کیا کہہ رہے تھے کیسان نے کہا وہ ان کی بجائے عربوں سے آپ کے التفات کی شکایت کر رہے تھے: مختار فوراً سنبھلا اور کیسان سے بولا": تم ان سے کہہ دینا کبیدہ خاطر نہ ہوں، ہم اور تم ایک ہیں اس کے بعد دیر تک خاموش رہا پھر قرآن کی وہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے": ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے یہ پیغام پاکر موالی سردار باغ باغ ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے خوش ہو جاؤ ابو اسحاق کے ہاتھوں تم نے ان کو (عربوں کو) تباہ کر دیا"[1]

مختار کی یہ وعید کہ ہم مجرموں سے انتقام لے کر رہیں گے غالباً حضرت حسین کے قاتلین کے بارے میں تھی جن میں متعدد کوفہ کے قبائلی سردار تھے اور ایک تو سعد بن ابی وقاص کے لڑکے تھے جن کی نگرانی میں کربلا کی جنگ ہوئی تھی۔

مختار کا غیر عربوں کے ساتھ حسن سلوک کوفہ کے عربوں کو سخت ناگوار گزرنے لگا موالی مختار کے ستون ہوتے تھے ان کی ایک بڑی فوج اس نے تیار کر لی تھی جن پر موالی افسر مقرر تھے اور ان کو ملکی آمدنی سے تنخواہیں دی جاتی تھیں، اب تک ملکی آمدنی کلیۃً عربوں پر صرف ہوتی تھی چونکہ مفتوحہ ممالک کے فاتح صرف عرب تھے وہی ان کی آمدنی کے مستحق سمجھے جاتے تھے موالی جن کو آزاد کر دیا گیا تھا یا غلام جو مملوک تھے اس آمدنی سے حصہ نہ پاتے تھے مختار نے غیر عربوں کو اپنے مقاصد اور خود عربوں کے مقابلہ میں آلہ کار بنانے کے لئے غلاموں اور موالی کو آمدنی اور غنیمت میں شریک کیا اس طرزِ عمل سے موالی کی دلی ہمدردی اور وفاداری اس نے خرید لی اور عربوں کے مقابلہ میں متلون، بے وفا اور خود سر عربوں کے مقابلہ میں ایک طاقتور محاذ بنا لیا۔ یہ طرزِ عمل زخم بن کر عربوں کے دل میں بڑھنے اور پکنے لگا اور نو ماہ بعد ایک خوفناک بغاوت کی شکل میں پھٹا۔

جنگ سبیع ذوالحجہ ۶۶ھ

عبیداللہ بن زیاد جس کو مروان (پہلا مروانی خلیفہ متوفی ۶۵ھ) نے عراق و جزیرہ فتح کرنے بھیجا تھا ۶۵ھ میں توابین کے جانبازوں کو شکست دے کر ایک سال تک جزیرہ کے ایک دشمن کا محاصرہ کئے رہا اور اس محاصرہ میں ناکام ہو کر ذی قعدہ ۶۶ھ میں عراق فتح کرنے کے ارادہ سے موصل کی طرف بڑھا

[1] طبری ۱۰۹/۷

جہاں مختار کا عامل موجود تھا اور جس کو شکست دے کر وہ عراق کی سمت بڑھنے والا تھا مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے فوراً ماہ ذوالحجہ میں تین ہزار شہ سواروں کی (اخبار الطوال ص۳) بیس ہزار منتخبہ ملٹین اپنے ایک نہایت آزمودہ کار جنرل یزید بن انس کی قیادت میں روانہ کی اس فوج کی روانگی کے بعد باغی عنصر حرکت میں آنے لگے ابن زیاد نے اس فوج کو شکست فاش دی اور یزید بن انس بحالت بیماری میدان جنگ میں مرگیا بقیۃ السیف کوفہ بھاگ آئے۔

باغی عنصر نے جن میں خصوصیت کے ساتھ وہ قبائلی سردار تھے جنہوں نے قتل حسین میں کثرت کی تھی اور گورنز کے ساتھ مختار سے لڑے تھے شکست سے فائدہ اٹھا کر شہر میں ہراس انگیز خبریں پھیلانا شروع کیں اور مختار پر طعن کرنے لگے "یہ شخص بغیر ہماری رضامندی کے ہمارا حاکم بن بیٹھا ہے ہمارے موالی کو عزت دے کر ان کو گھوڑوں پر چڑھا دیا ہے ان کو تنخواہیں دیتا ہے، اور ہمارا مال غنیمت ان کو کھلاتا ہے ہمارے غلام نافرمان ہوگئے ہیں (مختار کے حسن سلوک و مساواتی برتاؤ سے) اس طرح اس نے ہمارے یتیموں اور بیواؤں کو نقصان پہنچایا ہے[۵]" پھر سب نے مل کر ایک قبائلی سردار شبث بن ربعی کے گھر کانفرنس کی اور اپنی ساری شکایتیں اس سے بیان کیں شبث ان کے نمائندہ کی حیثیت سے مختار سے ملا اور ان کی جو شکایت کرتا مختار اس کو دور کرنے کا وعدہ کر لیتا اور کہتا میں ہر طرح ان کو مطمئن کردوں گا پھر شبث نے غلاموں کے بارے میں ان کی شکایت پیش کی اس نے کہا میں ان کو واپس دوں گا پھر اس نے موالی کے بارے میں ان کی شکایت پیش کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے ہمارے موالی ہم سے چھڑا لئے حالانکہ وہ خدا کا عنایت کیا ہوا مال غنیمت تھے ہم نے صرف اس لئے ان کو آزاد کیا تھا کہ ہم کو ثواب ملے اور وہ ہمارے ممنون احسان رہیں آپ نے اس پر بس نہ کیا بلکہ ہماری غنیمت میں بھی ان کو شریک بنا دیا" مختار نے کہا اگر میں موالی کو تمہاری خدمت و اطاعت کے لئے چھوڑ دوں اور آمدنی صرف تم پر ہی صرف کروں تو کیا تم میرے ساتھ ہو کر بنو امیہ اور ابن زبیر سے لڑو گے خدا کے نام پر اس بات کا عہد کرو گے؟ نمائندہ نے کہا میں اپنے دوستوں سے مشورہ کر کے

---

[۵] طبری ۱۲/۷

جواب دوں گا وہ چلا گیا اور پھر نہ لوٹا قبائلی سردار اس وعدہ کے لئے تیار نہ تھے ان کا مقصد فساد برپا کرنا تھا اخبار الطوال کے مصنف نے اشرافِ کوفہ کی جو شکایات اور مختار کے جو جوابات بیان کئے ہیں وہ اس روایت سے کسی قدر مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ کافی بصیرت افروز ہیں وہ بیان کرتا ہے: مختار اٹھارہ ماہ تک مقتدر رہ کر اور حسین کے قاتلوں کا کھوج لگا کر قتل کرتا رہا، علاقہ سوادِ جبل اصبہان، رتی، آذربائیجان اندجزیرہ کے محاصل اس کے پاس آتے تھے اس نے فارسیوں کو بڑا مرتبہ عطا کیا ان کے اور ان کے بچوں کے لئے ماہانے اور وظیفے مقرر کئے ان کو اپنا مشیر و مقرب بنایا اور عربوں کو دور رکھا اور ان کے حقوق پورے نہیں کئے اس وجہ سے وہ ناراض ہو گئے اور ان کے قبائلی سردار ایک وفد کی صورت میں اس کے پاس آئے اور اس پر لعن طعن کیا: مختار کا جواب یہ تھا: "میں نے تمہاری قدر و منزلت کی تو تم مغرور و سرکش ہو گئے۔ میں نے تم کو گورنری و کلکٹری کے عہدے دئے تو تم نے خراج کم کر لیا، اس کے برخلاف یہ فارسی میرے زیادہ فرمانبردار، زیادہ وفادار اور میرے اشاروں پہ چلنے والے ہیں کوفہ کے قبائلی سرداروں نے مختار سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔[1]

یزید بن انس کی سرکردگی میں بھیجی ہوئی فوج کو جب شکست ہوئی تو مختار نے ابن اشتر کو جس کی مدد سے اس نے کوفہ پر قبضہ کیا تھا) ابن زیاد کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ مختار کے لئے یہ بڑا سنگین موقع تھا ایک طرف پایۂ تخت کے سارے غیر شیعی سردار اس کی حکومت الٹنے کی تیاری کر رہے تھے دوسری طرف شام کا ہولناک غنیم اس کے علاقوں کو پامال کرتا ہوا بڑھا چلا آ رہا تھا ابن اشتر کو بلا کر مختار نے یہ الہامی الفاظ کہے:" اس مہم کے لئے یا میں موزوں ہوں یا تم میرا خیال ہے تم ہی جاؤ خدا کی قسم تم فاسق عبیداللہ بن زیاد کو قتل کر دو گے اور تمہاری مدد سے اللہ اس کے لشکر کو شکست دے گا اس بات کی خبر مجھ کو ان لوگوں سے ہوئی ہے جنہوں نے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں اور جن کو معاملاتِ جنگ کی بصیرت ہے" مختار نے بیس ہزار سپاہی (بقول طبری سات ہزار) منتخب کئے جن میں اکثر فارسی تھے اور جو کوفہ میں آباد ہو گئے تھے اور جن کو حمراء (گورے رنگ والے) کہتے تھے۔[2]

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۰۲ [2] اخبار الطوال ص ۳۰۱

جب ابن اُشتر کوفہ سے روانگی کی تیاری کر رہا تھا تو قبائلی سرداروں نے مختار پر حملہ کرنے کی ٹھان لی اور ایک کانفرنس کی جس میں مذکورہ شکایتوں کے علاوہ اس کی اس حرکت پر اظہارِ ناراضی کیا کہ وہ ابن حنفیہ کے مامور ہونے کا مدعی ہے حالانکہ ابن الحنفیہ نے اس کو نہیں بھیجا نیز یہ کہ وہ اور اس جیسی سبائی ذہنیت والے ان کے سلف صالحین سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں[1]۔ ایک قبائلی سردار نے جو عربوں کی نفسیات سے خوب واقف تھا مختار سے بغاوت کی مخالفت میں یہ پرزور دلیلیں پیش کیں: "مجھے ڈر ہے کہ تمہارے درمیان اتحاد قایم نہ رہ سکے گا تم کسی ایک رائے پر عمل نہ کرسکو گے اور ایک دوسرے کو چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے، بخدا مختار کے ساتھ تمہارے ہی بہادر بھائی بند ہیں ان کے علاوہ اس کے ساتھ تمہارے غلام اور موالی بھی ہیں اور یہ لوگ متحد الخیال ہیں تمہارے غلام اور موالی تمہارے دشمن کے مقابلہ میں تم سے بدرجہا زیادہ نفرت کرتے ہیں اور تم سے عربوں کی بہادری اور فارسیوں کی دشمنی سے لڑیں گے؛ اگر کچھ دن تم نے اور مختار کو ڈھیل دے دی تو اہل شام یا اہل بصرہ خود آکر تمہارا مقصد پورا کر دیں گے۔" (یعنی مختار کو تباہ کر دیں گے) یہ صائب رائے ان کو پسند نہ آئی طے ہوا کہ ابن اُشتر کے نکلتے ہی بغاوت کر دی جائے۔

ابن اُشتر کے کوفہ سے نکلتے ہی حضرت حسین کے قاتلین اور بنو امیہ سے عقیدت رکھنے والے قبائلی سرداروں کی قیادت میں آبادی کے بڑے حصہ نے بغاوت کر دی مختار کی طرف سے مصالحت کی ہر کوشش ناکام ہوئی اس نے فوراً ڈاک کے گھوڑوں پر ابن اُشتر کو واپس بلانے کے لئے قاصد بھیجے جنہوں نے اس کو مدائن کے قریب جا لیا ابن اُشتر شب و روز دھاوے مارتا بغاوت کے تیسرے دن کوفہ پہنچ گیا شہر کے اندر دو موریچوں پر باغیوں سے جنگ ہوئی جن میں سے بڑے کا نام جبّانۃ السبیع تھا باغیوں کو شکست ہوئی پانچسو کے قریب مارے گئے دو سو قید ہوئے ان کی جمعیت منتشر ہوگئی بہت سے قبائلی سردار بھاگ کر ابن زبیر کے بھائی مصعب کے پاس جو عالمین کا گورنر ہوکر آیا تھا پناہ لی بہت سے شہر میں یا شہر کے باہر چھپ گئے یہ جنگ اپنی جائے وقوع جبانۃ السبیع

---

[1] طبری ۱۱۶/۷ [2] الانساب ۲۳۵/۵، طبری ۱۴۴/۷، ابن خلدون ۲۸/۳

کے نام سے مشہور ہے اور مختار کے کرد ذیر قابض ہونے کے دسویں ماہ ہوئی (ذوالحجہ سنہ ۶۶ھ) اس جنگ میں بتصریح مصنف اخبار الطوال ص۳۰۰ چالیس ہزار موالی اور غلاموں نے اہل کوفہ سے مقابلہ کیا تھا

قاتلین حسین کی سرکوبی | اس جنگ سے فارغ ہوتے ہی مختار نے ابن اشتر کو شامی دشمن کی مہم پر بھیجا، (۲۱ یا ۲۲ ذوالحجہ سنہ ۶۶ھ) اور دوسری طرف باغیوں اور قاتلین حسین کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوا۔ اب اس وعدہ کے ایفاء کا وقت آگیا تھا جو اس نے کیسان کی معرفت غیر عرب سرداروں سے کیا تھا؛ اب اس ڈھیل اور حسن سلوک کے ردِ عمل کا بہترین موقعہ تھا جن کے ذریعہ اقتدار پانے کے بعد مختار نے غیر شیعی عناصر کی تالیف چاہی تھی اور جس میں اس کو ناکامی ہوئی، یہ قاتلین حسین بھی تھے اور باغی بھی لیکن ان کو سزا پہلے جرم کی دی گئی تاکہ شیعوں کے دل ٹھنڈے ہوں اور ان کے مطالباتِ انتقام جو مختار اب تک غیب دانی کے بہروپ سے ملتوی کرتا رہا تھا پورے ہوں اس طرح ایک طرف تو اس نے حکومت تباہ کرنے والے باغی عناصر کو تباہ کیا دوسری طرف اپنے آئین سیاسی کی سب سے پہلی شرط اور شیعوں کی انتقامی پیاس بجھائی۔

پانچسو باغی مشکیں باندھ کر ان ھمدانی (قبیلہ ھمدان سے متعلق) لوگوں کے گھروں سے نکالے گئے جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سے صرف وہ گردن زدنی تھے جنہوں نے حضرت حسین کے قتل یا جنگ میں شرکت کی تھی اس موقع پر عربی و غیر عربی عصبیت کا خوب مظاہرہ ہوا ایک معزز عربی جو مختار کے مقربین میں تھا قتل کا نگراں مقرر کیا گیا اس کے پاس جب کوئی قیدی لایا جاتا تو اس کو چھوڑ دیتا اور غیر عرب کو قتل کرا دیتا ایک غیر عربی مقرب نے مختار سے اس امتیاز کی شکایت کی تو مختار نے سب قیدیوں کو اپنے سامنے حاضر کرایا اور حضرت حسین کی جنگ میں شریک ہونے والوں کو قتل کرانے لگا، اس طرح دو سو اڑتالیس آدمیوں کی گردن ماردی گئی ان میں بہت سے بے گناہ بھی مارے گئے اس موقع پر پرانی عداوتیں نکالی گئیں ان میں سے جس کسی سے کسی شیعہ کو کوئی شکایت تھی اس کو قتل حسین میں شرکت کرنے والوں کے زمرہ میں شامل کر کے مروا دیا جاتا۔ مذکورا

۱؎ انساب ۵/۲۲۳، طبری ۴/۱۲۴/۷، ابن خلدون ۳/۲۸ ۲؎ طبری ۱۳۹/۲۷ انساب ۵/۲۳۵

تعداد قتل ہونے کے بعد مختار کو علم ہوا کہ پرانی عداوتیں نکالی جارہی ہیں تو اس نے بقیہ کو بغاوت نہ کرنے کا عہد لے کر معاف کردیا[۱]

حضرت حسین سے لڑنے والوں میں چار قبائلی لیڈر سرغنے تھے عمر بن سعد ابی وقاص، محمد بن اشعث، قیس بن اشعث، اور شمر بن ذی جوشن، ان میں عمر بن سعد اور محمد بن اشعث ابن زیاد کی طرف سے ان فوجوں کے کمانڈر تھے جو حسین سے لڑنے بھیجی گئی تھیں[۲] مختار کے کوفہ پر قابض ہونے کے بعد یہ چاروں بھاگ گئے تھے اور جنگ سبیع کے موقع پر لوٹ کر انھوں نے باغیوں کے ساتھ مختار کا مقابلہ کیا تھا اس جنگ میں شکست کھا کر یہ چاروں دوسرے سرداروں کے ساتھ پھر بھاگے مختار نے موالی کے متعدد تیز گام دستے ان کے تعاقب میں بھیجے، شمر راستہ میں مارا گیا[۳] قیس بن اشعث اس شرم سے کہ بصرہ والے اس کی مصیبت سے خوش ہوں گے کوفہ بلیٹ کر روپوش ہوگیا۔ مختار نے گرفتار کراکے اس کو قتل کرڈالا[۴]۔ محمد بن اشعث اپنے ایک گاؤں میں جو کوفہ کے قریب تھا چھپ گیا مختار نے ایک رسالہ اس کی گرفتاری کے لئے بھیجا مگر وہ بھاگ نکلا اور بصرہ میں پناہ لی[۵]۔ سعد بن ابی وقاص کے لڑکے عمر نے مختار کے ایک مقرب کی پناہ لے لی اور اس نے مختار سے سفارش کرکے اس کو عہد امان دلوادیا لیکن کچھ دن بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ اس کو قتل کردیا گیا یہ واقعہ دلچسپ ہونے کے علاوہ مختار اور ابن الحنفیہ کی شخصیت پر بھی روشنی ڈالتا ہے اس لئے قابل ذکر ہے ابن حنفیہ سے ملاقات کرکے جب ایک معزز عربی کوفہ لوٹا تو مختار نے ابن الحنفیہ سے اس کی ملاقات کا حال پوچھا، اس نے کہا وہ آپ سے کبیدہ خاطر تھے انھوں نے کہا تھا بڑے تعجب کی بات ہے مختار ہمارے خاندان کا انتقام لینے کا مدعی ہے حالانکہ قاتلین حسین اس کے ہم نشین دوست ہیں اور شہر میں تجارت کرتے ہیں[۶]. اس رپورٹ کا مختار پر گہرا اثر ہوا، اس کے سر پر خون سوار ہوگیا اور حضرت حسین کے قتل و جنگ میں شرکت کرنے والوں کا کھوج لگانے میں ہمہ تن مصروف ہوگیا سب سے پہلے اس نے عمر بن سعد بن ابی وقاص اور اس کے لڑکے کا خاتمہ کیا۔ اس نے اپنے محافظ گارڈ کے

۱؎ طبری ۱۲۱/۷ ۲؎ انساب ۲۲۴/۵ ۳؎ اخبار الطوال ص۳۰۵ ۴؎ انساب ۲۳۸/۵ ۵؎ انساب ۲۴۱/۵ ۶؎ طبری ۱۲۸/۷، انساب ۲۳۷/۵

کمانڈر کیسان کو حکم دیا کہ چپکے سے عمر کے گھر جاکر اس کا سر کاٹ لے ایسا ہی کیا گیا اس وقت عمر کا لڑکا مختار کے حضور میں تھا، جب عمر کا سر آیا تو مختار نے اس سے پوچھا یہ سر کس کا ہے؟ وہ پہچان گیا اور بولا "اس کے بعد میرے لئے زندگی بے کیف ہے" مختار نے کہا بے شک اس کے بعد تم زندہ نہیں رہو گے۔ اس کا سر بھی اتار لیا گیا امان نامہ میں تھا اگر عمر نے کوئی حدث یعنی نامناسب حرکت نہ کی (حدث کے دوسرے معنی پیشاب پاخانے کے بھی ہیں) تو اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ کسی نے عمر کے بعد مختار کو یہ عہد یاد دلایا کہ آپ نے اس کو اس شرط پر امان دی تھی اس سے کوئی نامناسب حرکت (بغاوت نافرمانی وغیرہ) سرزد نہ ہو اور ایسا نہیں ہوا! مختار نے بے شرمی سے جواب دیا: "کیا خوب امان نامہ کے بعد کیا وہ پاخانہ نہیں گیا۔

ان دونوں کے سر اس نے ابن الحنفیہ کے پاس بھیج دئے اور لکھا کہ میں پوری سرگرمی سے اہل بیت کے دشمنوں کو غارت کرنے میں لگا ہوا ہوں اور واقعہ بھی یہ ہے کہ جنگ کربلا میں حصہ لینے والوں میں سے جو کوئی اس کے ہاتھ لگا اس کو اس نے یا اس کے خون کے پیاسے شیعوں نے بے رحمی سے مثلہ کرکے اور تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دیا اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوفہ کے دس ہزار غیر شیعی بھاگ گئے اور بصرہ جاکر پناہ لی[1]

انتظامی سرگرمیوں کی مزید تفصیلات جو مشہور تاریخوں میں نہیں ہیں مصنف اخبار الطوال نے ان الفاظ میں پیش کی ہیں مختار نے ابو عمرہ کیسان کو پولیس افسر مقرر کیا دوسرے مورخ کیسان کو محافظ گارڈ کا افسر بتاتے ہیں) اور حکم دیا کہ ہزار کدال دار مزدوروں کا دستہ لے کر ان لوگوں کے گھروں کا کھوج لگائے جو حسین سے لڑنے نکلے تھے اور ان کو مسمار کرا دے: ابو عمرہ ایسے لوگوں سے خوب واقف تھا چنانچہ وہ کوفہ کا گشت لگاتا اور ایسے لوگوں کے گھر منٹوں میں گروا دیتا اور جو گھر والے باہر نکلتے ان کو قتل کرا دیتا اس طرح اس نے بہت سے گھر گروا دئے اور بہت سے لوگ مروا دئے وہ دن رات ہی سے لوگوں کے کھوج اور استفسار میں لگ گیا جس کو پکڑتا قتل کر دیتا اور اس کے مال و متاع

---

[1] اخبار الطوال ص۳۰۱

نیز ماہانہ یا سالانہ تنخواہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی فارسی کے نام زد کر دیتا۔[1] اس خونی ڈرامہ میں بعض مثالیں ایسی بھی ہیں جب مختار نے بعض چھوٹے مجرموں کو معاف کر دیا! یہ معافی جیسا کہ ہم کو توقع کرنا چاہیے ڈپلومیٹک قسم کی تھی! ایک عربی (عبدالرحمن خزاعی) نے جنگ کربلا میں حصہ لیا تھا اس کو قتل کے لئے مختار کے سامنے لایا گیا! اس نے کہا آپ مجھ کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب تک بنی امیہ پر فتح نہ حاصل کرلیں گے شام آپ کے زیر نگیں نہ آجائے گا اور آپ دمشق کو گرا کر اس کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دیں گے اس وقت آپ مجھے پکڑیں گے اور لب دریا ایک درخت پر جو اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ہے مجھے سولی دیں گے یہ سن کر مختار اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: "یہ شخص لڑائیوں کا عالم معلوم ہوتا ہے اس کو قید میں ڈلوا دیا گیا جب رات ہوئی تو مختار نے اس کو بلایا اور کہا: "اے خزاعی موت کے وقت ظرافت؟" اس نے کہا: "امیر آپ کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ بلا وجہ آپ مجھے نہ ماریں" مختار نے پوچھا تم شام سے یہاں کیوں آئے"۔ اس نے کہا ایک شخص پر میرے چار ہزار درہم قرض ہیں وہ لینے آیا تھا" مختار نے اس کو چار ہزار درہم دئے اور کہا راتوں رات کوفہ سے نکل بھاگو ورنہ صبح ہوتے ہی قتل کردوں گا۔[2] ایک دوسرا مجرم سراقہ نامی کوفہ کے باغیوں میں سے لایا گیا آتے ہی اس نے مختار کے بہروپ کو گدگدایا، دو شعر پڑھے جن میں مختار سے بغاوت پر پشیمانی کا اظہار تھا، پھر کہنے لگا اگر صرف آپ لوگ ہم سے لڑتے (یعنی کوفہ کے باغیوں سے) تو ہم کو شکست نہ دے سکتے"۔ مختار نے پوچھا: "تو پھر تم سے اور کون لڑا؟" اس نے کہا روشن چہرے والی فوج جو بھورے گھوڑوں پر سوار تھی"۔ مختار نے سادگی سے کہا یہ تو ملائکہ تھے خیر چونکہ تو نے ان کو دیکھ لیا ہے میں ان کی خاطر تجھ کو چھوڑے دیتا ہوں"۔ وہ بھاگ کر بصرہ چلا گیا وہاں مختار کی ہجو میں شعر کہے[3]

انتقامی تحریک کا فوری اثر تو مختار کے حق میں ہوا اور وہ یہ کہ شیعہ دل وجان سے اس کے

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۳۰۲ مصنف اخبار الطوال نے یہ واقعہ جس جگہ لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ مختار نے انتقامی کارروائی کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد ہی شروع کر دی تھی، اہل کوفہ کی بغاوت کے بعد نہیں جیسا کہ دوسرے مورخوں نے لکھا ہے
[2] اخبار الطوال صفحہ ۳۰۲ [3] اخبار الطوال صفحہ ۳۰۹

معتقد ہو گئے اس کو انسان سے ماوراء ہستی سمجھنے لگے کرسی ایک روحانی ادارہ بن گئی مختار کو غیب داں
تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن دوسری طرف یہ اس کی ہلاکت کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوئی۔ جن لوگوں کو قتل کیا
گیا تھا ان کے اعزاء عربی قانونِ انتقام کے مطابق اپنے رشتہ داروں کا بدلہ لینے پر مجبور تھے چنانچہ
اب ان کی تحریکِ انتقام شروع ہوئی جس کی بنیادیں بصرہ میں استوار کی گئیں اور جلد ہی مختار
کے اقتدار کا نو تعمیر قلعہ ٹوٹ پھوٹ گیا جیسا کہ اوپر بیان ہوا کوفہ کے دس ہزار آدمی بھاگ کر بصرہ
چلے گئے تھے اور وہاں اپنے قبیلہ وخاندان کے لوگوں سے مختار کے مظالم کا شکوہ کر کے ان کے جذبات
کو مشتعل کر دیا تھا[1] ۶۷ھ کے شروع میں یعنی جنگ کوفہ کے ڈیڑھ دو ماہ بعد ابن زبیر کی طرف سے
ان کا بھائی مصعب بصرہ اور کوفہ کا گورنر ہو کر بصرہ آکر فروکش ہوا اور کوفہ سے بھاگے ہوئے
لوگوں کی داستانِ غم اس کو معلوم ہوئی کوفہ کے قبائلی سردار اس سے ملے اور اس موجِ خون کا
ذکر کیا جو ان کے سر سے گذری تھی ایک قبائلی سردار شیث بن ربعی کی بدحواسی و سراسیمگی یہاں
ذکر کے لائق ہے وہ ایک خچر پر سوار تھا جس کی دم اور کانوں کے سرے اس نے کاٹ دیے تھے اپنی
قبا پھاڑ ڈالی تھی اور مصعب کے محل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر "ہائے مدد"، ہائے مدد" کے
نعرے لگا رہا تھا[1]۔ شبث، محمد بن اشعث جو مختار کے تعاقب رسالہ سے بھاگ نکلا تھا اور دوسرے
معزز کوفیوں کا ایک وفد مصعب سے ملا اور اپنے مصائب، اپنے غلاموں اور موالی کی سرکشی اور
بغاوت کے حالات سے اس کو مطلع کیا اور بلا تاخیر مختار پر حملہ کرنے کی درخواست کی مصعب کوفہ
کا گورنر بھی نامزد ہوا تھا اور بہرحال اس کو مختار سے لڑنا تھا ان زخم خوردہ کوفیوں سے اس کو بڑی تقویت
ہوئی لیکن مختار ایک خوفناک حریف تھا، اس کی فارسی فوج جیسا کہ کسی عرب سردار نے کوفہ کے
باغیوں کو روکنے کے لئے کہا تھا عربی شجاعت اور فارسی نفرت سے لڑتی تھی اور مختار کے روحانی
بہروپ اور کرسی کی کرامتوں نے ان کے حوصلے بڑھا دیے تھے اور عربوں کے سماجی و سیاسی استبداد
کے مقابلہ میں وہ ہر وقت جان کی بازی لگانے کے لئے تیار تھے۔ (باقی آئندہ)

---

[1] طبری ۷/۱۴۶، انساب ۵/۲۵۱

تاریخی حقائق
بعض سلاطین اندلس و بغداد کے شخصی حالات زندگی

از

(مولانا محمد ظفیر الدین صاحب استاذ دارالعلوم معینیہ سانحہ)

۱۳ر دسمبر ۵۰ء کو ندوۃ المصنفین کا ایک پارسل آیا جن میں "تاریخ ملت" کے دو حصے (چہارم و پنجم) بھی تھے، مجھے یہ کتابیں حلقۂ معاونین کے رکن کی حیثیت سے ملی تھیں، میں نے ان نئی کتابوں کے لئے اپنے اوقات سے کچھ وقت مخصوص کر دیا، اول نظر میں تاریخ ملت کا حصہ چہارم (خلافت ہسپانیہ) کچھ زیادہ وقیع نہ معلوم ہوا، مگر بعض خصوصیتوں نے اعتراف پر مجبور کیا اور اسے میں نے بہت شوق اور پورے ذوق سے پڑھنا شروع کیا کوئی شبہ نہیں اندلس کی یہ تاریخ بہت مختصر ہے مگر بڑی حد تک جامع ہے، ذاتی طور پر مجھے اس کا وہ حصہ بہت پسند آیا، جس میں سلاطین کی شخصی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات بیان کئے گئے ہیں۔ انھی واقعات کو خصوصیت سے ناظرین برہان کی خدمت میں پیش کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ (محمد ظفیر الدین)

عبدالرحمٰن المتوفی ۲۳۸ھ بہت مشہور خلیفہ گذرا ہے اپنے اخلاق و عادات اور دینی زندگی میں ممتاز اور کارناموں کے لحاظ سے بڑی عزت و شہرت کا مالک تھا، "جامع قرطبہ" اب تک اس کی یادگار باقی ہے، اس کی سیرت کے متعلق تاریخ ملت جلد چہارم ص۵۰ میں سطور ذیل ملتی ہیں۔

"سلطان نہایت نیک سیرت اور منصف مزاج تھا اقربا تو کیا اگر رعایا میں سے کوئی مر جاتا تھا تو وہ کیسا ہی غریب کیوں نہ ہو سلطان اس کے جنازہ میں شریک اور بذات خود نماز جنازہ کی امامت کرتا تھا، اگر کوئی شخص بیمار ہوتا عیادت کو خود جاتا غرضکہ اپنی رعایا کی شادی اور غم میں برابر کا شریک تھا نماز جمعہ خود پڑھاتا

اور خطبہ بڑی فصیح عربی میں پڑھتا، اس کا خطبہ شجاعانہ جذبات کا برانگیختہ کر دینے والا ہوتا" (منشاء تاریخ ملت جلد ۴)

یہ تھا سلطان وقت کا اخلاق جس کی نگاہ میں غریبوں کی وقعت بھی ویسی ہی تھی جیسی آج کل کے لوگوں کی نگاہ میں کسی معزز مالدار اور اونچے مرتبہ والے کی، ایک دوسرا واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

"ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ سلطان بعد شرکت میت واپس ہو رہا تھا کہ اثنائے راہ میں ایک معمولی آدمی نے گھوڑے کی باگ پکڑ لی، اور کہا اے امیر! قاضی نے میرے حق میں ناانصافی کی ہے جس کی داد میں تجھ سے چاہتا ہوں سلطان بولا اگر تو سچا ہے تو میں ترے حق میں انصاف کروں گا چنانچہ وہیں کھڑے کھڑے قاضی کو بلا کر سختی سے کہا۔ قاضی صاحب! اس شخص کا انصاف ہونا چاہئے۔"[1]

یہ ایک ایسے سلطانِ وقت کا تحمل اور انصاف ہے جو شخصی حکومت کا فرمانروا تھا اس کو الیکشن لڑنا نہیں پڑتا تھا اور نہ معمولی غریب کے ووٹ کی اس کو ضرورت تھی، دولت و ثروت کی بھی کمی نہ تھی اور نہ سر پر باغیوں کا طوفان تھا۔ اسی طرح ایک عرب غریب دربار میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

"اے بادشاہ! خدائے تعالیٰ نے تجھ کو بادشاہ اور بے انتہا خزانوں کا اس لئے مالک کیا ہے کہ تو غریب اور یتیم اور بیواؤں کے حق میں انصاف اور ان کی مدد کرے۔ سلطان نے کہا تمہاری مدد ہوگی اور ہر ایسے شخص سے کہدو جو تمہارے مثل ہوں ان کے لئے دربار کھلا ہے وہ درخواست میرے سامنے پیش کریں تاکہ میں بذات خود ان کو ہر قسم کی مدد دوں اور ان کو پریشانیوں سے نجات دوں۔"[2]

دیکھا آپ نے درخواست پر صرف اسی سائل کی مدد نہ کی بلکہ اس کے ذریعہ یہ اعلان کرا دیا کہ تم جیسے اور جو بھی اہل حاجت ہوں وہ آئیں ان کی مدد کی جائیگی۔ اس کا دستور تھا کہ جب کوئی کھانے کے وقت آجاتا اس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیتا اور پھر خوش اسلوبی سے اس کی غرض پوری کرتا۔

اسی عبدالرحمٰن الداخل کا پوتا تھا الحکم۔ جو اپنے باپ کے بعد سریر آرائے حکومت ہوا تھا اور

---

[1] خلافت ہسپانیہ ص۸۔ [2] ایضاً ص۱۵۔

۲۰۶ھ کے اخیر مہینہ میں جس کا انتقال ہوا تھا، ان کے باپ ہشام بن عبدالرحمٰن نے اپنی حالت نزع میں الحکم کو بلایا، اور یہ نصیحت کی

"بیٹا یہ خیال رکھ کہ سلطنت اور حکومت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور جب وہ چاہتا ہے چھین لیتا ہے بس جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے عطائے ربانی سے اختیار اور دبدبہ شاہی عطا فرماتے تو ہم کو اس کی نعمت کا شکرا دا کرنا اور اس کی پاک مرضی کا پورا کرنا واجب ہے اور وہ اصلی غرض یہ ہے کہ ہم تمام مخلوقات کے ساتھ نیکی کریں اور خصوصًا ان کے ساتھ جن کو ہماری حفاظت میں تفویض کیا ہے امیر اور غریب کے ساتھ برابر عدل کر۔ ظلم روا مت رکھ اس لئے کہ ظلم تباہی کا دروازہ کھولتا ہے اپنی رعایا اور نوکروں پر مہربان رہ۔ اس لئے کہ ہم سب ایک خالق کی مخلوق ہیں، اور حکومت ممالک وامصار کی ایسے اشخاص کے سپرد کر جو صفات پسندیدہ رکھتے ہوں اور ایسے وزراء کو بے رحمی سے سزا دینا چاہئے جو بے فائدہ اور بے قاعدہ محصولات سے رعایا کو تنگ کریں .... اور رعایا کی رضا جوئی سے غافل مت ہو اس لئے کہ ان کی محبت سے ملک کی حفاظت ہے اور ان کی ناراضگی میں ضرر ہے ان کی حقارت باعث زوال سلطنت ہے اور کاشتکاروں کی خبر گیری رکھنا چاہئے، جو ہماری روزی کے واسطے زمین سے غلہ نکالتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اپنا طریقہ ایسا رکھنا چاہئے کہ رعایا دعاگو رہے اور ہماری حفاظت کے سایہ میں بخوشی زندگی بسر کرے ..... اگر تم اس پر عمل کروگے جو میں نے بیان کیا ہے تو تم خوش حال رہوگے اور جو زمین کے نامور بادشاہ ہیں ان کے مانند تم کو دبدبہ اور سطوت حاصل ہوگی۔[1]

یہ نصیحت ہے جو ایک باپ نے مرتے وقت اپنے عزیز ترین فرزند کو کی ہے یہ نصیحت جس قدر بیش قیمت ہے اس کی کوئی مثال نہیں، آج کل کے فرمانرواؤں کو چاہئے کہ اس نصیحت کو سونے کی تختی پر کندہ کرواکر اپنے سرہانے لٹکائیں اور سوتے جاگتے ایک مرتبہ پڑھ لیا کریں۔

یہ سلطان وقت جس کی نصیحت اوپر درج ہوئی خود بھی بڑے عمل صالح کا مالک تھا اس کا حال یہ تھا کہ معمولی لباس پہن کر قرطبہ کی گلیوں میں چکر لگاتا، غریبوں کے گھر پر جاکر ملاقات کرتا کوئی بیمار

[1] خلافت ہسپانیہ ص ۱۷

ہوتا تو اس کی عیادت کو تشریف لے جاتا اور خود غریبوں کے یہاں پہنچ کر ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا۔ برسات کی اندھیری رات میں چپکے سے نکل جاتا اور بے کس بیمار کی رات بھر تیمارداری کرتا اسے کھلاتا اور پھر صبح کو چپکے واپس چلا آتا۔

بہر حال ہشام کی اس نصیحت کا الحکم نے بڑا اثر لیا چنانچہ یہ اپنے عادات و شمائل میں بڑا منفرد رہا انصاف پسندی اور عدل پروری اس کا خاص شیوہ تھا، ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے۔

"اتفاقیہ خلیفہ الحکم کے محل کی توسیع میں ایک غریب بیوہ کی جائداد آگئی اس سے کہا بھی گیا کہ اس جائداد کو معقول داموں میں علیحدہ کر دے مگر موروثی جائداد کی وجہ سے اس نے انکار کر دیا مگر میر عمارت نے زبردستی وہ زمین لے لی، اور بنگلہ تعمیر ہوگیا اس عورت نے قاضی کے روبرو استغاثہ پیش کیا قاضی نے فرمایا تو تامل کر میں انصاف سے کام لوں گا۔

جس روز خلیفہ الحکم پہلے پہل مکان اور باغ ملاحظہ کرنے گیا قاضی بھی خبر پاکر پہنچ گئے ایک گدھا معہ خالی بورے کے ہمراہ لیا۔ الحکم کا سامنا ہوا تو قاضی صاحب نے کہا امیر المومنین! اس زمین کی مٹی مجھے چاہئے، اجازت ہو تو لے لوں، خلیفہ نے مسکرا کر اجازت دے دی قاضی نے بورا مٹی سے بھر لیا اور خلیفہ سے درخواست کی کہ مجھ کو اس گدھے پر بورے کے رکھنے میں حضور ذرا معاونت فرمائیے خلیفہ قاضی کی اس حرکت کو مزاح سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ بورا ہر دو اٹھانے لگے مگر بھاری وزن تھا اٹھ نہ سکا، خلیفہ ہانپ گئے، قاضی نے کہا، سرکار! اس بوجھ کو تو آپ اٹھا نہ سکے تو انصاف (قیامت) کے دن کو یہ جو زمین بڑھیا کی ضبط کر لی گئی ہے وہ کس طرح اٹھائیے گا، کیونکہ خدا کے سامنے وہ بڑھیا دعویٰ ضرور کرے گی ——— شاہ الحکم آبدیدہ ہوگیا، اور میر عمارت کو حکم دیا، کہ فوراً بڑھیا کی زمین واپس کر دو اور محل کا وہ حصہ جو ہے مع ساز و سامان کے میں نے اس کو دے دیا[1]۔

یہ تھا خوفِ خدا، اس فرد کے دل میں جو اپنے وقت کا جلیل القدر بادشاہ تھا اور یہ انصاف و عدل تھا، اس انسان کا، جس کو ہر طرح کی دنیاوی طاقت و قدرت حاصل تھی، اور قاضی صاحب

---

[1] خلافت ہسپانیہ ص۸۶ و ص۸۷

کی حق گوئی اور معاملہ فہمی پر بھی بار بار غور کیجئے جو ہمارے علمار کرام کے لئے عبرت و لبصیرت کا خزینہ ہے

الحکم کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی المتوفی ۲۳۸ھ اپنے باپ کی موت کے بعد تخت پر جلوہ افروز ہوا اس کے کارنامے بھی تاریخ میں بہت مشہور ہیں ایک ذاتی واقعہ ان کا بھی سن لیجئے۔

"ایک دن سلطان نے علمار کے سامنے امام یحییٰ سے مخاطب ہو کر کہا، مجھ سے یہ خطا سرزد ہوئی ہے کہ میں رمضان میں دن کو محل میں چلا گیا اس کا کفارہ کس طرح ممکن ہے یحییٰ نے تمام علمار کے سامنے کہا دو ماہ متواتر روزے رکھو تو البتہ تمہاری بخشش کی صورت ہو سکتی ہے، حاضرین یہ سن کر خاموش ہو گئے، جب علمار دربار سے اٹھ آئے، تو یحییٰ سے پوچھا، گیا امام مالکؒ نے اس کفارہ کا کچھ بدل بھی بتایا یا نہیں، جواب دیا معاوضہ عذر ہے لیکن اگر میں سلطان کو اس سخت سزا کا معاوضہ بتا دیتا تو اس کو مکرر اس گناہ کے کرنے کی جرأت ہوتی اس پابند شرع بادشاہ کی ہمت کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے امام یحییٰ کے حکم کی پوری تعمیل کی[1]۔"

اس کو کہتے ہیں خشیتِ الٰہی، اور اس کا نام دینداری ہے، بایں ہمہ جاہ و حشمت جب عالم نے کسی مسئلہ کا جواب دیا تو بے چون و چرا پورا پورا عمل کیا، سلطنت کا غرور بھی شریعت میں ایں و آں پیدا نہ کر سکا، حق ہے اگر یہ سلطان وقت تھا اللہ تعالیٰ اس کی روح سکون میں رکھے،

عبدالرحمٰن الناصر المتوفی ۳۵۰ھ اندلس کا بڑا نامی گرامی خلیفہ گذرا ہے اس کے زمانہ میں صنعت و حرفت کو بڑی ترقی ہوئی، مدینۃ الزہرا کی عالیشان عمارت اس کی ہی بنوائی ہوئی تھی جو بے مثل عمارت تھی اس طرح کی عمارت کا آج کل تصور بھی مشکل ہے اس مدینۃ الزہرا کی رنگینی نے بادشاہ کو جمعہ میں جامع مسجد کی حاضری سے کچھ دنوں روک دیا قصر ہی کی مسجد میں جمعہ کی نماز بھی پڑھ لیا کرتا تھا چند جمعوں کی غیر حاضری کے بعد جب ایک جمعہ میں وہ تشریف لائے تو قاضی المنذر کا سامنا ہو گیا، جو جامع مسجد کے امام تھے، قاضی صاحب نے خطبہ میں ایسی سخت تہدید و تنبیہہ فرمائی کہ بادشاہ کی گردن ندامت سے ٹوٹ گئی اور پھر اس کے بعد بادشاہ کبھی بھی غیر حاضر نہ رہا، الغرض سلطان عبدالرحمٰن الناصر کے

---

[1] خلافت ہسپانیہ صفحہ

عہد میں ایک دفعہ بارش رک گئی جس کی وجہ سے مخلوق پریشان ہوگئی جب کچھ دنوں تک امساکِ باراں کا یہی حال رہا تو نماز استسقاء کے لئے لاکھوں آدمی نکل کھڑے ہوئے۔ قاضی صاحب موصوف بھی تشریف لے گئے اور بادشاہ سلامت بھی۔

"قاضی المنذر ایک بلند مقام پر کھڑے مجمع کو دیکھ رہے تھے، اتنے میں کسی نے کہا، جلالت مآب تشریف لا رہے ہیں، قاضی نے بے رخی سے کہا، یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ مدینۃ الزہرا میں آرام کریں، کسی ندیم نے یہ فقرہ الناصر سے جا لگایا وہ سن کر بے اختیار رونے لگا، عمامہ اتار کر زمین پر ڈال دیا، برہنہ سر، برہنہ پیر، باحال تباہ، بارگاہ غفور الرحیم میں گڑگڑا کر عرض کرنے لگا کہ الٰہی! میرے گناہوں کی پاداش میں میری رعایا کو کیوں ستاتا ہے مجھ کو سزا ملے لیکن مری رعایا کی تکالیف دور کردے۔

الناصر کا حال روتے روتے بے حال ہوگیا ڈاڑھی جو آنسوؤں سے تر ہوچکی تھی اب سرخ بجری سے لت پت ہوگئی، المنذر نے اس کی الحاح وزاری سن کر کہا، کہ مسلمانو! ذرا اور خضوع و خشوع سے دعا مانگو باب رحمت کھلنے والا ہے کیونکہ جب جبارِ دنیا سے عجز و انکسار ظاہر ہوتا ہے تو جبارِ آسمان کو رحم آتا ہے[1]"

لوگ ابھی میدان ہی میں تھے رحمتِ باراں شروع ہوگئی، ملاحظہ فرمایا آپ نے شاہ وقت کا خضوع و خشوع، ظاہری اعمال جو کچھ ہوں مگر ان کے دل کتنے صاف اور پاکیزہ تھے ذرا سی بات نے بجلی کا اثر پیدا کر دیا اور رقت جب طاری ہوئی تو لوگ دیکھ کر متحیر رہ گئے دعا میں اس نے کتنا سچا اعتراف کیا اور جب اس نے اپنے جرم کا اقرار کرکے دعا کی تو دعا بھی کتنی جلد قبولِ بارگاہ ہوئی۔

اس موقع سے ایک بات عرض کرنے کو جی چاہتا ہے ممکن ہے مرا یہ خیال درست نہ ہو مگر مرے دل میں جو بات آئی اسے بھی سن لیجئے اپنا خیال ہے کہ موجودہ دور میں دنیا میں جتنے شر و فتن پیدا ہو رہے ہیں، مصائب کے طوفان جس طرح امنڈ رہے ہیں، آفات کے سمندر میں جو تلاطم برپا ہے اور کائناتِ انسانی میں جو ہنگامہ آئے دن ہوتا رہتا ہے یہ سب مسلمانانِ عالم کے گناہوں کا نتیجہ ہے

---

[1] خلافت ہسپانیہ صفحہ ۱

اور بلاشبہ یہ تمام فرزندان توحید کی بے راہ روی اور بداعمالیوں کا ثمرہ ہے ان کو خدائے ذوالجلال والاکرام کے آگے گڑگڑا کر رونا چاہئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے اگر ان کے گناہ معاف ہوگئے تو کائنات انسانی میں مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ جائے گی، اے کاش مسلمان قوم اپنی حیثیت اور پوزیشن کا یقین پیدا کرتی۔

انہی الناصر کے فرزند تھے، الحکم ثانی المستنصر باللہ المتوفی ۳۶۵ھ یہ بادشاہ بڑا علم دوست گذرا ہے کتابوں کے جمع کرنے کا اس کو بے حد شوق تھا اور اس سلسلہ میں ایک پورا محکمہ اس نے قایم کر رکھا تھا جو رات دن اس کام میں مصروف رہتا اور مختلف شہروں میں اس کے کارندے پھیلے ہوئے تھے اس کے کتب خانہ کا حال سنئے۔

"المستنصر باللہ کے کتب خانہ کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی اور ہر جلد میں پچاس ورق تھے ان جلدوں میں صرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے تھے، بعض مصنفوں نے لکھا ہے کہ کتابوں کی تعداد چار لاکھ اور بقول بعض چھ لاکھ تھی، اور تمام کتابوں کو الحکم (ثانی) نے خود پڑھا تھا ان میں اکثر پر حواشی الحکم نے نہایت محنت سے لکھے تھے"[1]

یہ ہے دسویں صدی عیسوی کے ایک سلطان وقت کا ذوق علمی، کیوں اس زمانہ میں کوئی حکمراں اس کی مثال پیش کر سکتا ہے؟ اقرار کرنا پڑتا ہے صحیح معنی میں یہ حضرات حق حکومت ادا کرتے تھے حکمرانی کے ساتھ ساتھ یہ ذوق علمی قابل صد مبارکباد ہے،

المنصور المتوفی ۳۹۲ھ اندلس کا حاجب یعنی وزیر اعظم تھا، اپنے وقت کا بڑا عالم اور حکومت کے کاموں سے بڑا واقف کار تھا بادشاہ وقت کو اپنے ہاتھ میں لئے رہتا، اس کا جذبۂ دین ملاحظہ کیجئے

"اس (المنصور) نے اپنی ۲۶ سالہ عہد حجابت میں تقریباً پچاس جہاد کئے، اور ہر جنگ سے واپس آکر اپنے کپڑوں کی خاک جھڑوا کر جمع کرتا جاتا تھا کہ بوقت تجہیز و تکفین یہ مٹی اس کے چہرے پر چھڑک دی جائے، تاکہ شاید اس کی شرمیں خدا اس کی شفاعت کر دے اس نے اپنے خاص آبائی کھیت کی روئی سے

---

[1] خلافت ہسپانیہ ص۱۰۰

اپنی لڑکیوں سے سوت کتوا کر کفن تیار کرایا تھا، جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا تھا۔[1]

اس کو کہتے ہیں راسخ العقیدہ، اور اس جذبۂ دینی کا نام ایمان ہے، آخرت کی یہ فکر ہم سب کے لئے باعث عبرت و بصیرت ہے، کتنی تمنا تھی کہ خاتمہ بالخیر ہو اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بخش دئے جائیں خدا کرے یہ جذبۂ غیرت و حمیت تمام مسلمانوں میں پیدا ہو اور سب کو اپنی آخری گھڑی کی فکر بے چین کئے ہو۔ اتنی زبردست حکومت کا وزیر اعظم اور اندلس میں یہ اثر و رسوخ اور پھر قلب کا یہ حال جو بے چین رکھتا تھا اللھم اغفرلہ

ابھی منصور کے متعلق مورخین کا فیصلہ ہے کہ وہ صادق العمل، فیاض اور عادل تھا ڈوزی لکھتا ہے منصور کا انصاف ضرب المثل ہوگیا تھا، ایک مرتبہ عوام الناس میں سے ایک شخص منصور کے سامنے آیا اور کہا اے مظلوموں کے دادرس اس آدمی نے جو حضور کے پیچھے کھڑا ہے مجھ پر ظلم کیا ہے عدالت نے طلب کیا، تو گیا نہیں، منصور کے پیچھے صقلبی سپر بردار تھا جس پر منصور بہت مہربان تھا مگر فریادی سے تفصیل سننے کے بعد منصور نے حکم دیا . . . . کہ قاضی عبدالرحمٰن بن فوطس سے جا کر کہو کہ اس معاملہ میں فیصلہ کریں۔ اور حق و انصاف ملحوظ رہے قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیا، مدعی منصور کے پاس آکر شکریہ ادا کرنے لگا منصور نے کہا شکریہ کی ضرورت نہیں تمہارا انصاف ہوگیا اور تم کو اطمینان ہوگیا مگر مجھے ابھی اطمینان نہیں ہوا کیونکہ مجھے اس نالائق صقلبی کو سزا دینی ہے جس نے باوجود اس کے کہ میرا ملازم تھا ایک ذلیل کام کرنے میں شرم نہ کی۔[2]

کہاں ہیں آج کل کے حکمراں جن کے ملازم رات دن عوام پر ظلم ڈھاتے پھرتے ہیں مگر ان کو اس لئے معاف کر دیا جاتا ہے کہ سرکاری آدمی ہے عبرت و بصیرت کا کوئی سبق اس میں ان کے لئے ہے تو وہ اس کے حصول کی سعی پیہم کریں اس واقعہ کو سامنے رکھ کر موجودہ حالات میں کہنا پڑتا ہے سہ

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اسی منصور کے مرتے ہی اندلس میں طوفان بدتمیزی کا زور ہوا۔ خانہ جنگی برابر بڑھتی رہی،

---

[1] خلافت ہسپانیہ صفحہ ۱۱۱ [2] ایضاً صفحہ ۱۱۲

سلاطین کے اعمال و اخلاق اچھے نہ رہے، قتل و خونریزی شروع ہوگئی جب حکمرانوں کے دل پاک نہ رہے قلب کی صفائی جاتی رہی، خوفِ خدا باقی نہ رہا اور یہی بگڑ گئے تو عوام اور پبلک کس حال میں رہے گی ؟ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا تھا کہ پہلے بادشاہ کی نیت بگڑتی ہے اور اس کے اعمال و اخلاق میں زوال آتا ہے تو پھر رعایا اور عام پبلک بھی تباہی و بربادی اور ہر طرح کی برائیوں میں مبتلا ہو جاتی ہے چنانچہ یہی معاملہ پیش آیا، اندلس اتنی عظیم الشان اور با اقتدار حکومت بتدریج ختم ہوگئی، اور نصاریٰ نے وہاں کے مسلمانوں کا صفایا کر دیا، لاکھوں مسلمان تہ تیغ کئے گئے، لاکھوں کو جلایا گیا ہزاروں پر دباؤ ڈال کر مذہب بدلوایا گیا، ہزاروں پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف چل بسے اور وہ ملک جو سیکڑوں سال مسلمانوں کے زیر نگیں رہا تھا اور ان کے تمدن و تہذیب کا مرکز رہ چکا تھا، عیسائی خونخواروں کے ہاتھوں میں ملیامیٹ ہوگیا ہزاروں مسجدیں گرجا بنائی گئیں، کتنی برباد کر دی گئیں، اندلس کا مدینۃ الزہرا الحمراء۔ جامع قرطبہ اور دوسری ہزاروں عمارتیں جو روئے زمین پر اپنا مثال نہ رکھتا تھا ہمارے قبضہ سے اغیار کے قبضہ میں چلی گئیں۔

قلم میں کہاں طاقت جو اندلس کا خونچکاں افسانہ لکھ سکے اور اس وقت اور بھی جبکہ ہمارا مقصد یہ نہیں ہے بتانا یہ ہے کہ جب تک ہم میں عدل و انصاف، خشیتِ الٰہی اور علم، پاکیزگیِ قلب اور آپس کی باہمی محبت رہی ہم میں صفاتِ محمودہ اور خصائلِ پسندیدہ رہے ہم نے شان و شوکت سے حکومت کی اور جب ہم میں اسلام سے بُعد، دینِ محمدی سے بے راہ روی، قول و عمل کا تضاد، قرآن و حدیث سے عدمِ شغف، باہمی یکجہتی کا فقدان، قلب کی پاکیزگی کا قحط اور ایمان کی پختہ کاری کا کال پڑا قدرت نے ہم کو ذلت کے ساتھ زندہ دفن کر دیا۔

اب تاریخ ملت جلد پنجم (خلافت بنی عباس) کے چند واقعات سنئے کوئی شبہ نہیں بنی عباس نے شروع میں بڑی خونریزیاں کیں، سفاح اور منصور کا زمانہ اس نقطۂ نظر سے جب ہم نے پڑھا تو بے ساختہ زبان پر آیا " دنیا کی بدترین چیز بادشاہت ہے اور یہ حکمراں طبقہ کے لئے من جانب اللہ عذاب ہے مگر ذاتی حالات و کمالات کا جہاں تک تعلق ہے ان کی زندگی بہت پاکیزہ ہے، اور ان کے دل بڑی حد تک

صاف ہیں اور ہم اس وقت اسی حصہ کو بیان کریں گے،

عباسی حکومت کا دوسرا خلیفہ، ابوجعفر منصور المتوفی ۱۵۸ھ ہے بائیس برس تک اس نے بڑی شان و شکوہ سے حکومت کی، منصور کی زندگی کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس نے امام اعظمؒ کو قاضی القضاۃ بنانا چاہا اور آپ نے جب اس عہدہ کی قبولیت سے انکار کر دیا تو منصور نے آپ کو جیل میں ڈال دیا جہاں آپ نے اپنی آخری سانس گذار دی اور اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور اسی منصور کی حکومت میں اہل مدینہ پر ظلم و ستم ہوا اور ساتھ ہی امام مالکؒ کو اس کے چچا زاد بھائی نے ذلت سے طلوایا اور ستر کوڑے لگوائے، گو منصور کو اس واقعہ سے رنج بھی ہوا اور دوسرا پہلو اس کی زندگی کا یہ ہے جس کو حکومت سے کوئی تعلق نہیں یا تعلق ہے تو ذاتی اوصاف کا حامل بھی ہے۔

"ابوجعفر منصور کا معمول تھا کہ صبح کی نماز با جماعت پڑھنا، بعد ازاں دربار خلافت میں رونق افروز ہوتا اور امور سلطنت کو انجام دیتا، مالگذاری کا دفتر دیکھتا، حکام کی تبدیلی، راستوں کی حفاظت، رعایا کی آسائش، اور تنظیم کا انتظام کرتا، اس کے بعد قیلولہ کرتا، بعد ازاں ظہر کی نماز با جماعت ادا کرتا جب عصر کا وقت آتا تو نماز کے بعد خاص اجلاس کرتا، جس میں تمام سادات بنی ہاشم کے معاملات طے کرتا اس کے بعد نماز مغرب با جماعت پڑھ کر کھانا تناول فرماتا، جب عشاء کا وقت آتا تو نماز با جماعت پڑھ کر ڈاک دیکھتا اور اطراف و جوانب سے خطوط اور عرضیاں جو آتیں، ان کا جواب دیتا بعد ازاں سمارہ سے گفتگو کرتا اور مشورہ لیتا جب ایک تہائی رات گذر جاتی تو آرام کرتا، پھر تہجد کے لئے اٹھتا، نماز فجر تک عبادت میں مشغول رہتا نماز فجر مسجد میں آکر خود پڑھاتا پھر بدستور دربار میں رونق افروز ہوتا"[1]۔

قابل صد رشک۔ ہے یہ زندگی اندازہ لگائیے یہ ایک بادشاہ وقت کے معمولات ہیں، ذاتی زندگی کس قدر پاکیزہ اور ستھری ہے، جماعت اور مسجد کی کتنی پابندی ہے تہجد اور وظائف کا یہ منظر کس قدر دلکش ہے کیا یہ چیزیں اس کی خدا ترسی کو نہیں بتاتیں، امور مملکت میں اتنا سخت نظر آتا ہے اور خود احکم الحاکمین کے آگے اس قدر عاجز و ذلیل۔

---

[1] خلافت بنی عباس اول صلا

ان معمولات کے ساتھ امورِ مملکت میں اس کا یہ قول دیکھئے

"منصور کا قول تھا، حکومت کے عناصرِ ترکیبی میں چار عناصر نہایت اہم ہیں ان کا انتخاب بہت غور سے کرنا چاہئے (۱) قاضی جو نہایت بیباک ہو اور نڈر ہو، جو دنیا کی کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو سکے (۲) پولیس کا افسر جس میں کمزور کی حمایت اور طاقت ور کے بل نکال دینے کی قوت ہو (۳) خراج کا افسر جو نہایت دیانت دار ہو، ظلم و جور سے اس کو طبعی نفرت ہو (۴) ڈاک کا افسر (اس کو بڑی اہمیت سے کہا تھا) جو صحیح حالات سے بے کم و کاست اطلاع دے، اور اپنی طرف سے کوئی کتر بیونت نہ کرے"[1]

کسی بادشاہ وقت کا یہ قول کیا بتاتا ہے، ممکن ہے اس کا عمل اس پر نہ ہو مگر اس سے دل کی کیا ترجمانی ہوتی ہے کیا یہ چیزیں آج بھی اتنی ہی ضروری نہیں ہیں، جتنی کل تھیں، سلطان وقت کا دل و دماغ، ہر ایک حکمراں کے لئے قابلِ تقلید ہے، کاش اس زمانہ میں ان موتیوں کی قدر و عزت کا ہمیں یقین ہو جائے۔

اسی منصور خلیفہ کا واقعہ ہے کہ اس کو کسی طرح یہ اطلاع ثبوت کے ساتھ مل گئی کہ حضرموت کا گورنر بکثرت شکار کھیلا کرتا ہے اور اسی کو اس نے اپنا مشغلہ بنا لیا ہے اس خبر نے منصور کو چراغ پا کر دیا اور فوراً گورنر حضرموت کو لکھا۔

"کم بخت یہ ساز و سامان وحشی جانوروں پر صرف کرنے کے لئے نہیں ہے، تیر و کمان کے مصارف مسلمانوں کے فلاح و بہبود میں صرف کرنے کے لئے ہے اور تو اسے جنگلی جانوروں پر صرف کر رہا ہے تو فلاں بن فلاں کو اپنی گورنری کا چارج دے دے خدا تجھے اور تیرے خاندان کو برباد کرے"[2]

یہ تھی عزت قومی سامان کی، آج کل کے گورنر اور وزرا کو یہ واقعہ غور و فکر کے ساتھ پڑھنا چاہئے اور قومی مفاد کی اہمیت کا اندازہ لگانا چاہئے۔

منصور نے اپنی وفات کے وقت اپنے ولی عہد ابو عبداللہ مہدی کو وصیت کی تھی، اس وصیت

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۱۱۶ [2] ایضاً ص۱۱۱

کا کچھ حصہ غور و فکر کی نظر سے پڑھئے۔

"ابو عبداللہ: بادشاہ کی اصلاح نہیں ہوتی مگر تقوی سے، رعایا اچھی نہیں ہوتی مگر تابعداری سے شہر آباد نہیں ہوتا مگر انصاف سے ...... سب آدمیوں میں عاجز ترین وہ شخص ہے جو اپنے سے کم درجہ کے آدمیوں پر ظلم کرے۔"

ان آبدار موتیوں کو دیکھئے، ان کی بھی کوئی قیمت ادا کر سکتا ہے، کہنے والا سیکڑوں سال گذرے چل بسا، مگر ان اقوال کو موت نہیں ہے یہ رہتی دنیا تک نقش رہیں گے۔

منصور کا علم و فضل مسلّم ہے حضرت امام مالکؒ نے اس کے علم و فضل کی تعریف کی ہے اور اس کو بڑا ذی علم مانا ہے، یہ علم حدیث کے شغف ہی کا نتیجہ تھا کہ بغداد سے ولی عہد مہدی، امام مالک کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجا گیا۔

"محمد بن سلام کا بیان ہے کہ ایک شخص نے خلیفہ منصور سے دریافت کیا کہ واہب العطایا نے دین و دنیا کی ساری نعمتیں امیرالمومنین کو عطا فرمائی ہیں کیا آپ کی کوئی ایسی آرزو اور بھی ہے جو اب تک پوری نہ ہوئی ہو؟ منصور نے کہا ہاں صرف ایک تمنا باقی ہے جو آج تک پوری نہیں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ میں ایک چبوترے پر بیٹھا ہوں اور اصحاب حدیث میرے ارد گرد بیٹھے ہوں۔"

قربان جائیے اس ذوقِ حدیث کے اور خلیفہ وقت کی اس تمنا کے کہاں ہیں آج کل کے اہل علم اور صاحب فضل و کمال عبرت و بصیرت کے اس خزینہ سے دامن بھر لیں

منصور کی زندگی ناز و نعمت کے شباب میں بھی زہد و قناعت کے راستہ سے نہ ہٹی، امام جعفر صادق کو جب یہ خبر ہوئی کہ منصور "ہردی جبہ" پہنتا ہے اور اس کی قمیص میں پیوند لگے رہتے ہیں تو انھوں نے برجستہ فرمایا" پاک ہے وہ ذات جس نے اسے بادشاہت عطا کرنے کے باوجود فقر و فاقہ کی مصیبت نصیب کی[1] صاحب "خلافت بنی عباس" نے ابن خلدون کے حوالہ سے یہ واقعہ لکھا ہے۔

باقی آئندہ

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۱۴۱

علم تفسیر پہلے مدون ہوا یا علم حدیث

از

(جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب)

ذیل کا مضمون عنوان بالا پر ایک اجمالی بحث ہے۔ اور گو اس میں ارباب علم کے لئے مکمل آسودگی کا سامان نہیں لیکن بحیثیت مجموعی چند خیال افزا اور بصیرت افروز اشارے ہیں شاید قرآن پاک کے سلسلہ میں مطالعہ کرنے والے اصحاب کے لئے کسی درجہ میں مفید ثابت ہوں۔ ۱۹۴۲ء و ۱۹۴۳ء میں راقم سطور پنجاب یونی ورسٹی میں تفسیر قرآن پاک کے سلسلہ میں ریسیرچ کا کام کر رہا تھا اور میل کالج لاہور کے وولز ہوسٹل میں قیام تھا یونی ورسٹی اور کالج کے ارباب فضل و کمال اور اہل علم حضرات کی علم دوستی و طلبہ نوازی مذاقِ علمی اور ذوق تحقیق کی تربیت اور آسودگی کا مکمل سامان اپنے اندر رکھتی ہے۔ یہ مضمون اسی وقت بطور یادداشت کے لکھ لیا تھا کہ کسی فرصت میں اس پر غور کر کے اہل علم کے سامنے پیش کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ مگر اب بعینہٖ ان ہی سطور کو مجلہ برہان کے ذریعہ اہل علم کے سامنے اس علمی ماحول کے دل سے محو نہ ہونے والی یاد کے طریقہ پر اپنی کج مج بیانی اور ہیچمدانی کا اعتراف کرتے ہوئے اس لئے پیش کرتا ہوں کہ۔

ترے نظارے سے بڑھتی ہے بصارت ای زلف سرمہ بن جاتی ہے، آنکھوں میں سیاہی تیری

(محمد علی)

قرآن عزیز کے اولین پیروکار سلف صالحین صحابہؓ و تابعینؒ کی زیادہ تر توجہ علوم کتاب و سنت کو یوں اور نوشتوں کی صورت میں جمع کرنے اور تدوین و تالیف کرنے کی طرف نہ تھی بلکہ ان کا تمام تر مدار حفظ و سماعت، تلقی و تعلیم اور نقل و روایت پر تھا اسی سے قرآن مجید کے حکموں اور حکمتوں پر وتذکر اور عمل و تفقہ کی راہیں ان پر کھلیں۔

لیکن جب تدوین و تالیف کی ضرورت محسوس ہوئی زمانہ گواہ ہے کہ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت اور بقا و احیاء کے لئے علوم و فنون اور ان کے اصول و فروع، مبادی و مسائل جملہ مباحث کو کتابوں میں مدون بھی کیا گیا اور جدید علوم و فنون بھی ایجاد کئے گئے اور جیسا کہ علامہ ابن خلدونؒ نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں تصریح کی ہے اس میں زیادہ تر علمائے عجم نے حصہ لیا اور اہل عجم نے شرعی و غیر شرعی ہر قسم کے علوم و فنون میں کتابیں لکھیں اور غیر عربی کتابوں کے عربی زبان میں ترجمے کئے۔ خالص عرب علماء کا تصنیف و تالیف اور تراجم و تدوینِ کتب میں بہت کم دخل رہا اور انھوں نے اس میں بہت کم حصہ لیا۔

آغازِ اسلام میں کون سے علم یا فن کی سب سے پہلے تدوین ہوئی بظاہر اس بارے میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ "علم حدیث" کی تدوین ہوئی اور احادیث و آثار نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) صحیفوں اور کتابوں میں جمع کئے گئے۔

رہا یہ امر کہ علم حدیث میں اولاً کس بزرگ نے تالیف کی اس میں زیادہ مشہور علی الاطلاق دو نام لئے جاتے ہیں۔ ابن شہاب زہریؒ کا اور ابن حزمؒ کا علاوہ ازیں حدیث کی انواع مختلفہ و اقسام متنشتہ کے اولین مصنفین میں قریباً چالیس بیالیس دیگر علمائے تابعین کے نام بھی لئے جاتے ہیں[۱] اول مصنف یا مدون شمار ہوتے ہیں لیکن اس وقت ان سب قدیم نوشتوں اور کتابوں میں سوائے امام مالکؒ کی موطا کے اور دوسری کتاب یا صحیفہ ہمارے پاس موجود نہیں

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل، حال و صفت "قرآن ذی الذکر" کی علمی و عملی تشریح و تفصیل ہے اور آپ کا قول و فعل، سنت و حدیث اور خبر و اثر کہلاتا ہے اور آپ ہی کی اتباع و اطاعت کی مماثلت و مناسبت کی وجہ سے آپ کے صحابۂ کرام اور صحابہ کے تلامذہ حضرات تابعین کے قول و فعل اور وصف و حالت کو بھی احادیث و آثار اور سنن و اخبار کہا جاتا ہے اس لئے قرینِ صدق و صواب یہی امر ہے کہ علم حدیث و آثار ہی عہد اول میں مدون کئے گئے۔

---

[۱] جو علم حدیث و آثار کے ان اصناف خاص کے

اس کے برخلاف بعض علمائے مصر کی یہ رائے ہے کہ اسلام میں علم تفسیر سب سے پہلے مدوّن ہوا ہے اور سب سے پہلی تفسیر مجاہد کی تفسیر ہے (فجر الاسلام)

لیکن تاریخی طور پر اس خیال کی تصدیق نہیں ہوتی اور جیسا کہ ہم بیان کریں گے کوئی تاریخی ثبوت اس امر کا موید نہیں۔

کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ علم تفسیر اول مدوّنات میں سے ہے تب بھی امر ناقابل انکار ہے کہ وہ تفسیر روایات واخبار اور آثار واحادیث ہی کی صورت میں سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے منقول ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسی نقل وروایت ہی کا نام حدیث ہے لہذا علم حدیث ہی کا اول مدّونات میں ہونا ثابت ہوگا جس پر تمام ارباب علم کا اتفاق ہے اور اول تو یہ امر ثابت ہی نہیں کہ وہ کتب وصحائفؒ جو سلف صالحین کے جمع کردہ یا تالیف نمودہ ہیں اور چالیس بیالیس کے قریب حضرت تابعین نے حدیث کے مختلف انواع واقسام کے مضامین پر جو کتابیں جمع وتدوین کی ہیں ان میں علم تفسیر کا بھی کوئی مستقل صحیفہ اور مجموعہ ہے۔

مصر کے بعض علماء کا علم تفسیر کو اول تدوین قرار دینے کا منشا غالباً یہ ہے کہ ملا کاتب چلپیؒ نے کشف الظنون ص۳۱۴ و ص۳۱۵ پر تفسیر مجاہدؒ کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ واصحاب میں سے ہیں۔ جلیل الشان، معتمد وثقہ کبیر تابعی ہیں ان کی تفسیری روایات حضرت ابن عباسؓ کے دوسرے تلامذہ کی نسبت سے اگرچہ کم ہیں لیکن آپ ان سب تلامذہ میں زیادہ موثوق بہ اور معتمد علیہ ہیں اسی وثوق واعتماد کی بنا پر امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں زیادہ تر ان سے روایات نقل کی ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کی وفات پہلی صدی ہجری کے بعد ہوئی ۱۰۲ھ میں یا ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں اس کے علاوہ بھی آپ کی وفات کے بارے میں چند اقوال ہیں تاہم آپ پہلی صدی ہجری کے بعد وفات

ؒ یعنی تفاسیر اور تفسیری روایات کا ۱۲

پانے والوں میں ہیں لیکن کشف الظنون میں ذکر ہونے سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ مولفین رجال
احادیث اور کتب و صحائف حدیث کی طرح حضرت مجاہدؒ نے کوئی صحیفہ خود مدون کیا تھا
آپ تفسیر کی کتاب کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نخ میں اس لئے کہ کوئی معروف کتاب اگر کسی مشہور عالم
مصنف کی طرف منسوب ہو تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ مشہور عالم یا مصنف خود اس
کے مؤلف و مصنف اور جامع بھی ہیں اور انھوں نے اس کو مرتب بھی کیا ہے کیونکہ اکثر ایسا
ہے کہ کوئی معروف کتاب کسی کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے اور کہا جایا کرتا ہے کہ فلاں شخص
اس کے مصنف و مؤلف اور جامع و مدون ہیں مگر بذات خود وہ اس کے جامع و مؤلف نہیں
ہوتے بلکہ مابعد کے علماء ان کے ملفوظات و اقوال و آراء یا ان کی طرف منسوب روایات کو یکجا
جمع کر کے ان کے نام سے مشتہر اور شائع کر دیا کرتے ہیں۔

تفسیری میں حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے بارے میں مسلم ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے
اس کو جمع یا تالیف نہیں کیا اور آپ کی تفسیری روایات کتابی صورت میں جیسا کہ اب ہمارے
سامنے موجود ہے خود آپ کی جمع کی ہوئی نہیں ہیں اور یہ تفسیر جو آپ کی طرف منسوب ہے اور
آپ کے نام سے مشہور ہے، جس کا نام "تنویر المقیاس فی تفسیر ابن عباسؓ" ہے۔ صاحب
قاموس علامہ مجدالدین شیرازی متوفی ۸۱۶ھ یا ۸۱۷ھ نے جمع کی ہے اور آپ کی طرف نسبت کردہ
تمام اقوال و مقولات اور آراء و مرویات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اور پھر آپ کی طرف نسبت دے
دی ہے۔ اس بنا پر یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ آپ کی تفسیر ہے اور چونکہ آپ خود اس کے جامع و مؤلف
نہیں اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ آپ کی تالیف نہیں۔

اسی طرح کی ایک تفسیر اس زمانہ میں شائع ہوئی ہے ابو مسلم محمد بن بحر اصفہانی کی تفسیر ہے
جن کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ مولانا سعید انصاری ندوی (دارالمصنفین اعظم گڑھ) نے امام رازی
کی تفسیر کبیر (مفاتیح الغیب) سے التقاط و انتخاب کر کے یہ تفسیر شائع کی ہے۔ اور تمام ان اقوال و
آراء کو جو ابو مسلم اصفہانی کی طرف منسوب ہیں یکجا جمع کر کے کتابی صورت میں ابو مسلم اصفہانی

کی تفسیر کے نام سے چھپوایا ہے خود ابو مسلم اس کے جامع اور مؤلف نہیں ہیں ایسا ہی تفسیر مجاہدؒ اور دوسری تفاسیر کے بارے میں سمجھنا چاہئے۔

علی ہذا حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر اور دوسرے صحابہ و تابعین تبع تابعین کی تفسیری روایات ان کی خود اپنی جمع کردہ اور تالیف نمودہ نہیں ہیں۔ البتہ احادیثِ نبویہ کے صحیفے اور کتابیں ان کے مؤلفین و جامعین کے اپنے جمع کئے ہوئے اور تالیف کئے ہوئے ہیں اور ان میں تفسیری روایات کا ایسا کوئی مستقل مجموعہ نہیں جو ہم تک پہنچا ہو اور صرف تفسیری روایات پر مشتمل ہو قرآن پاک کے جمع و کتابت کے بارے میں تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وعدۂ خداوندی

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

ان علینا جمعہ وقرآنہ، فاذا قرأناہ فاتبع قرآنہ، ثم ان علینا بیانہ

اس کی حفاظت و حراست، جمع و قرارت اور تالیف و تدوین کا ذمہ دار ہے۔

اور اس کی حفاظت کی جو بھی صورت قدرت کی طرف سے انسان کے ذریعہ کرائی جاسکتی تھی وہ کرائی گئی دلوں اور دماغوں کو اس کے حفظ و استظہار کے لئے کشادہ کر دیا گیا۔ اونٹ کے پالان، درختوں کے پتے، پتھر کے ٹکڑے، لکڑی کے تختے، جانوروں کے چمڑے اور کھال اور کاغذ وغیرہ مختلف اشیاء پر جیسا کہ اس زمانہ میں کتابت کا طریقہ تھا اور جن جن چیزوں پر اس عہد میں لکھنے کا دستور تھا، قرآن عظیم کی کتابت ہوتی تھی لیکن یہ امر بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے اندر ہی بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک میں اور آپ کے سامنے ہی آپ کے فرمودات اور آپ کے اقوال و افعال وارشادات قلمبند کئے جانے شروع ہو گئے تھے اور گو آپ نے قرآن پاک کے ساتھ التباس و اشتباہ کے خیال سے اپنے ارشادات کو لکھنے اور قلمبند کرنے کی ایک وقت میں ممانعت بھی فرمائی تھی مگر آپ ہی کے ارشاد سے (اکتبوا لابی شاہ) ابو شاہ یمنی صحابی کو آپ کے فرمودات لکھ کر دئے گئے۔ اور آپ کے متعدد صحابہ نے آپ کی

بہت سی روایات و احادیث کو لکھ کر جمع کیا اور تابعین کرام میں اکابر و اعاظم نے نہایت اہتمام کے ساتھ احادیث و روایات کے جمع و تالیف کی طرف توجہ کی کسی نے کسی باب کی اور کسی نے کسی باب کی حدیثیں جمع کیں۔

ان میں ایک معتبر و مستند صحیفہ جو اب موجود ہے امام مالک بن انس کا موطا ہے۔ امام مالکؒ کی وفات سنہ۱۷۹ھ میں ہوئی اس کتاب کی اشاعت سب سے پہلے ہندوستان (دہلی) میں ہوئی اور سب سے زیادہ مستند نسخہ موطائے مالکؒ اسلام میں ایسی کتاب ہے جو قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی مستند و مقبول حدیثوں کی کتابوں سے جمع و تالیف کے اعتبار سے مقدم ہے اور جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین نیز عجالۂ نافعہ میں لکھا ہے کہ امام بخاریؒ و مسلم کی کتابیں درحقیقت موطا امام مالکؒ کی شرحیں ہیں اور موطا ام الصحیحین ہے کہ بخاریؒ و مسلمؒ کی اساس ہی موطا پر ہے جس طرح موطا امام مالک ایک بلند پایہ تابعی کی جلیل القدر تالیف مشہور ہوئی اور اسلام میں اس کو تلقی بالقبول حاصل ہوا۔ اس طرح قرآن مبین کے تفسیر کے بارے میں کسی صحابی یا تابعی کی لکھی ہوئی کوئی کتاب یا صحیفہ رائج و مشہور نہیں ہوا۔

اگرچہ قرین قیاس یہ ہے کہ سب سے اول قرآن پاک کی تفسیر ہی مدون و مرتب ہونی چاہئے اب چونکہ ظاہر ہے کہ عہد سلف کی کوئی تفسیری کتاب و صحیفہ ان کا جمع کردہ اور ترتیب دادہ ہمارے پاس موجود نہیں اور ہم تک نہیں پہنچا۔

اور گفتگو اس امر میں ہے کہ ابتداءً کون سا علم یا فن مرتب و مدون ہوا اور اسلام میں سب سے پہلے کس علم و فن کی تالیف ہوئی اس لئے یقینی اور حتمی طور پر تفسیر مجاہد یا کسی اور تابعی بلکہ کسی صحابی کی تفسیر کے متعلق اولیت و اقدمیت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔

(باقی آئندہ)

؎ مولانا عبیداللہ صاحب سندھیؒ تلمیذ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ نے مکہ مکرمہ سے سنہ۱۳۵۱ میں شائع کیا ۱۲۔

کتاب خانۂ ڈیانواں (پٹنہ)

از

(مولانا ابوسلمہ شفیع احمد بہاری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

پٹنہ علمی حیثیت سے بھی صوبہ کا مرکزی مقام اور علم وفضل کا گہوارہ ہے، اس مردم خیز خطہ اور اس کے اطراف ونواحی سے بہت سے اساتذہ وجہابذہ واصحاب فضل وکمال پیدا ہوئے اور پورے ہندوستان کو اپنے علم کی روشنی سے جگمگایا، متاخرین میں مولانا شمس الحق ڈیانوی، علامہ شوق نیموی اور مولانا رفیع الدین شکرانوی کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے تینوں ہم عصر تھے اور تینوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علم وفن کی خدمت کی۔

مولانا ڈیانوی کے مختصر حالات

وطن وپیدائش | ڈیانواں پٹنہ سے کچھ فاصلہ پر جنوب مشرق میں سادات وشیوخ کی قدیم آبادی ہے اس کو مولانا کے مولد ومنشأ ہونے کا فخر حاصل ہے آخر ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ ہجری میں مولانا یہیں پیدا ہوئے

نام | ابوالطیب کنیت، نام محمد، مشہور شمس الحق ابن امیر علی بن حیدر الصدیقی۔

تحصیل علم | ایام طفولیت ہی سے تحصیل علم کا شوق تھا، اسی طلب میں عزا ر نجد کو چھوڑ کر شد رحال کر کے دہلی پہنچے، اس وقت مولانا سید نذیر حسین صاحب بہاری عرف میاں صاحب کے درس حدیث کا غلغلہ تھا آپ انہی کے درس میں شریک ہو کر اکتساب فیض کر کے آسمان علم پر "شمس" بن کر چمکے اور فخر ہندوستان ہوئے۔

مولانا ڈیانوی اپنے استاذ میاں صاحب کا بہت احترام کرتے اور فرماتے کہ آپ ہی کی توجہ سے میں علم سے آشنا ہوا ایک جگہ اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں کہ

"شیخنا العلامۃ السید نذیر حسین الدہلوی الذی لہ علیّ منۃ عظیمۃ

لا استطیع ان اکافیہا"

شادی و اولاد ۲۲ یا ۲۴ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور رجب ۱۲۹۶ھ میں آپ کے خلف اکبر حکیم مولانا ادریس صاحب پیدا ہوئے جو الحمدللہ اب تک بقید حیات ہیں۔

عقیدہ مولانا عقیدۃً سلفی تھے اور اس میں ان کو بڑا غلو تھا جیسا کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہے۔

مدرسہ اسلامیہ کے ممتحن کی حیثیت سے ایک بار جب بہار شریف تشریف لائے تو حکیم وحید الحق صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ اسلامیہ[1] نے سالانہ امتحان کے موقع پر مدعو کیا، مولانا نے بطیب خاطر دعوت قبول فرمائی اور شریک امتحان ہوئے "بہار کا تقریری" امتحان مشہور تھا، طلبہ سے زیادہ ممتحن تیار ہو کر آتے تھے آپ کے سامنے ابو داؤد کی جماعت حاضر ہوئی، اور جانبین سے اعتراض و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا جب فارغ ہوئے تو اپنے دلی جذبات کو چھپا نہ سکے، انبساط و سرور اور قلبی طمانیت کا اظہار فرمایا غرض مدرسہ کی اعلیٰ تعلیم و طلبہ کی ذہانت و حاضر جوابی نے مولانا کے دل و دماغ پر اچھا اثر ڈالا۔

تصنیفی حال خداوند قدوس نے مولانا کو علم و دولت دونوں سے نوازا تھا اور الحمدللہ کہ دولت و ثروت کا صحیح مصرف لیا۔ علائقِ دنیا اور اس کی ضروریات سے بے نیاز ہو کر اپنے کاشانے میں بیٹھ کر تدریس و تعلیم اور تالیف و تصنیف میں پوری زندگی گذار دی جس سے سلف کی یاد تازہ ہو گئی، وقت کے افاضل اور صاحبِ خبرۃ و بصیرۃ علماء کا اجتماع رہتا جو تالیف و تصنیف میں مولانا کا ہاتھ بٹاتے اور مولانا ان کی ضرورتوں کے کفیل ہوتے۔

---

[1] آپ کو بھی میاں صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا اور خالصاً لوجہ اللہ خدمت مدرسہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اور سچ یہ ہے کہ اہتمام کا حق ادا کر دیا۔ اب یہ تدین و تہذیب کہاں نصیب ؟ فاغفرلہ وارحمہ [2] اس مدرسہ کا ہندوستان کی قدیم درسگاہوں میں شمار ہے اکناف بہار شریف کے باشندہ ایک عالم با عمل مولانا وحید الحق ستھانوی نے اپنے استاد و خسر جناب مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب بہاریؒ ۱۳۰۱ھ میں اس مدرسہ کو قائم کیا اور گذرا ہند میں تعلیمات اسلامی کو پھیلانے میں کار ہائے نمایاں انجام دیا اور یہ مدرسہ اپنے وقت میں صوبہ کے دیو بندی علماء کا گڑھ سمجھا جاتا تھا اس کے پاس ایک کتب خانہ ہے جس میں ہر فن کی قابل قدر کتابوں کا اچھا ذخیرہ ہے افسوس کہ مسلمانوں کی علم دین کی طرف سے بے رغبتی اور منتظمین مدرسہ کی بے کیفی سے اب یہ مدرسہ اپنے آثار قدیمہ کا مدفن بنا ہوا ہے اور اس تحط و گرانی کے دور میں کتابیں کیڑے

مولانا کا تصنیفی ہال" میں نے خود دیکھا ہے ایک بہت بڑا کمرہ" تھا جس کے چاروں طرف دیوار سے لگی ہوئی الماریاں اور اس میں سلیقہ سے ہر فن کی کتابیں سجی ہوئی رہتیں، وسط میں مولانا کی تپائی" اور اس پر ضرورت کی کتابیں پڑی رہتیں گویا ایک چھوٹا سا اکیڈمی تھا، جس کا مقصد سنتِ سنیہ کا احیاء اور بدعتِ راسیۂ" کا قلع قمع کرنا تھا، اس کمرہ کے شمالی جانب برآمدہ اور چھوٹا سا خانہ باغ جس کے پائیں ایک بہت بڑا تالاب تھا جو موسمِ برشگال میں خاص لطف و بہار دیتا لیکن افسوس

ع آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

تصانیف | مولانا کی وسعتِ معلومات، کثرتِ مطالعہ، دقتِ نظر، اور تبحر کا صحیح اندازہ تو آپ کی تصانیف ہی سے کیا جا سکتا ہے جن کی ہر سطر اس کی غمازی کر رہی ہے۔

آپ کی گراں قدر اور بیش بہا تصانیف میں ابو داؤد کی چھوٹی بڑی دو شرحیں غایۃ المقصود اور اور عون المعبود میں اول الذکر بتیس جلدوں میں مکمل ہوئی مگر افسوس کہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی اس کے علاوہ تعلیق المغنی علی سنن الدار قطنی کو بھی اہل علم نے وقعت واحترام کی نظر سے دیکھا ہے

ہماری طرف یہ مشہور ہے کہ ابو داؤد کی شرح کا خیال اولاً مولانا رفیع الدین شکرانوی کو ہوا جس کی بھنک مولانا ڈیانوی کو لگی اور اس کی طرف مبادرت کر کے دو شرحوں کی طرح ڈال دی جس کا قلق مولانا شکرانوی کو تا حیات رہا لیکن حق یہ ہے کہ اس کی کوئی اصلیت نہیں ممکن ہے کہ مولانا شکرانوی کو خیال ہوا ہو مگر اس کا کوئی اثر مولانا ڈیانوی نے نہیں لیا، مولانا لطف حسین جو میاں صاحب کے خادمِ خاص تھے فرماتے ہیں

"کہ میں نے میاں صاحب سے بارہا ایک جماعت کی موجودگی میں کہتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت محدث الہند شاہ عبد العزیز دہلویؒ کے پاس ابو داؤد کا ایک صحیح نسخہ تھا جس کا متعدد صحیح نسخوں سے مقابلہ ومعارضہ کر کے پوری کتاب کو محشی کیا جس میں خصوصاً تمام مقاماتِ صعبہ کا حل تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا علماء پر یہ اتنا بڑا احسان تھا جس سے کبھی وہ سبکدوش نہیں ہو سکتے قسمت کی خوبی کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ نسخہ حضرت میاں صاحب کے ہاتھ لگا لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں یہ قیمتی نسخہ ضائع ہو گیا میاں صاحب

کے رنج و ملال، غم و حزن کا اظہار اس وقت ہوتا جب اس کا تذکرہ آجاتا غایت تاسف سے فرماتے کہ کاش کہیں اصل نسخہ کا سراغ مل جاتا تو باوجود قلت بضاعت وکمی سرمایہ کے ہر قیمت پر اس کو خریدتا۔ فلما سمع المکرم المخدوم ابو الطیب ذلك الکلام من شیخنا التقی اللہ فی قلبہ حب خدمۃ الفن لا بی داؤد، فقام الی خدمتہ قیام الانقیاد و بذل نفسہ بغایۃ البذل وجهد اجهد ابلیغا لاتمام هذا المرام،

خوش قسمت تھے کہ مولانا اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، میاں صاحب کے حیات ہی میں تین جلدیں طبع ہوکر ان کی نظروں سے گذریں، مولانا تلطف حسین صاحب فرماتے ہیں۔

کہ میاں صاحب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جب سنن کا مطالعہ کرتے تو اس کے طابع و شارح و مصحح کے لئے دعاء خیر کرتے اور فرماتے کہ زال عنی الغموم التی حصلت لی باضاعۃ النسخۃ الفریدۃ

اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف بھی مولانا ہی کے رشحات قلم کے زریں شاہکار ہیں۔

(۴) القول المحقق یہ مختصر سا رسالہ ایک سوال کے جواب میں ہے سوال یہ ہے کہ

جانوران ماکول اللحم را خصی کردن جہت تطییب لحم جائز است یا نہ؟

مولانا نے اس کا محققانہ و مجتہدانہ جواب دیا ہے۔ مآل یہ ہے کہ

پس حاصل کلام در بارہ خصی بہائم این است کہ غیر ماکول اللحم را اصلاً جائز نیست و ماکول اللحم را خصی نہ کردن اولی و عزیمت و خصی کردنش جائز و رخصت است

(۵) عقود الجمان فی جواز تعلیم الکتابۃ للنسوان آج سے نصف صدی پہلے علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے مولانا جواز کے قائل تھے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، مشہور محدث علامہ طیبی رح بھی عدم جواز کے قائل تھے۔ مولانا نے ان کا کافی جواب دیا ہے اور ان کے دلائل کو مجروح کیا ہے۔

(۶) غنیۃ الالمعی محدثین کرام کی اصطلاح هذا الحدیث لا یصح" وهذا الحدیث لا یثبت" میں فرق ہے یا نہیں؟ یہ اسی کا جواب ہے۔

(۷) التحقیقات العلی باثبات فرضیۃ الجمعۃ فی القری موضوع نام سے ظاہر ہے، کسی زمانہ میں

حنفی و اہل حدیث کے مابین یہ مسئلہ معرکۃ الآراء رہا ہے۔ علامہ شوق نیموئیؒ نہ حضرت شیخ الہندؒ نے بھی اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے اور تبحر علمی کا پورا پورا ثبوت بہم پہنچایا ہے

(۸) تعلیق اسعاف المبطا برجال الموطا موطا کے رجال پر حافظ سیوطی نے کچھ کام کیا ہے جس کا نام اسعاف المبطا برجال الموطا ہے اور جو مطبوع ہے مولانا ڈیانوی کا اسی پر حاشیہ و تعلیق ہے۔

فیض الاجازۃ فی الاجازۃ، اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر، ہدیۃ اللوذعی بنکات سنن الترمذی کتاب الاجازۃ، النجم الوہاج فی شرح مقدمۃ الصحیح لمسلم بن الحجاج، نہایۃ الرسوخ فی معجم الشیوخ المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف، یہ سب کتابیں بھی آپ ہی کے جودت طبع، وسعت نظر اور جولانی قلم کے ثمرات ہیں۔ مصافحہ پر بھی ایک رسالہ ہے جس میں علمائے احناف کے خلاف مصافحہ بالید یعنی صرف ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ثابت کیا ہے۔

کتب خانہ | مولانا کتابوں کی فراہمی اور اس کے حصول میں زر کثیر اور رقم خطیر صرف کیا کرتے تھے ملکہ ان کے مال و دولت کا مصرف ہی یہ تھا۔ مطبوعہ کتابوں کا تو ذکر ہی کیا اس کا تو انبار تھا، اور ہر فن کی بے شمار کتابیں تھیں لغت، ادب، معانی، تصوف، طب وغیرہ تو بہرحال اسلامی علوم و فنون تھے میں نے دیکھا ہے کہ تھا بھارت اور اسی قبیل کی دوسری کتابیں بھی بکثرت ان کے کتب خانہ کی زینت بنی ہوئی تھیں قلمی کتابوں اور نسخہ خطیہ کی بھی کمی نہیں تھی اور نہایت نایاب و نادر کتابوں کا ذخیرہ تھا، بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ اب تک دنیا سے ناپید ہی ہیں اور اپنی قدر و قیمت بہت زیادہ رکھتی ہیں۔

حصول کتب کے ذرائع | دو تین ذرائع ایسے تھے جن سے مولانا کے یہاں کتابیں پہنچتی رہتی تھیں آپ کا ابر کرم چونکہ ہر شخص کو سیراب کیا کرتا تھا اس لئے عرب سائل، نیز طلبہ جو تعلیم و استفادہ کی غرض سے اقصائے یمن و نجد و مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً) کے ہوتے۔ بکثرت زیارت کرتے اور اپنے اپنے دامن مقصو کو مالا مال کر جاتے، انہی واردین میں کوئی صاحب اپنے ساتھ قلمی کتاب بھی لے کر آتے اور منہ مانگی قیمت پاتے مولانا ان کتابوں کو دیکھ کر کلی کی طرح کھل جاتے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ایک عرب مسند ابو عوانہ لائے مولانا مطالعہ میں مشغول تھے فرط انبساط سے بے خود ہو کر اچھل پڑے اور پوچھا کیا قیمت

ہے؟ عرب نے جو قیمت بتائی اس سے زائد ہی دی۔

دوسرے مولانا زین العابدین آروی تھے جن کا قیام حیدرآباد میں تھا یہ بھی کتابیں فراہم کیا کرتے تھے یہ وہی صاحب ہیں کہ جب مولانا محمد محی الدین جعفری زینبی نے کتاب المؤتلف والمختلف و مشتبہ النسبۃ للحافظ عبد الغنی بن سعید الازدی المصری م ۴۰۹ھ کے شائع کرنے کا خیال کیا تو ان کے پاس صحیح نسخہ نہیں تھا جس سے تصحیح کرتے تو مولانا آروی ہی نے صحیح نسخہ بہم پہنچایا اگرچہ بعد میں ان کو اور نسخے بھی دستیاب ہو گئے۔ تیسرے محب اللہ بن حبیب اللہ العظیم آبادی تھے یہ حضرت بھی مولانا کے لئے کتابیں فراہم کرتے رہتے تھے۔

اب میں مختصراً بعض نادر اور اہم کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔

مسند ابو عوانہ مکمل نہیں بلکہ ناقص ہے۔ آخری باب، باب الجہر بالقرآۃ فی صلاۃ الکسوف ہے اوراق ۲۵۹ اور خط قدیم ہے سنہ ۶۶۴ھ میں کتابت ہوئی زمانہ کا انقلاب دیکھئے کہ یہ نسخہ کسی طرح مولانا ڈیانوی کے کتب خانہ سے "غائب" ہو گیا پھر ٹلا بازیاں کھاتا ہوا مشرقی کتب خانہ غازی پور پہنچا اور اب تحت رقم ۱۷۰ کتب خانہ کی زینت بنا ہوا ہے اس کا ایک نسخہ اور ہے مگر وہ جدید الخط ہے اس کے کاتب محمد محب اللہ بن حبیب اللہ العظیم آبادی ہیں اس کی کتابت شوال ۱۳۲۹ھ میں ہوئی ہے اب دائرۃ المعارف حیدرآباد نے اسے شائع کر دیا ہے۔

معالم السنن للخطابی مکمل بخط عرب جدید ہے۔ یہ بھی اب شائع ہو گئی ہے، مصر کے مشہور محدث اور عامل بالحدیث سید رشید رضا مرحوم ایڈیٹر المنار کو ضرورت ہوئی تو ہندوستان میں علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کے ذریعہ تلاش کرائی مگر ان کو بھی کوئی نسخہ بہم نہیں پہنچ سکا۔[1] البتہ اس کی پہلی جلد جونپور کے مشہور عالم خاندان مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب م ۱۳۹۰ھ کے کتب خانہ میں دستیاب ہوئی تھی، جونپور کا نسخہ نہایت عمدہ بخط عرب ہے اور یمن سے ان کے یہاں پہنچا تھا۔ اس جلد کو دیکھ کر علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کو امام خطابی کی تصنیفات کی حرص اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔[2] مگر اب یہ گوہر

---

[1] لیکن ڈیانواں میں مکمل نسخہ موجود تھا۔ [2] معارف نومبر ۱۹۳۱ء ص ۳۲۳

شب چراغ، نایاب نہیں، مولانا ڈبانوی نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا ہے کہ قد من اللہ تعالیٰ علی باشتراء ھذا الکتاب"

التقاسیم والانواع المعروف بصحیح ابن حبان ناقص (صرف چند اجزاء)

ثقات ابن حبان ناقص، نصف ثانی کے کچھ اجزاء اور جلد ثالث کے تابعین واتباع التابعین کے کچھ اجزاء و ربع الرابع کے کچھ اجزاء۔ خط جدید

فوائد الشرعیۃ فقہ حنفی پر ترکی زبان میں ہے یہ کتاب شاہزادہ محمد دارسخت دلی عہد بہادر شاہ سلطان دہلی کے کتب خانہ کی ہے، اس پر شاہزادہ کی ایک مہر بھی ہے ۱۰۳ اوراق ہیں ہر صفحہ میں ۱۶ سطریں ہیں حروف جلی اور کل ۸۰ ابواب ہیں جس میں سے بعض اسم ابواب یہ ہیں، طہارۃ، صلوۃ، زکوۃ، حج، صوم، شمائل، معجزات، ازواج مطہرات، وفات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خلافت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وغیرہا مؤلفہ اخون قاسم دلاتی۔

کشف الاستار من زوائد مسند البزار للہیثمیؒ علامہ نورالدین ابوالحسن الہیثمی م ۸۰۷ حافظ عراقی کے خاص تلامذہ میں سے ہیں اور فن حدیث میں ان کو جو کچھ کمال حاصل ہے وہ عراقیؒ ہی کا فیض ہے انہی کے اشارہ سے علامہ ہیثمی نے مسند احمد کے ان احادیث کو جو زائد علی الکتب الستہ ہیں جمع کیا جب فارغ ہوئے تو شیخ کے سامنے پیش کیا اور بہت محظوظ ہوئے جس سے حوصلہ بڑھا" ثم حبیب الیہ ھذا التخریج فخرج البحر الزخار فی زوائد البزار۔ سنن کی ترتیب پر ہے نسخہ بہت قدیم الخط ہے بلکہ علامہ ہیثمیؒ کے قلم سے ہے جس سے اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ مگر افسوس کہ ناقص ہے یہ نسخہ عبدالعزیز نزیل مکۃ المشرفہ کے پاس بھی رہ چکا ہے وہاں سے منتقل ہوتا ہوا ڈبانوی پہنچا کل ۲۵۸ اوراق اور مندرجہ ذیل ابواب ہیں باب مالا زکوۃ فیہ صدقۃ الفطر۔ کتاب الصیام۔ کتاب الحج۔ فضل المدینۃ ومکہ۔ کتاب الاضاحی والصید۔ کتاب البیوع الایمان والنذور، الاحکام، اللقطۃ، الغصب، الوصایا، الفرائض، العتق، النکاح، الطلاق اللعان، الجنایات۔ الدیات الحدود۔

امام بزار رواۃ پر جرح بھی کرتے ہیں، مگر یہ جرح بہت مختصر ہے، معلوم نہیں کہ علامہ ہیثمی ایجاز سے کام لیتے ہیں یا امام بزار کی جودتِ طبع کا نتیجہ ہے؟ جب تک اصل سامنے نہ ہو کچھ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، بہرحال علم حدیث کے مشہور راوی اور صاحب سیر و مغازی کے امام واقدی کے متعلق صرف اتنا کہتے ہیں کہ تکلم فیہ اہل العلم، الربیع بن مسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ ثقۃ مامونٌ ۔ محمد بن الحسن ابن زبالۃ کے متعلق یہ کہہ کر گذر جاتے ہیں کہ لین الحدیث" محمد بن ذکوان لین الحدیث، الحسن ابن عمارۃ لا یحتج بحدیثہ اذا تفرد ۔ ایک موقع پر کہتے ہیں کہ تفرد بہ سوار بن مصعب وہو لین الحدیث۔

علامہ ابن فہد نے اس کا نام البحر الزخار فی زوائد البزار بتایا ہے۔

کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث مؤلفہ برہان الدین ابو الوفا، سبط ابن العجمی م ۸۴۱ھ، نہایت لطیف کتاب ہے اس کی افادیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن عراق "تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ" لکھنے بیٹھے تو کشف الحثیث کو تھوڑے تصرف سے اپنی کتاب کا مقدمہ بنایا، جدید الخط ہے مگر خود مؤلف کے نسخہ مکتوبہ سنہ ۸۳۸ھ سے منقول ہے۔

کتاب الشفا للقاضی عیاضؒ غایت خوشخط ہے پوری کتاب مطلا، اول و آخر کے کچھ اوراق غائب اس لئے سنہ کتابت معلوم نہ ہو سکا میں جب پھر گیا اس کے اجزاء کو منتشر ہی پایا فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

اطراف عبد الغنی بن جماعۃ النابلسی الدمشقی الحنفی مصنف نے اس کا نام ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الاحادیث، رکھا ہے مگر اطراف ہی کے نام سے مشہور ہے یہ کتب سبعۃ (صحاح ستہ اور موطا امام مالک بروایۃ یحیی بن یحیی اللیثی) کی فہرست واندکس ہے، اس موضوع پر دیگر ائمہ فن کی بھی کتابیں ہیں اور اب تو ایک مستشرق نے ۱۴ برسوں کی مسلسل محنت سے ۱۴، کتب احادیث کی فہرست طیار کی ہے، اگر یہ مستشرق فن حدیث سے باخبر ہوتا تو کم مدت میں اور اس سے زیادہ جامع فہرست تیار ہو تی مگر دونوں کی نوعیت میں فرق ہے، اطراف عبد الغنی

کے کچھ اجزاء کتبۂ علم و حکمت بہار شریف میں بھی موجود ہیں اور دل چاہتا ہے کہ اس کے مقدمہ سے اس فن کی ترتیب و تدوین پر کچھ حالات پیش کروں مگر ناظرین کے ملالِ خاطر کے اندیشہ سے قلم خشک کر رہ جاتا ہے۔

معرفۃ السنن والآثار للبیہقی فقہ کی دائرۃ المعارف اور بہت اہم کتاب ہے تاج الدین سبکی کا قول ہے کہ ہر شافعی فقیہ کے پاس اس کا رہنا ضروری ہے۔ چہار ضخیم جلدوں میں ہے مگر مولانا کے کتب خانہ میں صرف پہلی جلد ہے جسے ۱۳۴۶ھ میں خرید کیا تھا اس کا ایک نسخہ علامہ شوق نیموی کے کتب خانہ میں بھی تھا یہی کا نسخہ زیادہ قدیم اور دوسری جلد کتاب الزکوٰۃ تھا مگر افسوس کہ

ابو الخیر کنیت، ظہیر احسن نام اور شوق تخلص کیا کرتے تھے، نیمی، پٹنہ ضلع میں ڈیانواں کے متصل ایک گاؤں ہے کی طرف مولانا منسوب تھے آپ کی ایک رباعی ہے ؎ شوق نسبت تخلصم ظہیر احسن نام - در قریۂ دلنواز نیمی است مقام + شد از پئے کنیتم ابو الخیر الہام - تاریخ تولدم ظہیر الاسلام (۱۲۷۸) مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ کے شاگرد تھے کی تصانیف میں سب سے بلند پایہ تصنیف آثار السنن ہے جو آپ کی حدیث دانی کا مظہر ہے اور حق یہ کہ اس کتاب نے حنفی مکتبِ خیال کی دنیا ہی بدل دی اور بہت سے کمزور دلوں سے احساسِ کہتری جاتا حضرت شاہ صاحبؒ اس کو بہت عزیز رکھتے تھے اور اب تو ہر عالم حنفی اس ڈھب پر کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری سمجھتا ہے ساتھ ہی اردو ادب کے مستند ادیب تھے، لکھنؤ میں جب تھے تو وقت کے اساتذہ سے نوک جھونک مناظرہ کا بازار گرم رہتا اور جیسا کہ سنا ہے۔ الحمد للہ سبھوں کو جیت کیا اس سلسلہ میں آپ کا ایک دیوان مثنوی سوز و گداز" یادگار ہے۔ کاش مثنوی میں مترنم بحر اختیار فرماتے تو یقیناً شہرۂ آفاق کتاب "زہرِ عشق" میں سمِ قاتل ہوتا، مولانا کا ذوق بھی قابلِ داد ہے کہ آثار السنن کے ذریعہ مذہبی دنیا میں ہلچل ڈال دی کابر علما سے خراجِ تحسین وصول کیا تو ادبی دنیا میں مثنوی پیش کر کے ساری خلقت کو حیرت میں ڈال دیا ذکی، فطین اور طباع تھے ابو عبد اللہ محمد بن یوسف السورتی فرماتے تھے کہ مولانا عبد الحیؒ سے ذکاوت وسعتِ معلومات میں بڑھ چڑھ کر ہیں موجودہ علمائے احناف کا عام خیال ہے کہ وہ مولانا (عبد الحیؒ کا کفارہ ہیں) علالتِ طبیعت کے باعث زیادہ قیام رہا اور وہیں ۱۷ رمضان المبارک یوم جمعہ بوقت خطبہ ۱۳۲۲ھ انتقال فرمایا اپنے وطنِ مالوف نیمی میں مدفون ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون حضرت شاہ انور صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں جب مکہ میں تھا تو حرم پاک میں دیکھا کہ قرآن خوانی ہو رہی ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ شوق نیموی کوچ کر گئے آپ کے مولانا عبد الرشید نیموی سے راقم الحروف کے تعلقات تھے مگر فتنہ کے بعد ملاقات نہ ہو سکی۔ سنا ہے کہ ان کے دماغ

نمی کا پورا کتاب خانہ ۱۸۵۷ء کے فتنہ میں نذر آتش ہوگیا۔ مکتبہ علم و حکمت نے جو معرفۃ السنن والآثار کا نسخہ شائع کیا ہے اس کے پیش نظر ڈبانواں کا نسخہ تھا۔

تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف حافظ ذہبی کے شیخ علامہ مزی کی تصنیف ہے، ۴ جلدوں میں ہے حافظ ذہبی نے اس کے کل اجزاء ۸۰ سے کچھ اوپر بتلائے ہیں موضوع کتاب وہی ہے جو ابن جماعہ نابلسی کی کتاب کا ہے۔ ڈبانواں میں تیسری اور چوتھی مکمل غیر ناقص اور پہلی اول سے ناقص اور آخر سے تمام اور دوسری جلد آخر سے ناقص ہے، حافظ ذہبی نے اس کی تلخیص بھی کی ہے اس کے اور نسخے بھی ہندوستان کے دیگر کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

کتاب التذکرہ فی علم الحدیث للعلامہ سراج الدین عمر بن الملقن م ۸۰۴ھ، مختصر سا اصول حدیث میں رسالہ ہے، کل دو گھنٹے اس کی تالیف میں صرف ہوتے اور صبح کے وقت یوم جمعہ ۲۷ جمادی الاولیٰ ۷۶۳ھ میں فراغت ہوئی علامہ سیوطیؒ م ۹۱۱ نے ایک اور رسالہ (المقنع) کا پتہ دیا ہے کاتب چلپی کے قول کے مطابق "تذکرہ" اس کا مختصر ہے، اور بعض اہل علم کے نزدیک تذکرہ کا نام کافی بھی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

لوامع النجوم للتضمن من شمس العلوم ابن سعید حمیری کی سب سے عجیب و غریب تصنیف شمس العلوم ہے جو گو ایک لغت کی کتاب ہے لیکن الفاظ متعلق حمیر و یمن کے ضمن میں بہت سے حمیری الفاظ اور ناموں کی تصحیح کی ہے اور ان کے معنی لکھے ہیں جن سے مستشرقین یورپ کو حمیر و سبا کی تاریخ کی ترتیب اور کتبات کے پڑھنے میں بہت مدد ملی ہے، شمس العلوم کا ایک عمدہ نسخہ اسکوریال لائبریری میں بھی موجود ہے (ارض القرآن ج ۱ ص ۱۴) یہ اسی کی شرح ہے سنہ کتابت ۹۶۱ سنہ ھ ہے۔

مقدمہ فتح الباری کاتب عیسیٰ بن عبد اللہ خانہ کعبہ کے زیر سایہ ۹۲۰ھ میں کتابت ہوئی، ٹائٹل ملا اور حاشیہ کرم خوردہ ہے اس پر کئی مہریں ثبت ہیں ایک میں یا محمود" ۱۲۰۹ کندہ ہے دوسرے میں بہادر شیخ ۱۱۹۴ ہے، تیسرے میں اللہم اجعلنی حامد المحمود" ہے ایک اور مہر ہے جس میں احمد بن ابراہیم ۱۲۳۱ھ ہے۔

نہایہ ابن اثیر غریب الحدیث میں مشہور کتاب ہے سنہ کتابت ۹۳۴ھ ہے

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف خط نہایت اعلیٰ وپاکیزہ مکتوبہ ۱۱۱۵ھ ہے

مسلم شریف اس پر علامہ شوکانی یمنی ۱۲۵۰ھ کی تحریر ہے، آپ نے اپنے کسی شاگرد کو ۱۲۱۴ھ میں اجازت دی ہے۔

سنن ابی داؤد (صرف کتاب الایمان والنذور) ابوداؤد کے نسخے کتاب الایمان والنذور کے تراجم واحادیث کے تقدیم وتاخیر میں بہت مختلف ہیں، یہ انہی میں کا ایک ہے۔ خط جید، نفیس، اور مطلا ہے

الحرز الثمین شرح حصن الحصین لعلی القاری خط جید مکتوبہ ۱۰۱۴ھ

تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول فی حدیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، خط عمدہ واعلیٰ ہے، دو واسطے سے اس نسخہ کا مقابلہ اس اصل سے ہوا ہے جس میں مؤلف کے لڑکے نے پڑھا تھا

کتاب تحقیق منیف الرتبہ لمن ثبت لہ شریف الصحبۃ للحافظ صلاح الدین العلائی م ۷۶۱ھ جدید الخط ہے سنہ تالیف ۷۵۳ھ ہے۔

شرح وقایہ المسمی بشرح ابی المکارم مکتوبہ ۱۰۱۷ھ در عہد جہانگیر

خلاصۃ السلوک فی بنیں الرفعۃ والسموک لاصوفی الحاجی ابن سعید القیسی مکتوبہ ۱۱۱۵ھ در عہد جلوس عالمگیر غازی۔

مختصر المعانی بہت خوشخط ۱۱۳۶ھ میں پڑھا گیا ہے۔

نسائی شریف خط قدیم عتیق فتح الباری مکمل خط قدیم وعتیق، الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ خط قدیم وعتیق بخاری شریف خط نفیس اور پوری کتاب گویا مطلا ہے۔ ابوداؤد یہ بھی بخاری شریف ہی کی طرح ہے، ترمذی شریف خط جید مکتوبہ ۱۲۵۹ھ موطا امام مالک بخط جید مکتوبہ ۱۲۹۱

تفسیر بحر مواج قاضی شہاب الدین دولت آبادی ملقب بملک العلماء۔ فارسی از پارہ ۶ تا ختم

۶۔ تہذیب سنن ابی داؤد لابن القیم مدینہ منورہ میں ۱۲۱۴ء میں کتابت ہوئی۔ مولانا نے غایۃ المقصود کے حاشیہ پر اس کو شائع بھی کیا ہے۔

عینی شرح بخاری ج ۱۰ بہ غایت باریک اور بہت خوشخط۔ تفسیر مجمع البیان للشیخ فقیہ الشیعہ ابی جعفر محمد بن الحسن الشیعی الطوسی م ۴۶۰ھ از سورۃ فصلت تاختم قرآن مجید، حروف اعلیٰ و پاکیزہ تفسیر بیضاوی مکتوبہ ۸۲۰ھ، فتوی سراجیہ بخط قدیم و عتیق ۸۸۰ھ، کتاب الاشباہ والنظائر النحویہ مکتوبہ ۱۰۸۹ھ مفتاح المعانی شرح مثنوی سید عبدالفتاح الحسینی العسکری مکتوبہ ۱۲۴۶ھ مگر جلد اوّل کے شروع کے چار پانچ اوراق غائب، اب آخر میں چند کتابوں کے نام کو بیان کر کے اس داستان سرائی کو ختم کرتا ہوں جس سے اندازہ ہو گا کہ مولانا کے کتب خانہ میں کتنا تنوع تھا۔

کتاب الاکلیل فی استنباط آیات التنزیل۔ الاتقان جامع صغیر۔ اشعۃ اللمعات، کتاب المعجم الصغیر للطبرانی بروایۃ ابی بکر محمد بن عبداللہ۔ نزہتہ الحفاظ لابی موسی الحافظ، استدراک ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا علی الصحابہ جامع ابو منصور عبدالمحسن بن محمد بن علی البغدادی حصر الشارد من اسانید محمد عابد السندی الانصاری۔ فتح القدیر شرح جامع صغیر للمناوی۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکلات المصابیح۔ ناقص الطرفین، شرح عمدۃ الاحکام لابن دقیق العید خط قدیم۔ ذکر اسماء من تکلم فیہ وہو موثق للذہبیؒ۔ جامع الاصول من احادیث الرسول لابن الاثیر، کتاب القرآۃ خلف الامام بیہقی، شرح شمائل ترمذی للشیخ محمد الحنفی ۹۲۶ھ میں تالیف سے فراغت ہوئی، محلی شرح موطا لمولانا سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن فخر الدین۔ موطا امام مالک خوشخط مکتوبہ ۱۲۳۴ھ۔ اجزاء کتاب التمہید لابن عبدالبر اجزاء مصنف بن ابی شیبہ۔ اجزاء تذکرۃ الحفاظ للذہبی۔ تحفۃ الجلساء بروئیۃ النساء سیوطی، شرح الفیہ منہاج الاعتدال فی نقض کلام اہل الرفض والاعتزال ابن تیمیہ۔ کتاب تنبیہ المغترین للشعرانی، خوشخط التصریف لمن عجز التالیف زہراوی۔ کتاب الاختلاف شافعی بروایہ ربیع بن سلیمان بحر الرائق بخط حسن فصول الاحکام لاصول الاحکام المشہور بفصول العمادی فی فروع الحنفیہ صرف معاملات مؤلفہ شیخ جمال الدین بن عماد الدین الحنفی، کاتب چلپی کا بیان ہے کہ ۶۵۱ھ میں تالیف سے فارغ ہوئے خزانۃ الروایات فقہ، من لا یحضرہ الفقیہ تالیف ابو جعفر محمد بن علی القمی، تہذیب الاحکام فقہ خط جید جوہرہ نیرہ ارکان اربعہ مولانا عبدالعلی، جواہر الفتاوی تالیف شیخ امام رکن الدین ابو بکر۔ شرح مواقف

شرح مسلم الثبوت مولانا عبدالعلی توضیح، حاشیہ دائرالاصول شرح مسلم الثبوت ملا مبین ملا جلال، حاشیہ میرزاہد شرح مواقف نفیسی۔ شرح مجسطی، شرح مطالع۔ کتاب الارشاد نحو، مصباح و کافیہ علم نحو۔ ہشت بہشت امیر خسرو، فرامین شیخ ابوالفضل ہر سہ دفتر۔

ان کے علاوہ کتب خانہ میں اور بھی بہت سی گراں قیمتیں کتابیں تھیں، پر مولانا کے بعد ضائع ہو گئیں، پھر بھی جو بچ گئی تھیں وہ کم اہم نہ تھیں مگر اس کو کیا کیا جائے کہ فلک کج رفتار اسے بھی نہ دیکھ سکا۔ اور ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد بچی کھچی کتابیں مشرقی کتب خانہ بانکی پور میں داخل کر دی گئیں۔ اور اب غالباً مولانا کے مکان میں مسلم پناہ گزین مقیم ہیں۔ فیا اسفا! و واحسرتا۔

تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

ادبیات

ایران

(از جناب روشن صدیقی)

ایران میں تیل کی صنعت کو قومی بنانے کی تحریک سے متاثر ہو کر

مرحبا جلوہ گہ لالہ و ریحان و ایاغ
تجھ سے روشن ہوا پھر محفلِ مشرق کا چراغ
علم و عرفان و محبت کے نشیمن پہ سلام
سعدی و حافظ و خیام کے گلشن پہ سلام
تا ابد خطۂ خورشید نگاراں آباد
چمن آباد، گل آباد، بہاراں آباد
حسنِ فطرت کی دلآویز کہانی دائم
سرو شمشاد و صنوبر کی جوانی دائم
خنکیِ آبِ رواں، موجِ صبا زندہ باد
آتشِ سینۂ اربابِ وفا، زندہ باد
زندگی تمکنتِ عشق سے مغرور رہے
اپنی جانب نگراں نرگسِ مخمور رہے
خاک نازاں ہو کہ در اصل گلستاں ہوں میں
ذرّے ذرّے کو ہو احساس کہ ایراں ہوں میں

وہی ایران جو مٹ مٹ کے سنورتا ہی رہا
وہ گلستاں جو خزاں میں بھی نکھرتا ہی رہا
جس کی تہذیب کا سایہ درو دیوار پہ ہے
جس کی تخلیق کا غازہ رخِ افکار پہ ہے
مدتوں، خوابِ قدامت نے سلایا اس کو
آخرش، برقِ حوادث نے جگایا اس کو
جبرِ اغیار سے احساسِ خودی جاگ اٹھا
صبح سے قبل ہی خورشیدِ نوی جاگ اٹھا
شفق افروز ہوئی صبحِ تغیّر کی جبیں
لبِ مزدور پہ ہے خطبۂ مزدورِ حزیں
صبر نے توڑ دیا، جبر کی زنجیروں کو
عزم نے موڑ دیا، ظلم کی شمشیروں کو
مسکراتا ہوا اک دشمنِ بیداد اٹھا
عہدِ پیری میں لئے ہمّتِ فرہاد اٹھا
جرأتِ عزمِ مصدّق نے بڑا کام کیا
صبح کو نذرِ گذارِ شفقِ شام کیا
نازِ تزویر کو تھا جس پہ وہ دیوار گئی
نقشِ باطل کی طرح سطوتِ اغیار گئی
یہ بھی اسے ہمّتِ روشن نگہاں ہونا تھا
سرنگوں، شمعِ فرنگی کو کہاں ہونا تھا
عزم سے قیدِ رہ و رسم بدل سکتی ہے

لالہ زاروں کی زمیں آگ اگل سکتی ہے
بوئے گل، تنگ دلوں کے لئے زنجیر بھی ہے
شاخِ گل، غیظ میں آ جائے تو شمشیر بھی ہے
تیز رگ رگ میں ادھر آتشِ کردار ہوئی
سرد و خاموش ادھر شوخیٔ گفتار ہوئی
خود سری خواب ہوئی نازِ ستمگاری کی
رنگ دو روغن کی نہیں جیت ہی خودداری کی
ظلمتوں کے کسی گوشے میں اُجالا تو ہوا
ختم میراث فرنگی کا قبالہ تو ہوا
فتنہ انگیزیٔ اغیار اگر باقی ہے
خاکِ ایران میں امکان تریاقی ہے

غزل

(از جناب الم مظفر نگری)

مشکلیں جتنی تھیں سحر غم میں آساں کر چکے
ناخدا ہم کشتیٔ دل نذرِ طوفاں کر چکے
تلبکے مرغِ سحر یہ دعوتِ جوشِ جنوں
اب تو گلہائے چمن پرزے گریباں کر چکے
ڈھونڈتے ہیں غم کی اُن پھانسوں کو جا جا کر بھی
جن کو اہلِ درد پیوستِ رگِ جاں کر چکے
اب نہیں ہے شمع بزمِ طور کی حاجت مجھے
میرے غم خانے میں اشکِ خوں چراغاں کر چکے
خاک سے کشتوں کی پھر بننے لگیں آبادیاں
تم تو کہتے تھے کہ ہم عالم کو ویراں کر چکے
نالۂ زنجیر کی آواز بھی آتی نہیں
کیا ادا فرضِ جنوں قیدیٔ زنداں کر چکے
باغباں تجھ کو مبارک آمدِ فصلِ بہار
وہ چمن میں کیا رہیں جو قصدِ زنداں کر چکے
کچھ نگاہِ ناز کو گھبرا کے سمجھانے لگے
جب وہ اجزائے دو عالم کو پریشاں کر چکے
شکریہ اے نو بہارِ گلشنِ ہستی کہ ہم
پردۂ ہر گل میں سیرِ داغِ حرماں کر چکے
پوچھنے بھی آئے تو کب آتے یارانِ چمن
آشیاں جب ہم بھرے گلشن میں ویراں کر چکے
صرف وہ جلوے میں دانائے رموزِ شوقِ دید
طور پر جو امتحانِ چشمِ حیراں کر چکے

جا چکے وہ اپنی اپنی منزلوں پہ اے الم
جن کو موجوں کے تھپیڑے غرقِ طوفاں کر چکے

تبصرے

ہفت رنگ از پنڈت بال مکند عرش بی۔اے۔ تقطیع متوسط صفحات ۱۹۲ کتابت طباعت عمدہ، قیمت مجلد تین روپیے، پتہ:۔ ہندوستان میں، رہنمائے تعلیم بک ڈپو مفتی ولان دہلی، پاکستان میں شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی دفتر رہنمائے تعلیم رام گلی ع۳ لاہور۔

ہفت رنگ پنجاب کے مشہور شاعر عرش صاحب ملسیانی کے کلام کا نہایت پاکیزہ اور نکھرا ہوا مجموعہ ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے شاعر نے اس مجموعے میں اپنا کلام سات رنگوں میں پیش کیا ہے پہلا رنگ "خون آدم" دوسرا رنگ "نوائے عشق" تیسرا رنگ "واردات" چوتھا رنگ "سوزوگداز" پانچواں رنگ "متفرقات" چھٹا رنگ "خرابات" ساتواں رنگ "گیت"

ساتوں رنگوں میں ہر رنگ ظاہری اور معنوی حسن و دل آویزی کا نہایت اچھوتا مرقع ہے اور شاعر کی سخن مذاقی اور خوش فکری کی دلیل روشن۔

عرش ہماری زبان کے نہایت کہنہ مشق، سنجیدہ مذاق اور خوش گو شاعر ہیں اور قدیم و جدید دونوں اسکولوں میں مقبول و ہر دل عزیز ہیں،

بقول جوش ملیح آبادی "ان کی شاعری میں روح اور بیان میں حرارت ہے" اور بقول تیری حسن اختر عرش شعر کے کلاسیکل انداز کو کبھی نہیں چھوڑتے اور جیسا کہ علامہ برج موہن دتاتریہ کیفی نے کہا ہے "چونکہ ان کی تعلیم میں مشرقی اور مغربی دونوں ادب داخل تھے مذاق سلیم اور طبیعت ہمہ گیر تھی انھوں نے دونوں کے محاسن کو اپنے کلام میں سمولیا جیسا اثر اور لوچ ان کی غزل میں ہے ویسا ہی زور اور رقت نظران کی نظموں میں ہے گیت بھی خوب لکھتے ہیں ان میں تاثر اور روانی قابل تعریف ہے پاکیزہ جذبات کے ساتھ موسیقیت بھی ہے"

دوسری بہت سی خصوصیتوں کے علاوہ عرش کی یہ خصوصیت خاص طور پر قابل داد ہے کہ ان کی غزلیں خیالات و جذبات کی جدت کے ساتھ پوری طرح رنگین و لطیف بھی ہوتی ہیں

وہ پڑا نے ساغر میں بادۂ نو کچھ اس طرح بھرتے ہیں کہ ہر مکتبِ خیال کا صاحبِ ذوق سر دھننے لگتا ہے ،، خونِ آدم ،، کی کسی کسی نظم میں مذہب پر ایک لطیف قسم کا طنز بھی نظر آتا ہے۔

مثلاً کم ظرف دنیا والی نظم کا ایک شعر ہے

جو "دھرم" پہ بیتی دیکھ چکے "ایمان" پہ جو گذری دیکھ چکے　　اس "رام" "ورحیم" کی دنیا میں انسان کا جینا مشکل ہے

۱۹۴۷ء میں مذہب کے نام پر وحشت و بربریت کے جو ہولناک مظاہر دیکھے گئے ہیں، اس کے بعد ترقی پسند اور حساس شاعروں کے کلام میں اگرچہ اس طرح کے طعنے کچھ زیادہ تعجب خیز نہیں ہیں تاہم خوب ہوتا اگر یہ صاف ستھرا ،، دستہ گل ،، ان سے آلودہ نہ ہوتا، شاعر کو معلوم ہے کہ "رام"، و "رحیم" کی دنیا میں محبت، خدمت، رواداری، چشم پوشی اور صبر و برداشت کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری غلط کار اور غلط اندیش جھوٹے مذہب پرستوں پر ہے جو مذہب اور مذہب کی حقیقی تعلیمات سے یکسر بیگانہ ہیں بہر حال اس نفیس مجموعے کی تمام غزلیں، نظمیں، گیت، اربابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہیں اور ہر طرح کی داد کی مستحق ہیں کسی بہت صاف شفاف چیز پر معمولی سا دھبہ کبھی کبھی بری نظر سے بچانے کے لئے بھی ہوتا ہے،

اردو کی بے بسی اور بے نوائی کے اس دور میں خود ستائے ہوئے ہندوؤں کے ایسے دل پذیر کلام کی اشاعت اس بات کی ضمانت ہے کہ اس لطیف و شیریں زبان کو کوئی اندھی طاقت اور کوئی بہرہ تعصب سرزمین ہند سے مٹا نہیں سکتا۔

(ع)

*

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے مجلد سات روپے آٹھ آنے عہ

اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین کتاب جسمیں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا ایڈیشن. قیمت صہ مجلد ہے

اسلام کا نظام مساجد۔ قیمت ہے مجلد للعہ

مسلمانوں کا عروج و زوال:- جدید ایڈیشن۔ قیمت للعہ مجلد صہ

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ لغت قرآن پر بے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم قیمت للعہ مجلد صہ

جلد ثانی قیمت للعہ مجلد صہ

جلد ثالث قیمت للعہ مجلد صہ

جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظم الاسلامیہ کا ترجمہ۔ قیمت للعہ مجلد صہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد اول:- اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب قیمت چار روپے للعہ مجلد پانچ روپے صہ

جلد ثانی:- قیمت چار روپے للعہ مجلد پانچ روپے صہ

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر محققانہ کتاب۔ قیمت ۶ - مجلد سے

ترجمان السنہ جلد اول۔ ارشادات نبوی کا بے مثل ذخیرہ۔ قیمت نلہ مجلد للہ

ترجمان السنہ جلد دوم۔ اس جلد میں چھ سو کے قریب حدیثیں آگئی ہیں۔ قیمت للعہ مجلد للہ

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشہائے سفر قیمت سے

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے

جلد اول۔ قیمت عہ مجلد عہ

جلد دوم قیمت ہے مجلد ہے

عرب اور اسلام:- قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے مجلد چار روپے آٹھ آنے للعہ

وحی الٰہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے۔

جدید ایڈیشن۔ قیمت عہ مجلد ہے

مینیجر ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

REGISTERED No E.P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسنِ خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جاتا ہے۔

۳۔ معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ "برہان" (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احباء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مُرتّب

سعید احمد اکبرآبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں
سرور کائنات ؐ کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں
یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد عہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان۔ قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ) قیمت ہے مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ)۔ قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا سا
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ..
قیمت تین روپے پانچ آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت صہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق
ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین
ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے
قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔
حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالا
واقعات تک۔ قیمت سے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ
حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے
کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد

برہان

جلد بست وہفتم شمارہ نمبر ۲

اگست ۱۹۵۱ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ اشاعت کے نظرات ملاحظہ فرمانے کے بعد علی گڈھ کے ایک بزرگ اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"برہان میں آپ کے نظرات کا بہت غور سے مطالعہ کیا آپ نے خوب لکھا ہے اور آپ کا نظریہ بالکل صحیح ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انگریزی اخبارات میں ایسی باتوں کا تذکرہ نہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سیکولرزم مست ہاتھی کی طرح مسلم کلچر کو روندتا ہوا آرہا ہے خدا خیر کرے۔"

اس کے بعد یونیورسٹی کی جو اب موجودہ اندرونی صورت حال ہے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اگر استادوں اور غیر مسلم طلبار کی یہی رفتار رہی تو چند سالوں میں یونیورسٹی کے اندر عجائب گھروں میں رکھنے کے لئے بھی مسلم طلبا اور استاد نظر نہ آئیں گے۔ ہم داخلہ کے وقت غیر مسلم اور مسلم طلبار میں بالکل برابری کا سلوک کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک کلاس میں ہم کو پچیس طلبار لینے ہیں اور اس کے لئے سو درخواستیں ہوتی ہیں تو چونکہ غیر مسلم طلبار تعداد میں زیادہ ہوتے ہیں اور یوں بھی تعلیمی اعتبار سے ان کا بیک گراؤنڈ بہتر ہوتا ہے اس لئے قدرتی طور پر کلاس میں غیر مسلم طلبا زیادہ بھر جاتے ہیں اور مسلم طلبار کو مایوس ہونا پڑتا ہے یہی حال استادوں کے انتخاب کے وقت ہوتا ہے غیر مسلم امیدوار ڈگریوں وغیرہ کے لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں اس لئے ان کو لینا پڑتا ہے۔"

آخر میں لکھتے ہیں "کہ جب تک یہ نہیں کیا جائے گا کہ مسلم یونیورسٹی میں مسلمانوں کو کچھ سہولتیں اور خاص آسانیاں دی جائیں اس وقت تک حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔"

حقیقت یہ ہے کہ اس معاملہ میں ہم کو شکوہ کسی سے نہیں رونا اور ماتم ہے تو اپنے ہی مسلمان زعما اور اکابر کا ہے جو اگرچہ زبان سے ہند کو اپنا ملک اور یہاں کی گورنمنٹ کو اپنی گورنمنٹ کہتے ہیں لیکن غیر شعوری یا نیم شعوری طور پر ان کے دل و دماغ اس درجہ مرعوب اور خوف زدہ ہیں کہ وہ اپنے مسائل پر ٹھنڈے

اور مطمئن دماغ کے ساتھ غور بھی نہیں کر سکتے اور اگر غور کرتے بھی ہیں تو ان کا دل جس چیز کی طرف بلاتا ہے اور ان کی عقل انھیں جو مشورہ دیتی ہے اس کو جرأت و بے باکی کے ساتھ گورنمنٹ یا پارلیمنٹ کے سامنے اس طرح پیش نہیں کر سکتے جس طرح کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کے سامنے اپنا مطالبہ پیش کر سکتا ہے قومی اور جماعتی معاملات میں بسا اوقات ایسے لمحے آتے ہیں کہ اگر ان کی نزاکت کو محسوس کر کے بیدار مغزی اور کامل جرأت کے ساتھ کوئی اقدام نہ کیا جائے تو پھر اس سہل انگاری کی مکافات صدیوں میں بھی نہیں ہو سکتی۔

آج حالت یہ ہے کہ مسلمانوں کا متمول اور تعلیم یافتہ طبقہ بہت کچھ اپنے وطن کو خیر آباد کہہ چکا ہے اور تھوڑا بہت جو باقی رہ گیا ہے اس میں سے بھی جس کو جب موقع مل جاتا ہے چپکے سے چل نکلتا ہے۔ نوجوانوں کا عالم یہ ہے کہ یونیورسٹی کا امتحان یہاں دیتے ہیں اور نتیجہ دوسرے ملک میں سنتے ہیں اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس طرح جانے والوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو ملازمت نہ ملنے کے خوف اور اندیشہ سے جاتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی خوشی سے نہیں بلکہ حالات کی مجبوری اور ان کے دباؤ سے ترکِ وطن کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن بہرحال صورتِ حال یہ ہے کہ ملک میں جو مسلمان رہ گئے ہیں ان میں زیادہ تر وہی لوگ ہیں جو غریب میں نا تعلیم یافتہ ہیں اور جو معمولی قسم کے کاروبار کے ذریعہ اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرتے ہیں پس اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اچھوتوں کے ترقی پا جانے سے ملک کے سماجی نقشے میں جو خانہ خالی ہو رہا ہے اگر مسلمانوں کو اس کی خانہ پری نہیں کرنی ہے بلکہ باعزت زندگی بسر کرنی ہے تو لا محالہ انھیں غریبوں کے بچوں کی تعلیم کا اہتمام و انتظام کرنا ہوگا۔ تعلیم پانے کے بعد ان کو ملازمت ملے یا نہ ملے اس سے بحث نہیں محض تعلیم یافتہ ہونا ایک باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے کافی ہے جو شخص صحیح معنی میں تعلیم یافتہ ہوتا ہے وہ جو کام بھی کرتا ہے سلیقہ مندی اور ہوشیاری کے ساتھ کرتا ہے اور آخر کار ناکام نہیں رہتا۔

ظاہر ہے کہ یہ غریب مسلمان اپنے بچوں کی تعلیم کا خود انتظام کر نہیں سکتے تو اب سوال یہ ہے کہ اگر مسلم یونیورسٹی میں بھی ان کے لئے جگہ نہیں نکل سکتی تو پھر یہ کہاں جائیں۔ اور کیوں کر تعلیم حاصل کریں، سیکولرزم میں ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ ہوتا ہے بے شبہ یہ اصول بڑا مبارک اور قابلِ احترام ہے۔ لیکن غور کرنا چاہیے کہ اگر اس اصول کے عام اطلاق کی وجہ سے قوی اور کمزور دونوں مزدوروں

سے یکساں کام لیا جائے ایک زیادہ بھوکے اور دوسرے کم بھوکے کو دونوں کو برابر کی خوراک دی جائے تو اس کا انجام کیا ہوگا ؟

اس بنا پر یہ بالکل کھلی اور صاف بات ہے کہ مسلمان اس ملک کے آئندہ سماجی جسم کے ایک مضبوط اور توانا عضو کی حیثیت سے اس وقت تک ہرگز نہیں رہ سکتے جب تک کہ ان کی موجودہ اقتصادی اور معاشی زبوں حالی کے پیش نظر اولاً تعلیم اور پھر اقتصادی ذرائع کی تحصیل ان دونوں کے لئے ان کے ساتھ خاص خاص مراعات نہ کی جائیں گی اور اس طرح عظیم جد وجہد اور مسلسل کوشش و اہتمام کے ذریعہ ان کو اپنے برادران وطن کے ساتھ چلنے کے قابل نہ بنایا جائے گا۔ یہ مراعات اور یہ سہولتیں اگر مسلم یونیورسٹی بھی ان کو نہیں دے سکتی ——— اور اس لئے نہیں دے سکتی کہ وہ داخلے کے امیدوار طلبار کی قابلیت و لیاقت کو سکولرزم کے پیمانہ سے ناپتی ہے تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ ان حالات میں صرف ڈاکٹر ذاکر حسین کا وائس چانسلر ہونا اور بڑے بڑے علمار کا ممبران کورٹ ہونا اس بدبخت و برگشتہ نصیب قوم کے لئے کچھ بھی اعتماد و اطمینان کا سہارا ہو سکتا ہے !!

کہا جاتا ہے کہ داخلہ کو سیکولر نہ رکھا گیا تو گورنمنٹ گرانٹ نہ دے گی اور یونیورسٹی نہ چل سکے گی لیکن جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں سیکولرزم کے یہ معنی ہی غلط ہیں۔ چنانچہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ جو صرف مسلمان طلبار کے لئے مخصوص ہے اور جس میں آج کل آٹھ سو طلبار تعلیم پا رہے ہیں اور جس کے سب اساتذہ بھی مسلمان ہی ہیں مغربی بنگال کی حکومت کی سرکاری درس گاہ ہے اور اس بنا پر اس کے تمام اخراجات کا تکفل گورنمنٹ ہی کرتی ہے اسی طرح شانتی نکیتن کو ابھی حال میں گورنمنٹ نے یونیورسٹی کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے لیکن اس درس گاہ کی جو خصوصیات ہیں وہ علیٰ حالہا قائم رہیں گی۔ اس کو بھی ساتھ ہی مان لیا گیا ہے اس بنا پر کوئی وجہ نہیں کہ اگر بانیانِ مسلم یونیورسٹی کے اغراض و مقاصد کی ترجمانی عالی حوصلگی۔ بلند ہمتی اور خلوص و ہمدردی کے ساتھ کی جائے تو اس کا اثر نہ ہو۔ فهل من مدّکر

تدوینِ حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن)

(۱۹)

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بصرہ سے وہ کوفہ چلا آیا، کوفہ میں بھی اس کے ساتھ بظاہر کسی قسم کی سختی نہیں کی گئی صرف کوفہ سے باہر ہو جانے کا حکم دیا گیا، وہ مصر چلا گیا، یہاں کی حکومت ایسے حالات میں مبتلا تھی کہ اس نے اتنی زحمت بھی گوارا نہ کی کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے اور مصر میں کیا کر رہا ہے، اطمینان کے ساتھ اس کو موقع مل گیا کامل ابن اثیر وغیرہ میں ہے

فاستقر بها وجعل يكاتبهم ويكاتبونه وتختلف الرجال بينهم ج٣ ص٥٥

مصر ہی میں ابن سبا ٹھہر گیا اور (اس کی سازش میں جو شریک تھے) ان سے وہ خط و کتابت کرنے لگا وہ انھیں لکھتا اور وہ اسے لکھتے اور لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ بھی جاری تھا

مصر ہی سے اس نے صحابیت کے خلاف طوفان اٹھایا اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا ہے

بث دعاته وكاتب من استفسد في الامصار وكاتبوه ودعوا في السر الى ما عليه رأيهم ص٥٩

اس نے اپنے گوئندوں اور نمائندوں کو اطراف ملک میں بھیجا) اور ان لوگوں سے خط و کتابت شروع کی جو الامصار (فوجی چھاؤنیوں میں) بگڑ چکے تھے وہ بھی انھیں لکھتا اور وہ اس کو لکھتے اور پوشیدہ

طریقوں سے لوگوں کو ان ہی باتوں کی دعوت دینے
لگے جو ان کی رائے تھی،۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے منجملہ دوسرے ذرائع کے ایک بڑا حربہ جسے ابن سبا اور اس کے دعاۃ دکارندے جو تمام امصار میں بکھرے ہوئے تھے استعمال کر رہے تھے وہ جھوٹی حدیثوں کا سلسلہ تھا جسے جہاں ضرورت ہوتی وہ پیغمبر کی طرف منسوب کر کے لوگوں میں پھیلاتے رہتے تھے آخر فتنے نے زور پکڑا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے ان کے شہید ہونے کے بعد بھی فتنہ نہ دبا۔ مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا اور جن لوگوں کو اپنے زیر اثر لے آنے میں وہ کامیاب ہوا تھا "اصطلاحاً جنہیں "السبائیہ" کہتے تھے، ان خانہ جنگیوں میں عموماً یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فوج میں گھلے ملے رہتے تھے مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلا معرکہ جو اس سلسلہ میں جنگ جمل کے نام سے پیش آیا قطعاً پیش نہ آتا اگر غلط فہمی میں طرفین کو مبتلا کر کے سبائیوں کی جماعت صلح کو جنگ سے عین وقت پر بدل دینے میں کامیاب نہ ہو جاتی۔ جمل کے بعد صفین اور خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ یکے بعد دیگرے جاری رہا، سبائی اندر اندر کیا کر رہے ہیں، مسلمانوں میں کس قسم کے خیالات اور بے سر و پا حدیثیں پھیلا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان امور کی طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ایک زمانہ تک نہ ملا، حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے آپ ہی کی فوج اور آپ ہی کے آدمیوں کے ساتھ مل جل کر کر رہے تھے لیکن بات آخر کہاں تک چھپی رہتی، لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کے مشہور بزرگ مسیبؓ بن نجبہ ایک دن عبداللہ بن سبا کو پکڑے ہوئے کوفہ کی جامع مسجد میں منبر کے سامنے کھڑا کر کے اعلان کر رہے تھے کہ

لہ ثقہ راویوں میں ان کا شمار ہے حضرت علیؓ اور حضرت حذیفہؓ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے۔ علاوہ قادسیہ کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ صفین وغیرہ کی جنگ میں بھی شریک تھے، لیکن زیادہ شہرت ان کی اس خاص واقعہ کی وجہ سے ہوئی جو حضرت امام حسینؓ کی کربلا میں شہادت کے بعد عین الوردہ کے مقام پر اس وقت پیش آیا

یکذب علی اللہ وعلی رسولہ[۲۸۹] (رسالۃ المیزان) یہ (یعنی ابن سبا) اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھوٹی باتیں بنا بنا کر منسوب کرتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھی اس کی دسیسہ کاریوں کا راز آخر میں واضح ہوا، "صحابیت" کے خلاف طوفان کو اس نے اٹھایا تھا آپ نے پہلے تو اس فتنہ کی طرف توجہ فرمائی اعلان عام آپ کی طرف کرا دیا گیا تھا کہ اس قسم کی باتیں کرنے والوں کو کوڑے کی سزا دی جائے گی خود ابن سبا کو بلا کر آپ نے بہت کچھ سمجھایا بجھایا۔ یہ جو وہ پھیلاتا پھرتا تھا کہ قرآن کے سوا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی علوم حضرت علیؓ تک پہونچے ہیں بھری مجلس میں آپ نے اس کے سامنے انکار فرمایا لیکن پھر بھی اپنے حرکات سے جب باز نہیں آیا تو اس کے منہ پر آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس دجالوں کے پیدا ہونے کی جو خبر دی گئی ہے ان میں سے ایک تو بھی ہے اور حکم دیا کہ کوفہ سے اس کو باہر کر دیا جائے لیکن ایک اس کے باہر ہونے سے کیا ہوتا، وہ تو ایک گروہ اپنا پیدا کر چکا تھا جو ہر طرف فتنہ کی آگ بھی سلگاتے پھرتے تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں میں جھوٹی باتوں کو رواج دے رہے تھے، بیان کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے کہ آخر میں

فاحرقھم علی فی خلافتہ[۲۹۰] (لسان المیزان) جلا دیا حضرت علیؓ نے ان لوگوں کو اپنی خلافت کے زمانے میں۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) جب توابین کے نام سے قتل حسینؓ کا بدلہ لینے کے لئے ابن زیاد کی فوج سے کوفہ کی ایک جماعت ... سلیمان بن صرد بھی اسی واقعہ میں شہید ہوئے، توابین کی جماعت میں ان کا نام بہت نمایاں ہے ۱۲

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خصوصی طور پر ان لوگوں کو نذر آتش کرنے کا حکم کیوں دیا اس کی توجیہ میں لوگوں نے مختلف باتیں کہی ہیں اگر یہ خیال کیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیث کے بیان کرنے کی سزا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا ہے کہ اپنا ٹھکانہ وہ لوگ (النار) کو بنالیں، ممکن ہے کہ اس "النار" سے حضرت علیؓ دنیا اور آخرت دونوں آگوں پر حاوی خیال فرماتے ہوں تو شاید یہ توجیہ بھی بعید نہ ہو، نیز اس روایت سے جس کا ذکر گذرا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے کے لئے حکم دیا تھا کہ اس کو جلا دیا جائے استدلال کیا جا سکتا ہے ۱۲۔

قطعی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان جلنے والوں میں خود ابن سبا بھی شریک تھا یا نہیں لیکن الذہبی کا بیان ہے کہ

احسب ان علیا حرقہ بالنار، ص۲۹ — میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت علیؓ نے اس کو بھی آگ ہی میں جلا دیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت والا کی طرف سے دار و گیر میں سختی سے اگر کام نہ لیا جاتا تو خدا ہی جانتا ہے کہ کچھ دن اور بھی فرصت ان بدبختوں کو اگر مل جاتی تو کیا کچھ کر گذرتے تاہم کم و بیش چار پانچ سال کے عرصے میں کام کرنے کا جو موقعہ ان کو مل چکا تھا دوسرے مفاسد کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے امصار اور فوجی نو آبادیوں کے اندر بے سر و پا حدیثوں کے جس ذخیرے کو انھوں نے پھیلا دیا تھا اور چونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یا آپ کے بعض خاص خاص صحابیوں میں جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوا ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد بن اسود وغیرہم حضرات بھی تھے ان کے ناموں سے بھی کام لیا گیا تھا اس لئے سیدھے سادے عام مسلمان دوسروں سے بھی ان حدیثوں کا تذکرہ اس اعتماد کے ساتھ کرتے کہ گویا واقعی یہ رسول اللہ اور آپ کی صحابیوں ہی کی باتیں ہیں اس فتنے کے سدباب کے لئے کیا کیا جائے؟ یقیناً اس وقت کا یہ بہت بڑا سوال تھا، کتابوں میں لکھا ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کر کے جن باتوں کو عبداللہ بن سبا اور اس کے رفقار کار مسلمانوں میں پھیلاتے پھرتے تھے اور لوگ آپ سے آکر ان کا ذکر کرتے تو حضرت بے چین ہو جاتے۔ بے ساختہ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو جاتے۔

مالی ولھذا الخبیث الاسود ص۲۹ لسان ج۳ — اس سیاہ کالے گندے خبیث کو مجھ سے کیا تعلق

پھر آپ کی طرف منسوب کر کے جن باتوں کو لوگوں میں وہ پھیلاتا تھا اس کی تردید فرماتے۔

لیکن قصہ کسی ایک جگہ کا تھا؟ کوفہ بصرہ شام حجاز مصر ان تمام مقامات میں ابن سبا خود گھوما تھا، اور ہر جگہ اس کے نمائندے اور دعاۃ بکھرے ہوئے تھے، گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ جھوٹ کا ایک سیلاب تھا جو ان تمام علاقوں پر چھا گیا تھا مشکل یہ تھی کہ ایک طرف بادیۂ عرب کے عام سیاہیوں

. . . .

کی جماعت تھی پیغمبر اور پیغمبر کے صحابیوں کے نام سے منوا لینے والے جو کچھ چاہتے ان سے منوا لیتے تھے لیکن دوسری طرف ارباب خرد و بصیرت کا بھی آخر ایک طبقہ مسلمانوں میں بہرحال موجود تھا، اسلام کی روح اور اس کے کلیات کا وہ علم رکھتے تھے خصوصاً ان میں جو شرف صحبت سے بھی فیض یاب تھے، ان کے کانوں تک جب سبائیوں کی خود تراشیدہ روایتیں پہنچتیں تو ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ آخر یہ کیا ہے۔

میرا تو خیال ہے کہ اس قسم کی روایتیں جن کا تدوین حدیث کی تاریخوں میں لوگوں نے ذکر کیا ہے مثلاً امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں جو یہ واقعہ درج کیا ہے کہ بشیر بن کعب العدوی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں ایک دن آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیثیں بیان کرنے لگے ان کا خیال تھا کہ حضرت ابن عباس ان حدیثوں کو خاص توجہ سے سنیں گے، لیکن حیرت کی ان کے انتہا نہ تھی، جب دیکھا کہ

ابن عباس لا یاذن لحدیثہ	ابن عباس نہ ان کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں اور
ولا ینظر الیہ	نہ ان کو دیکھتے ہیں

بشیر نے گھبرا کر عرض کیا کہ حضرت! میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں آپ کو سنا رہا ہوں اور آپ اس بے التفاتی سے کام لے رہے ہیں، ابن عباس نے اس وقت بشیر کو سمجھاتے ہوئے پہلے تو خود اپنے ایک حال کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

انا کنا مرۃ اذا سمعنا رجلا یقول	ایک زمانہ ہم ہی پر گذرا ہے کہ کوئی آدمی جب یہ کہتا
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو فوراً
وسلم ابتدرتہ ابصارنا واصغنا	ہماری نگاہیں اس کی طرف بے ساختہ اٹھ جاتی
الیہ باذاننا	تھیں اور اپنے کانوں کو اسی کی طرف ہم جھکا دیتے

اور اس کے بعد آپ نے عدم التفات کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی۔

انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم یکن یکذب علیہ فاما اذا رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنہ مقدمہ مسلم ص ۱۲۸	ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حدیثیں اس زمانے میں بیان کیا کرتے تھے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط حدیثوں کو منسوب کرکے بیان کرنے کا رواج نہیں ہوا تھا مگر لوگ جب ہر سرکش اور غیر سرکش (اونٹوں) پر سوار ہونے لگے (یعنی جھوٹ سچ کی تمیز جاتی رہی) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے حدیثوں کا بیان کرنا ہم نے چھوڑ دیا۔

قرائن کا اقتضاء ہے کہ بشیر جو بصرہ کے رہنے والے ہیں ان کے ساتھ ابن عباس کی یہ گفتگو اس زمانے میں ہوئی ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے ابن عباس بصرہ کے والی اور حاکم تھے جہاں تک میرا خیال ہے ابن عباس کے اس بیان میں سبائیوں کے اس فتنے کی طرف اشارا ہے جو غلط روایتوں کے پھیلانے کی وجہ سے مسلمانوں میں اٹھ کھڑا ہوا تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس ہی نے نہیں بلکہ ان کے ساتھ اور بھی لوگ شریک تھے جنہوں نے اس فتنے کے بعد حدیثوں کی روایت کے قصہ ہی کو ختم کر دیا تھا، ان کی سمجھ میں اس فتنے کے مقابلہ کی کوئی دوسری شکل باقی نہ رہی تھی اسی مکالمہ کو دوسری سند سے امام مسلم نے جو نقل کیا ہے اس میں اتنا اضافہ بھی پایا جاتا ہے کہ

لم نأخذ من الناس الا ما نعرف	اب لوگوں سے ہم ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں۔

میں نے جو یہ کہا کہ اس فتنے کے بعد حدیثوں کی روایت کے متعلق ابن عباس نے جس طریقۂ عمل کو اختیار کیا تھا اس میں وہ تنہا نہیں تھے اس کا ایک قرینہ تو خود ان کے اسی بیان میں پایا جاتا ہے کہ بجائے صیغۂ واحد کے "ترکنا الحدیث عنہ" یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے جس سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس روش کے اختیار کرنے میں ان کے ساتھ دوسرے بھی شریک تھے علاوہ اس لفظی قرینہ کے اسی بصرہ کے متعلق ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں کہ ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی تھی جو کہا کرتی تھی کہ

لاتحدثونا الا بالقرآن کفایہ ص۱۵ — قرآن کے سوا ہم سے اور کچھ نہ بیان کیا کرو

اور تو اور عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا قیام بصرہ ہی میں تھا ان کے پاس بھی آکر لوگ یہی کہنے لگے تھے کہ قرآن کے سوا اور کچھ نہ بیان کیجئے۔

بہرحال کچھ بھی ہو، اس فتنے نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دوسرے فتنہ کو پیدا کیا یعنی چاہا گیا کہ سرے سے حدیث کے قصے ہی کو ختم کر دیا جائے، یہ عجیب کش مکش کی حالت تھی خود ابن عباس ترکِ روایت کے اسی طرز عمل کو بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہا کرتے کہ

انا کنا نحفظ الحدیث والحدیث یحفظ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں یاد کیا کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں اسی کی مستحق ہیں کہ انھیں یاد کیا جائے۔

مگر پھر کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فتنہ کا تذکرہ فرماتے اور کہتے کہ

فاما اذ ارکبتم کل صعب وذلول فهیهات (مقدمہ مسلم) — لیکن جب ہر سرکش اور غیر سرکش سواریوں پر تم چڑھنے لگے تو پھر اس سے دور ہی رہنا مناسب ہے

جہاں تک میرا خیال ہے سبائی فتنہ کو ممکنہ حد تک کچل دینے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی توجہ اسی مسئلہ کی طرف غالباً منعطف ہوئی یعنی آپ کے سامنے دو باتیں تھیں ایک تو یہی کہ منافقوں کی اس جماعت نے مسلمانوں میں جن غلط حدیثوں کو پھیلا دیا ہے، اس زہر کے ازالہ کے لئے کیا کیا جائے۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس زہر کی شرکت کی وجہ سے لوگوں میں یہ رجحان جو بڑھتا جا رہا ہے کہ قطعی طور پر حدیثوں کی روایت، ان کے سننے سنانے کے قصے ہی کو بالکلیہ ختم کر دیا جائے بجائے خود ایک مستقل فتنہ کی شکل جو نکہ [illegible] درست [illegible] رد کرنے کی یہی تدبیر

اختیار کی جائے۔

یہ ثانی الذکر ہی فتنہ تھا جس کی خبر حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب ہوئی تو آپ نے لوگوں کو بلا کر یہی باتیں سمجھائی تھیں جن کا ذکر کسی موقعہ پر آ چکا ہے یعنی آپ نے فرمایا کہ حدیثوں سے الگ ہو کر دینی زندگی گذارنے کی شکل ہی کیا ہو گی صرف قرآن سے کوئی اگر چاہے کہ نمازوں کی کتنی تعداد ہے ان کے اوقات کیا کیا ہیں، ہر نماز میں کتنی رکعتیں، کتنے رکوع، کتنے سجدے وغیرہ ہونے چاہئیں ان سوالات کے جواب حاصل کرے تو قطعاً اس کو ناکام واپس ہونا پڑے گا اور صرف نماز ہی نہیں حضرت عمران روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ سارے اسلامی ارکان کے عناصر و اجزاء کا تذکرہ کر کرکے پوچھتے جاتے تھے کہ ان باتوں کو کہاں پاؤ گے پھر ان لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے جنہوں نے ارادہ کیا تھا کہ آئندہ نہ کسی سے ہم حدیث سنیں گے اور نہ ان سنی ہوئی حدیثوں کو قبول کریں گے، حضرت عمران نے بلند آواز میں گرجتے ہوئے فرمایا،

خذوا عنا فانکم واللہ ان لم تفعلوا لتضللتم حدیث[۱] کفایہ — ہم لوگوں (یعنی رسول اللہ کے صحابیوں سے دین) کو لو قسم ہے اللہ کی اگر تم نے یہ نہیں کیا تو راہ کھو بیٹھو گے۔

اور میں قطعی طور پر تو نہیں کہہ سکتا، لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف مختلف طریقوں سے حدیث کی کتابوں میں یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے عرف مسند احمد بن حنبل میں کم از کم آٹھ نوسندوں سے یہ روایت درج ہے حدیثوں کی روایت ہی سے اس کا تعلق ہے، بہرحال حضرت والا کا وہ قول یہ ہے آپ لوگوں کو خطاب کر کے کہا کرتے تھے۔

اذا حدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثا فظنوا بہ الذی ھو اھدی والذی ھو اھیأ والذی ھو اتقی۔ (مسند احمد ص ۱۲۲ ج ۱)

جب تمہارے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے حدیث بیان کی جائے تو تمہیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ سب سے زیادہ راہ نمائی کرنے والی بات وہ ہے سب سے زیادہ بہتر ہے سب

سے زیادہ تقوی کی ضمانت اس میں ہے۔

بعض روایتوں میں ایک دو حروف کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے لیکن مطلب ہر حال میں وہی ہے جسے میں نے ترجمہ کے خانہ میں درج کیا ہے۔

جس لب ولہجہ میں حضرت کے یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کے سامنے کچھ ایسے لوگ ہیں جن کے قلوب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی طرف سے گونہ بے نیازی اور استغنار کی کیفیت کسی وجہ سے پیدا ہوتی چلی جارہی تھی، اور ظاہر ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک حدیثوں کے متعلق اس قسم کی افسردگی دلوں میں اگر کسی وجہ سے پیدا ہوئی تھی تو وہ سبائیوں کا ہی فتنہ ہو سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول گذر چکا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی حدیثوں کے منسوب کرنے کا سلسلہ شروع نہ ہوا تھا ہم لوگوں کا حال یہ تھا کہ کسی سے قال الرسول کا لفظ جونہی کہ ہم سنتے ہماری آنکھیں اس کی طرف بے ساختہ اٹھ جاتیں اور کانوں کو اس کی طرف ہم لگا دیا کرتے تھے، اور میں بتا چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی ابتداء اسی جماعت سے شروع ہوئی، الشعبی کی تاریخی شہادت گذر چکی کہ

اول من کذب عبد اللہ بن سبا — سب سے پہلے جو جھوٹ بولا (یعنی رسول اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کی) وہ عبد اللہ بن سبا تھا

بہر حال جوں کے خوف سے لبادے ہی کو نذر آتش کر دینے کا خیال جن لوگوں میں پیدا ہو چلا تھا یعنی سبائیوں کی پھیلائی ہوئی جھوٹی روایتوں کی وجہ سے یہ غلط فیصلہ کر بیٹھے تھے کہ آئندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کی روایت ہی ترک کر دیں گے میرا خیال یہی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مذکورہ بالا ارشاد کا رخ ان ہی غیر صحیح رجحانات کی طرف ہے، آپ ان ہی لوگوں کو سمجھانا چاہتے تھے کہ کچھ بھی ہو لیکن یہ طریقہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی جائے اس کی طرف توجہ نہ کی جائے یہ صحیح طریقہ نہیں ہے بلکہ اب بھی یہی سمجھنا چاہئے جیسے ہمیشہ سے لوگ یہی سمجھتے چلے آتے تھے کہ

"اسی میں سب سے زیادہ راہ نمائی ہے وہی سب سے بہتر بات ہے اسی میں سب سے زیادہ تقوی کی ضمانت ہے۔"

باقی سبائیوں کی خود تراشیدہ روایتوں نے جن اشتباہی تاریکیوں کو پھیلا دیا تھا پہلا علاج ان کا جہاں تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے یہی اختیار کیا گیا تھا کہ اس قسم کی بے سرو پا باتیں خود آپ کی طرف منسوب کر کرکے جو پھیلائی جاتی تھیں جس وقت کسی ذریعہ سے اس کی خبر آپ تک پہنچتی تھی، منبر پر پہنچ کر برسرِ عام اس کی تردید فرما دیا کرتے تھے مشہور تابعی حضرت سوید بن غفلہ جن کا شمار کبارِ تابعین میں کیا گیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خاص حلقہ کے آدمی ہیں ان ہی کے حوالہ سے حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر انھوں نے عرض کیا کہ ابھی چند آدمیوں کو میں دیکھ کر آرہا ہوں جو آپس میں یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق آپ کے خیالات بھی درحقیقت اچھے نہیں ہیں، لیکن مصلحتاً ان کا اظہار نہیں فرماتے۔ سوید بن غفلہ نے اسی کے ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ جس مجمع میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا، اس میں عبداللہ بن سبا بھی تھا، لکھا ہے کہ سننے کے ساتھ ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر ایک خاص کیفیت طاری ہو گئی بے ساختہ زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے

مالی ولھذا الخبیث الاسود	مجھے اس کالے گندے سے کیا سروکار اللہ کی پناہ
معاذ اللہ ان اقول لھما الا	کہ میں ان دونوں (ابو بکر و عمر) کے متعلق بجز اچھی
الحسن الجمیل	بات کے اور کچھ کہوں۔

اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ راوی کا بیان ہے کہ

ثم نھض الی المنبر حتی اجتمع الناس	پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور لوگ اکٹھے
فذکر القصۃ فی المدح علیھما	ہوئے تب حضرت علیؓ نے ان دونوں کی تعریف
بطولہ ص۲۹ ج۳ لسان المیزان	فرمائی پوری تفصیل کے ساتھ۔

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اسی تقریر کے آخر میں آپ نے اس کا بھی اعلان کیا تھا کہ میں اس شخص

کو افترا پردازی اور غلط بیانی کی سزا دوں گا جس کے متعلق اس قسم کی خبریں مجھ تک پہنچیں گی۔ لسان المیزان ج ۲ ص ۲۸۹

ظاہر ہے کہ آپ کی طرف منسوب کرکے جو جھوٹی باتیں مسلمانوں میں پھیلائی جاتی تھیں، ان کے علاج کی یہ آخری صورت ہوسکتی تھی، گذر چکا کہ آخر ان ہی قصوں کے سلسلے میں حضرت والا کے حکم سے سبائیوں کو دنیا ہی میں آگ کے عذاب میں مبتلا ہونا پڑا جس سے معلوم ہوا کہ سزا کی جس دھمکی کا منبر سے آپ کی طرف سے اعلان کیا گیا تھا وہ صرف دھمکی نہ تھی بلکہ عمل کی شکل بھی اس نے اختیار کی، رہا روایتوں کا وہ عام ذخیرہ جسے اپنی مختلف ضرورتوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے مسلمانوں میں بدبختیوں کی اس ٹولی نے پھیلا دیا تھا مختلف قرائن واسباب کی روشنی میں کم از کم اسی نتیجہ تک پہنچا ہوں کہ اسی زہر کے ازالہ اور اسی کے مقابلہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رویہ میں تبدیلی کی ضرورت محسوس فرمائی، جو حدیثوں کے متعلق اب تک آپ بھی اختیار کئے ہوئے تھے اور آپ سے پیشتر خلفاء راشدین منشاء نبوت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس پر زور دیتے چلے آئے تھے، میرا اشارہ تقلیل فی الروایۃ کی طرف ہے یعنی روایتوں میں کمی کا طریقہ جس کے تفصیلی مباحث گذر چکے۔

یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ براہ راست خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چشم دید ذاتی مشاہدات ومسموعات جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آپ رکھتے تھے معلومات کے اس قیمتی ذخیرے کے مقابلہ میں ان بے سروپا روایتوں کی بھلا مسلمانوں کی نگاہوں میں کیا وقعت باقی رہ سکتی تھی، جو ان کے کانوں تک مختلف ذرائع سے سبائیوں نے پہنچا دیا تھا۔

اسی صورت حال کا اندازہ کرکے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اگر اپنا رویہ بدل دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار ورفتار عادات واطوار سیرت وکردار کے متعلق آپ کے جو معلومات تھے ان کی تحریراً وتقریراً وسیع پیمانے پر اشاعت شروع کردی تو خود سوچنا چاہئے کہ سبائی روایات کی طرف سے مسلمانوں کی توجہ کے موڑنے کی اس وقت کوئی دوسری ممکن تدبیر اور کیا ہوسکتی تھی؟

خیال تو کیجئے کہ کہاں آپ ہی کا ایک حال یہ تھا کہ قراب سیف (یعنی تلوار کی نیام) میں جو حدیثیں آپ کے پاس لکھی ہوئی تھیں ان کے دکھانے پر بھی اصرار شدید کے بعد آمادہ ہوتے ہیں اور کوفہ پہنچنے کے بعد آپ ہی کو دیکھا جاتا ہے کہ برسر منبر اعلان عام فرماتے ہیں کہ

ایک درم میں علم کا کثیر ذخیرہ مجھ سے کون خریدتا ہے

لانے والے کاغذ لے کر حاضر ہوتے ہیں اور براہ راست دست مبارک سے لکھ کر حدیثیں اس کے حوالہ کی جاتی ہیں، یہی کوفہ کا منبر ہے بیان کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ دوسروں کے دریافت کرنے پر نہیں بلکہ لوگوں کو خود خطاب کر کر کے فرماتے،

پوچھو مجھ سے اور دریافت کرو، خدا کی قسم جس چیز کے متعلق مجھ سے دریافت کرو گے میں اس کے متعلق بتاؤں گا مجھ سے اللہ کی کتاب کے متعلق دریافت کرو، کیونکہ خدا کی قسم قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق میں یہ نہیں جانتا کہ رات کو اتری ہے یا دن کو، میدانی علاقہ میں اتری ہے یا پہاڑ پر (تہذیب التہذیب)

مجمع کے سامنے بھی آپ کا یہی حال تھا اور انفرادی طور پر بھی جیسا کہ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے بجائے تقلیل کے روایتوں کی اشاعت میں تکثیر سے کام لے رہے ہیں، الذہبی نے کمیل بن زیاد کے ساتھ حضرت والا کی جس طویل گفتگو کا تذکرہ کیا ہے تو اس میں یہ نہیں ہے کہ زیاد نے آپ سے آکر کچھ دریافت کیا تھا، بلکہ لکھا ہے زیاد کا بیان ہے کہ

اخذ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدی مرے دونوں ہاتھوں کو حضرت علیؓ نے پکڑا اور صحرا کی فاخرجنی الی ناحیۃ الجبّان ج۱ تذکرہ میدان کی طرف مجھے نکال کرلے گئے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو خود پکڑ پکڑ کر آپ لے جاتے اور پیغمبر سے جو علم آپ تک پہنچا تھا اس کی تبلیغ فرماتے بجنبہ قریب قریب اسی کے مصفحہ عامری کا بیان تھا ابن سعد نے نقل کیا ہے مصفحہ کہتے تھے کہ میں حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا

(باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الثقفی

از

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی)

(۵)

اس صورت حال کو سمجھتے ہوئے مصعب نے ان لوگوں سے کہا کہ جب تک مہلب اور اس کی آزمودہ کار اور وفادار فوجیں ہمارے ساتھ نہ ہوں ہم مختار کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ نہیں کر سکیں گے مہلب نے بصرہ اور اہواز کے علاقوں کو خوارج کی تباہ کاریوں سے جن کے مقابلہ میں اہل بصرہ بار بار ناکام ہوئے تھے نجات دلا کر اور ان کے ناقابل تسخیر جانباز دستوں کو ہر جگہ شکست دے کر بڑا نام پیدا کر لیا تھا، مختار کے مقابلہ میں اس جیسے ماہر جنگ اور اس کے وفادار ازدی (مہلب قبیلہ ازد سے تھا اور اپنے قبیلہ والوں کی ایک بہادر فوج تیار کی تھی) فوجوں کا ہونا ضروری تھا اس وقت وہ صوبہ کرمان میں خوارج سے دست و گریباں تھا اور آنا نہ چاہتا تھا مصعب کی تحریک سے محمد بن اشعث (کوفہ کا قبائلی سردار) بنفس نفیس مہلب کو کوفہ کی مہم میں شرکت کی ترغیب دینے گیا مہلب نے تعجب سے پوچھا: "ابو محمد (ابن اشعث کی کنیت جو عربوں میں خطاب احترام تھی) کیا مصعب کو تمہارے علاوہ کوئی پیغامبر نہیں ملا؟" ابن اشعث نے کہا: "اے ابو سعید (مہلب کی کنیہ) بخدا میں بجز اپنی عورتوں اور بچوں کے کسی کا پیغامبر ہو کر نہیں آیا ہوں؟" مہلب[1] اب مجبور ہو گیا اس نے خوارج کے کمانڈر قطری بن فجاءة سے اٹھارہ ماہ کے لئے عارضی صلح کر لی[2] اور اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ بصرہ آ گیا اب مصعب کا کیمپ تیار ہونے لگا اس نے کوفی سرداروں کے مشورہ سے ایک کوفی سردار کو کوفہ کے غیر شیعی عناصر میں ابن زبیر کی خلافت کا اور مختار سے

---

[1] انساب ۲۵۲/۵، طبری ۱۰۴/۷ میں یہ الفاظ ادر ہیں جن کو ہمارے موالی اور غلام ہوئے ہیں۔ [2] تعلیق لیا الاخبار الطوال صفحہ ۲۹۱

لڑنے کا پروپیگنڈہ کرنے بھیج دیا۔

مختار کو جب ان امور کا علم ہوا تو اس نے بجائے اس کے کہ خود اس پر حملہ آور ہو بصرہ پر حملہ کر کے وہاں کی جارحانہ قوت کو توڑنے کا فیصلہ کیا ابن زیاد عراق کی مہم پر مارا جا چکا تھا ابن اُغمر موصل کے صوبہ کا منتظم تھا اس کے ساتھ جو فوج گئی تھی وہ کوفہ واپس آ گئی تھی مختار نے شیعوں میں گرمی جنگ پیدا کرنے کے لئے یہ تقریر کی "سچے مذہب والو اور راست بازی کے معاونو، کمزوروں کے مددگارو، اور رسول و آلِ رسول کے شیعو اور انے خدائی فوجدارو جو لوگ تمہاری تلوار سے بچ کر بھاگ گئے اپنے جیسے فاسقوں کے پاس گئے اور ان کو جنگ کے لئے آمادہ کیا تاکہ حق و راستبازی ماری جائے اور جھوٹ و باطل کا بول بالا ہو اور زمین پر اولیائے حق مغلوب ہوں، پس لڑنے کے لئے کمربستہ ہو جاؤ خدا تم پر رحم کرے اور احمر بن شُمیط کی قیادت میں نکل کھڑے ہو۔"

چالیس ہزار شیعوں کا ایک لشکر (اخبار الطوال نے تعداد ساٹھ ہزار دی ہے) احمر بن شمیط کوتوال شہر ابن کامل اور کیسان ابو عمرہ (کمانڈر محافظ دستہ) کی کمان میں بصرہ کی طرف روانہ ہوا اور مقام مذار پر کیمپ کیا مصعب کی فوجیں جن کے دو ممتاز جنرل مہلب متوفی ۸۲ھ اور احنف بن قیس متوفی ۷۱ھ تھے مذار کے قریب فروکش ہوئیں پھر دونوں لشکر دست و گریبان ہوئے، مختار کی فوجوں کو شکست ہوئی ان کے کمانڈر احمر بن شمیط اور ابن کامل مارے گئے شکست خوردہ فوج کوفہ کی طرف بھاگی، مصعب نے ان لوگوں کو للکارا جو کوفہ سے بھاگ کر آئے تھے: "جاؤ اپنا انتقام لو! اور وہ ہر طرف سے شیعوں پر ٹوٹ پڑے ان کے علاوہ مصعب نے تیز گام رسالے مفرورین کے تعاقب میں بھیجے جنہوں نے بری طرح ان پر چھاپے مارے نتیجہ یہ ہوا کہ چالیس یا ساٹھ ہزار میں سے گھوڑ سواروں کی ایک مختصر جماعت کوفہ پہنچ سکی باقی سب راستہ میں کھیت رہے۔

جنگ مذار نے مختار کے اقبال کی بنیادیں ہلا دیں اس کو جتنا عسکری نقصان ہوا اس سے زیادہ اس کی اخلاقی حیثیت کو زک پہنچی، اب تک وہ نبی اور غیب دان تھا جس کے تصرف میں مافوق الانسان قوتیں تھیں، فرشتوں کے لشکر جس کے ساتھ لڑتے تھے جس کی بات ہمیشہ صحیح نکلتی تھی، جس کی ڈھائی

لے اخبار الطوال صد ۳۱

قوت و کرامت ناقابل تسخیر خیال کی جاتی تھی، اس نے جب فوج بھیجی تھی تو اپنے الہامی انداز میں پیشین گوئی کی تھی کہ مُصعب کی فوج کو شکست ہوگی اور کرسی کے روحانی معتبروں نے بھی کہا تھا کہ فتح ہوگی مختار کے الفاظ یہ تھے: "قسم ہے اس خدا کی جس نے ابو القاسم رسول اللہ کی کُنیۃ کو عزت عطا کی ابن شمیط سلامتی کے ساتھ بصرہ میں داخل ہوگا، خدا کا یہ فیصلہ اٹل ہے، شک کرنے والا نامراد ہوگا، میں نے اس کے ساتھ ایک جھنڈا بھیجا ہے جس کو کسی ہاتھ نے کاتا ہے نہ کسی بُننے والے نے بنا ہے" اس جھنڈے کو اس نے تہ کرکے ایک کپڑے میں باندھ کر مہر لگا دی تھی اور ابن شمیط کو تاکید کی تھی کہ دن کے ایک مقررہ وقت پر اس کو کھولے پھر اس کا پھریرا بنا دے، دشمن اس کی طرف دیکھتے ہی شکست کھاکر بھاگ جائے گا۔[۱]

کمزور طبیعتوں پر جس قدر جلد اعتقاد کا رنگ چڑھتا ہے اس سے زیادہ جلد ڈھل جاتا ہے، اس شکست سے شیعوں پر ایک عام ذہنی اضمحلال طاری ہوگیا، جب شکست کی خبر کوفہ پہنچی تو بعض فارسی معتقدین نے آپس میں بزبان فارسی کہا: "این بار دروغ گفت" یعنی اس بار تو مختار کی پیشین گوئی جھوٹی نکلی۔[۲]

خود مختار کو اقبال کا تارہ غروب ہوتا نظر آنے لگا لیکن وہ بڑے دل گردے کا آدمی تھا، جب اس کو جنگ کی تباہی کی خبر پہنچی تو اس کے پاس اس کا ایک دوست، ہم وطن اور ہم قبیلہ (ابن ابی عمیر الثقفی) بیٹھا ہوا تھا، مختار نے اس کے کان میں کہا: "بخدا میں نے غلاموں کو (موالی و غلام جو جنگ مذار میں کام آئے) اس طرح قتل کیا ہے کہ اس کی مثال آج سے پہلے نہیں سنی گئی پھر اس نے ایک ایک کرکے اپنے کار آزمودہ عرب جنرلوں مثلاً احمر بن شمیط اور ابن کامل کے نام لئے اور نہایت حسرت سے کہا کہ ان میں سے ہر ایک جنگ میں بڑے بڑے دستوں پر بھاری تھا، دوست نے کہا: "واقعی یہ مصیبت بڑی ہولناک ہے" مختار فلسفی کے انداز میں بولا: "موت تو آکر رہے گی میں نہیں سمجھتا ابن شمیط کی موت سے زیادہ اچھی موت ہو سکتی ہو، شریفوں کی موت کا کیا کہنا":

مختار نے آخری مقابلہ کی تیاری شروع کردی: قلعہ اور مسجد جامع کو خوب مستحکم کیا، از سر نو ایک

---

[۱] انساب ۵/۲۵۵ [۲] طبری ۱۴۱/۷ [۳] انساب ۵/۲۵۴

دوسری فوج مسلح کی اور سامان خورد ونوش اور ہتھیاروں کے ذخیرے جمع کئے مصعب نے جنگِ مذار سے فارغ ہونے کے بعد اپنی افواج کو چند سے آرام کا موقع دیا پھر راہ آب کوفہ کا رخ کیا مختار کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے دشمن کی تیز حرکت کو روکنے کی ایک تدبیر نکالی اس نے دجلہ کے بالائی حصے پر ایک ڈام بندھوا کر پانی کا رخ بدل دیا، دریا کی زیریں حصے میں کشتیاں پانی رک جانے کی وجہ سے دلدل میں پھنس گئیں اور ان کی پیشقدمی رک گئی لیکن یہ تدبیر زیادہ مؤثر ثابت نہیں ہوئی جہاں ڈام باندھا گیا تھا اس کی حفاظت کا مختار نے کوئی مناسب انتظام نہیں کیا، مصعب نے ایک رسالہ ڈام توڑنے بھیجا اور پھر کشتیاں رواں ہوگئیں، مختار نے کوفہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بمقام حرورار جہاں سب سے پہلے خارجی حضرت علیؓ سے ناراض ہوکر صفین سے واپسی پر فرد کش ہوئے تھے اپنا کیمپ لگایا اور دشمن سے مقابلہ کے لئے اپنی بیس[۱] ہزار فوج کی ترتیب درست کی مصعب نے اپنی فوجیں پانچ حصوں میں تقسیم کیں، کوفہ سے بھاگے ہوئے لوگوں کا محمد بن اشعث کمانڈر تھا دونوں فوجوں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس میں مختار کا نقصان بہت زیادہ ہوا، وہ برابر پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ رات ہوتے ہوتے وہ حدودِ کوفہ میں پہنچ گیا، یہاں اس نے انتہائی بہادری سے مصعب کے اگلے دستوں پر شب خون مارے محمد بن اشعث مارا گیا اور اس کی کمان میں کوفہ کے جو بہادر تھے اکثر کھیت رہے۔ ان معرکوں میں حضرت علیؓ کے لڑکے عمر[۲] بھی مارے گئے ان کا قصہ یہ ہے کہ حجاز سے مختار کے پاس کسی منصب کی خاطر گئے تھے مختار نے نہ جانے کیوں ان کے ساتھ بے التفاتی برتی اور پوچھا ابن الحنفیہ کا سفارشی خط لائے ہو" عمر نے انکار کیا تو مختار نے کہا " جاؤ دفع ہو میرے پاس تمہارے لئے کوئی بھلائی نہیں ہے" عمر غصہ نفرت اور انتقام کا جذبہ لئے ہوئے مصعب سے جا ملے، مصعب نے ان کی بڑی خاطر تواضع کی ایک لاکھ درہم کا عطیہ دیا، عمر کی وفاداریاں کلیۃً مصعب کے ساتھ ہوگئیں. مختار کی فوجوں سے لڑتے ہوئے انھوں نے جان دی[۳]۔

رات کے پردہ میں مختار کی فوجیں میدان سے لوٹ آئیں. اس کے ساتھیوں کے حوصلے پست

۱؎ یہ تعداد طبری ۱۶۰/۷ نے واقدی کی شہادت پر دی ہے ۲؎ انساب ۲۶۰/۵ نے عمر کی جگہ عبیداللہ نام دیا ہے طبری ۱۶۰/۷ نے بھی عبیداللہ لکھا ہے ۳؎ اخبار الطوال ص ۳۱۳

ہو چکے تھے اپنی قوت کارکردگی اور مختار کی غیب دانی سے ان کا اعتقاد ہٹتا جارہا تھا بصرہ کی فوجیں جب اپنے کیمپ لوٹ گئیں تو انھوں نے مختار کو محصور ہو کر لڑنے کا مشورہ دیا اس نے کہا میں محل چھوڑ کر اس لئے نہیں آیا ہوں کہ محل میں محصور ہو جاؤں، تاہم چونکہ دشمن پیچھے ہٹ گیا ہے چلو محل چلیں، مختار نے محسوس کر لیا کہ میری فوج کا دم خم ختم ہو چکا ہے۔

مصعب نے قلعہ کا محاصرہ کر کے شہر کی ناکہ بندی کر لی، اور سامان خورد و نوش کی محل میں درآمد پر کڑا پہرہ لگا دیا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ یا تو مختار بلا شرط ہتھیار ڈال دے یا اس کو اور اس کی فوجوں کو بھوکا مار ڈالا جائے شہر کے لوگ دریائے فرات کا پانی پیتے تھے کنووں کا پانی کھاری تھا پانی کی روک سے محصورین کی حالت نازک ہوتی گئی ایک مشک پانی کی قیمت ایک اور دو دینار تک پہنچ گئی، مختار روز محل سے نکل کر معمولی جھڑپیں کر کے لوٹ جاتا جب وہ اور اس کے دستے باہر نکلتے تو اہل کوفہ چھتوں پر سے ٹھیکرے، کوڑا اور گندگیاں پھینکتے اور یا ابن دومۃ (مختار کی ماں کا نام دومۃ تھا) یا ابن دومۃ کی آوازیں لگاتے طبری کہتا ہے کہ اہل قلعہ بھوکوں مرنے لگے۔

چالیس دن تک مختار محصور رہا اس کی فوج میں دشمن کے مقابلہ کی تاب نہ تھی، وہ بہت کوشش کرتا تقریریں اور اپیلیں کرتا، عزت و شرافت کا واسطہ دیتا لیکن ان میں حرارت جنگ پیدا نہ ہوتی عقیدت کا وہ جادو جو ان کی قوت ارادی پر حکمراں تھا بے اثر ہو چکا تھا، جب وہ ان کی طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے خود دشمن سے لڑتے ہوئے جان دینے کا عزم کر لیا اس نے اپنی بیوی سے جو غالباً شہر میں تھی اپنے کفن کا سامان منگوا بھیجا، غسل کیا، جسم اسر اور ڈاڑھی میں خوشبو لگائی اور انیس[1] یا بیس آدمیوں کے ساتھ محل سے نکل پڑا، چلنے سے پہلے اس نے اپنے ایک مخلص ساتھی سائب سے کہا "چلو خاندانی شرافت کے لئے لڑیں" سائب نے تعجب سے پوچھا "لوگ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ نے دین کی خاطر اہل بیت کی دعوت دی ہے" مختار نے کہا "میری جان کی قسم یہ بات نہیں ہے اہل بیت کی دعوت میں نے دنیا کی خاطر دی ہیں نے دیکھا کہ عبد الملک شام پر، ابن زبیر حجاز پر، مصعب بصرہ پر، نجدہ یمامہ

---

[1] طبری ۱۱۰/۶ بروایت واقدی چالیس دن تک بجائے چار ماہ کی مدت بیان کرتا ہے۔

پر (حسین کے قتل کے بعد نجدہ یمامہ پر قابض ہوگیا تھا طبری ۶/۳) پر قابض ہوگئے ہیں تو میں نے بھی ان کی تقلید کی کیونکہ میں ان میں سے کسی کے مقابلہ میں کم نہیں ہوں لیکن مجھے اپنے مقصد کے حصول میں انتقام حسین کی تحریک چلائے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی تھی۔[1]

یہ راز حبس کے پردہ میں اس نے اپنے اقتدار کی تعمیر کی تھی منکشف کرکے اس نے گھوڑا اور زرہ بکتر منگوایا، زرہ بکتر پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا اور حکم دیا کہ قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے بعض مورخ (مثلاً طبری ۱۵۵/۶) کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ صرف انیس[2] جانباز نکلے تھے مصنف اخبار الطوال کہتا ہے یہ چھ ہزار* سے زیادہ تھی (یعنی کل فوج) جو دشمن کا تھوڑی دیر مقابلہ کرکے قلعہ میں بھاگ گئی اور مختار کے ساتھ اس کے محافظ دستہ کے تین سو آدمی رہ گئے، مصعب کا ایک رسالہ مختار اور قلعہ کے درمیان حائل ہوگیا اور وہ زیر دیوار قلعہ لڑتا ہوا مارا گیا۔ ۱۴ ر رمضان ۶۷ھ بقول طبری اور ۶۹ھ بقول مصنف انساب الاشراف۔

وہ چھ ہزار جو مختار کو چھوڑ کر قلعہ میں بھاگ گئے تھے دو[3] ماہ تک محصور رہے یہاں تک کہ کھانے پینے کا سامان بالکل ختم ہوگیا۔ وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالنے کے لئے تیار تھے کہ ان کی جان بخش دی جائے لیکن جان بخشی عربی دستورِ انتقام کے خلاف تھی ان سے بلا شرط ہتھیار رکھنے کا مطالبہ کیا گیا، بھوک سے مجبور ہوکر ان کو ایسا ہی کرنا پڑا۔ ان میں دو ہزار عرب (طبری ۱۶۰/۶ بتصریح واقدی تقریباً سات سو تھے اور چار ہزار غیر عرب، مصعب چاہتا تھا کہ عربوں کو معاف کردیا جائے اور غیر عربوں کو مار ڈالا جائے اس نے اس باب میں احنف بن قیس (قبیلۂ تمیم کا عاقل ترین عرب جو بصرہ کی فوجوں کے ساتھ کمانڈر کی حیثیت سے آیا تھا) سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ سب کو معاف کردو کیونکہ خدا ترسی کا مقتضا یہی ہے[4] لیکن عام عربوں اور بالخصوص کوفہ کے ان عربوں نے جو مختار سے بھاگ کر بصرہ چلے گئے تھے اور جن کا خون انتقام کی گرمی سے کھول رہا تھا اس مشورہ کی سخت مخالفت کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ اگر

---

[1] اخبار الطوال ص ۳۱۳ [2] یہ روایت اخبار الطوال کی ہے، طبری ۱۵۶/۶ کی تصریح کے مطابق مختار کے قتل کے دوسرے دن ہی اہل قلعہ نے ہتھیار ڈال دئے تھے * مصنف الامامہ والسیاسہ نے (۲۲/۲) ان کی تعداد آٹھ ہزار دی ہے [3] اخبار الطوال ص ۳۱۵

ہماری وفاداری عزیز ہے تو ان کو نہ تیغ کر دیا جائے - چنانچہ ان کی گردن مار دی گئی۔

اب مصعب مختار کے گھر والوں کی طرف متوجہ ہوا، مختار کی ایک لڑکی کے علاوہ جس کے سر پر ہاتھ پھیر کردہ صلی اللہ علیہا المسیح کہا کرتا تھا اور کسی اولاد کا مورخوں نے ذکر نہیں کیا اس کی دو بیویاں تھیں ایک سمرة ابن خباب کی بیٹی تھی، دوسری نعمان بن بشیر انصاری کی جن کو حضرت حسن سے مصالحت کے بعد معاویہ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا ان دونوں سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ مختار کے جھوٹا و مفتری ہونے کی شہادت دیں سمرہ کی لڑکی ام ثابت نے یہ شہادت دے دی لیکن دوسری بیوی عمرہ نے انکار کر دیا اور کہا میں تو کہتی ہوں وہ خدا کے نیک بندوں میں سے تھا، اس کو قید کر دیا گیا مصعب نے اپنے بھائی خلیفہ ابن زبیر کو لکھا کہ وہ مختار کو نبی کہتی ہے ابن زبیر نے اس کے قتل کا حکم لکھ بھیجا چنانچہ رات کے وقت کوفہ سے باہر ایک سپاہی نے اس پر تلوار کے تین وار کر کے مار ڈالا، ہر وار پر وہ چیختی "ہائے میرے ابا، ہائے میرے رشتہ دارو"[1]

مختار کی خارجی سیاست

ہم اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ایک بار مشہور دانائے سیاست مغیرہ نے مختار سے کہا تھا کہ ایک سمجھدار معاملہ فہم شخص کے لئے اقتدار حاصل کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ خلافت اور انتقام اہل بیت کی تحریک چلائے اور اس میں کامیابی کے لئے موالی کو استعمال کرے[2]۔ یہ الفاظ مختار کے دل میں پیوست ہو گئے تھے۔ ہم مختار کی زندگی کے آخری سین میں خود اس کی زبانی پڑھ آئے ہیں کہ اس کا مقصد جاہ طلبی تھا اور اہل بیت کی تحریک اس مقصد کو حاصل کرنے کا ایک مضبوط آلہ کار تھی اس تحریک کے پردہ میں اس کے تقدس کو بڑھانے اور سادہ طبیعت لوگوں کے اعتقاد و مذہبی جوش کو کلیتہً اپنے مقصد کا وفادار بنانے کے لئے اس نے جو روحانی بہروپ اختیار کیا اس کا تذکرہ بھی ہو چکا ہے اس کی خارجی سیاست میں بھی اس کی اس پالیسی کے سارے خد و خال نمایاں ہیں ذیل میں ہم ابن الحنفیہ، ابن الزبیر، اہل بصرہ اور شام سے اس کے تعلقات بیان کر کے اس کی ان جنگوں کا ذکر کریں گے جو اٹھارہ ماہ کے مختصر دورِ اقتدار میں جیسا کہ طبری وغیرہ کی رائے ہے یا ساڑھے تین سال میں جیسا کہ مصنف انساب الاشراف کا خیال ہے[3]

---

[1] قبائلی سردار جس کو حکومت کی طرف سے کئی معزز عہدے ملے تھے [2] انساب ۲۶۴/۵، طبری ۱۰۸/۶ [3] انساب ۲۲۴/۵

اس کو پیش آئیں۔

(الف) مختار کے ابن الحنفیہ سے تعلقات

مختار اہل بیت کی تحریک چلانے جب مکہ سے کوفہ روانہ ہوا تو حضرت حسین کے چھوٹے بھائی ابن الحنفیہ (متوفی ۸۱ھ) سے جو جنگ کربلا میں شریک نہیں ہوئے تھے ملا اور ان سے کوفہ کے شیعوں میں تحریک انتقام و خلافت اہل بیت چلانے کی اجازت مانگی لیکن ابن الحنفیہ نے جو اپنے باپ اور بھائیوں کی سیاسی ناکامیوں کے پیش نظر سیاسی معاملات سے کنارہ کش ہو گئے تھے مختار کو ایک مبہم جواب دیا جس سے اجازت کی تصریح نہیں ہوتی تھی پھر اس کی دعوت کے دوران میں کوفہ کے قرّاء یعنی قرآن خوانوں کا ایک وفد ابن الحنفیہ سے تحریک مختار کی تصدیق کرنے جب آیا تب بھی انھوں نے اس تحریک کی صاف صاف تائید نہیں کی بلکہ حسب سابق ابہام سے کام لیا اور گو کہ اس وفد نے مختار اور اہل کوفہ کے سامنے غلط بیانی کی مختار کو حقیقت کا پتہ چل گیا تھا ابن الحنفیہ کی اس بے التفاتی سے اس کو ڈر تھا کہ نہ جانے کس وقت اور کس مرحلہ پر ان کی طرف سے مخالفت ہو جائے یا وہ کوئی ایسی بات کر دیں جس سے اس کی تحریک اور اس پوزیشن کو جو ان کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل تھی کوئی نقصان پہنچ جائے اس لئے کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد اس نے اپنی تحریک کا مرکز ثقل ابن حنفیہ کی جگہ حضرت حسین کے لڑکے علی کو بنانے کی کوشش کی چنانچہ اس نے بہت سارا روپیہ اور تحفے ان کو بھیجے اور ایک دل موہ لینے والا خط لکھا جس میں اس نے کہا میں آپ کی خلافت کا چرچا کر رہا ہوں، میں آپ کا نہایت مخلص وفادار ہوں اور اگر آپ اجازت دیں تو آپ کے ایجنٹ کی حیثیت سے آپ کے لئے بیعت خلافت لے لوں علی اس کی پالسی سے اور مقاصد سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے انھوں نے نہ تو اس کے تحائف قبول کئے نہ خط کا جواب دیا بلکہ مسجد نبوی میں جا کر برملا اس کو گالیاں دیں، اس کو کذّاب و فاجر کہا جس کا مقصد اہل بیت کی محبت کے دعووں سے دنیا طلبی تھا۔

جب مختار علی سے مایوس ہو گیا تو اس نے ابن الحنفیہ کو تحفے تحائف اور روپئے بھیجے اور اسی قسم کا خط ان کو بھی لکھا جیسا کہ علی کو لکھا تھا اور خلافت کے خوشنما وعدوں سے ان کی اخلاقی و عملی تائید چاہی،

لیکن علی ابن الحنفیہ کے آڑے آئے اور کہا: یہ اس کی چالیں ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو اپنا مطیع بنانا چاہتا ہے اس کا ظاہر باطن ایک نہیں ہے بلکہ وہ تو اہل بیت کا دشمن ہے اور ضروری ہے کہ اس کی مکاری کا پول کھول دیا جائے اور علی الاعلان لوگوں کو اس کے ہتھکنڈوں سے باخبر کر دیا جائے،" ابن الحنفیہ مشورہ کے لئے ابن عباس سے ملے، ابن عباس (متوفی ۶۹ھ) حضرت علیؓ کے پونے پانچ سالہ دور خلافت میں بصرہ کے گورنر رہے تھے، دور اندیش آدمی تھے، ابن الحنفیہ نے ان سے مختار کی پیشکش اور علیؓ کی مخالفت کا تذکرہ کیا، ابن عباس نے کہا: "تم ہرگز مختار کی مخالفت کا کلمہ زبان سے نہ نکالنا تمہیں کیا معلوم ابن زبیر (جنہوں نے مکہ میں اعلان خلافت کر دیا تھا) سے تمہاری کس طرح بنتی ہے"؛ ابن الحنفیہ نے اس رائے پر عمل کیا اور مختار کے خلاف علی بن حسین کی تجویز کے علی الرغم برملا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا۔[1]

ابن عباس کا مشورہ مختار کے دل کی آواز تھا وہ یہی چاہتا تھا کہ ابن الحنفیہ اس کے خلاف کچھ نہ کہیں اور وہ ان کے نام سے اپنی امنگوں کی تعمیر کرتا رہے تاہم وہ برابر ان کو خوش کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس مشورہ کے لئے ابن عباس کا وہ تہ دل سے ممنون تھا وہ اہل بیت سے تھے (۱۳۲ھ ان کے خاندان نے بنو امیہ سے سیاسی اقتدار چھین کر عباسی خلافت قایم کی) جن کی اہمیت مذہبی و اجتہادی امور میں بالخصوص مسلم تھی اس لئے مختار کو ان کی اخلاقی تائید بھی عزیز تھی، وہ ابن الحنفیہ کی طرح ان کو بھی باقاعدگی کے ساتھ تحفے تحائف بھیجنے لگا،[2] اور اس کو ان کی اخلاقی تائید ہمیشہ حاصل رہی اس کی شہادت اس واقعہ سے ملتی ہے کہ اس کی موت کے بعد ابن زبیر نے جب فاتحانہ انداز سے اس کے قتل کا ان سے ذکر کیا تو ان کے خد و خال غم آلود ہو گئے؛ ابن زبیر نے کہا تم کو ابن ابی عبید کے قتل کا افسوس ہے، تمہارے خیال سے وہ کذاب نہ تھا؟ ابن عباس نے جواب دیا ہم تو یہ نہیں کہہ سکتے وہ ہمارے دشمنوں سے لڑا ان سے ہمارے خون کا بدلہ لیا اور ہمارے دلوں کی آگ بجھائی؛ یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ ابن زبیر اور اہل بیت میں سیاسی و خاندانی دشمنی تھی

---

[1] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۹۔۱۵۵/۱ [2] انساب ۲۷۲/۵ [3] انساب ۲۷۰/۵

اور ہر ایک فریق دوسرے کو مقتدر دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا اس کے بعد ابن زبیر کے لڑکے عروہ کی ابن عباس سے ملاقات ہوئی تو اس نے شان سے کہا: ابن عباس آپ کے رب نے جھوٹے مختار کو غارت کر دیا اور اس کا سر آگیا ہے ابن عباس نے طنز سے کہا: ابھی ایک گھاٹی تمہارے لئے باقی ہے (اشارہ عبدالملک بن مروان کی طرف ہے جو دمشق میں خلیفہ تھا) اگر تم اس کو پار کرلو تو بس تم ہی تم ہوگئے ایک دوسری روایت میں ہے کہ ابن عباس کی موجودگی میں جب کسی نے مختار کا ذکر کیا تو انھوں نے یہ دعا دی صلی علیہ الکرام الکاتبون۔[1]

اپنی مختصر درخشندگی کے زمانہ میں وہ بظاہر ابن الحنفیہ کا وفادار رہا ان کی ذات میں تحریک کا مرکز ثقل اور اپنی کا سپاہیوں کا محور تھا وہ بے ضرر تھے کیونکہ سیاست سے انھوں نے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی، اس نے امام مہدی، وصی بن وصی اور نبی کے بعد بہترین بشر کے لڑکے کے رعب دار اور اچھوتے القاب دے کر ان کے ذریعہ ابن الحنفیہ کا دل موہ لیا اور شیعوں کی وفاداری پر مہر عقیدت لگا دی۔ اپنی سیاسی وخانگی پابندگی کے لئے ان کی خوشنودی اس کو اتنی عزیز تھی کہ ایک موقع پر جب اس کو معلوم ہوا کہ ابن الحنفیہ نے کہا کہ مختار اہل بیت کا دوست بنتا ہے حالانکہ ان کے قاتل اور دشمن اس کی خدمت میں ہیں اور شہر میں بے خطر کاروبار کرتے ہیں تو وہ شیعوں کی عقیدت مندی کو برقرار رکھنے کے لئے گرجا: میرے اوپر کھانا پینا حرام ہے اگر قاتلین حسین میں سے کسی کو زمین پر زندہ رہنے دوں اور بڑی سرگرمی سے قاتلین حسین کی مہم شروع کردی، اس کو اپنا وہ سنگین عہدنامہ توڑنے میں بھی تامل نہ ہوا جس کے ذریعے اس نے عمر کو امان جان ومال دی تھی اس کے خیال میں ابن الحنفیہ کو خوش رکھنے اور اپنی وفاداری مبرہن کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اس شخص کا سر کاٹ لیا جائے جس کے ہاتھ میں جنگ کربلا کی کمان اعلیٰ تھی اور وہ سعد بن ابی وقاص کے صاحبزادے عمر تھے عمر کا سر اتار لیا گیا اور ان کے لڑکے حفص کا بھی، یہ دونوں سر مہدی بن مہدی کی خدمت میں بھیجے گئے اور ذیل کا خط جو اس کی انتقامی مہم کے بارے میں تھا "اے مہدی اللہ نے مجھے آپ کے دشمنوں پر بلائے بے درماں

---

[1] انساب ۲۶۵/۵ [2] انساب ۲۶۶/۵

بنا کر بھیجا ہے وہ یا تو مارے گئے یا گرفتار ہیں یا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے اس خدا کا شکر ہے جس نے
آپ کے قاتلوں کو قتل کیا اور آپ کی خدمت کرنے والوں کو نصرت دی عمر بن سعد اور اس کے لڑکے
کا سر آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں اہل بیت کے قتل کرنے یا ان سے لڑنے والوں میں سے جو جو ہمارے
ہاتھ آیا ہم مار چکے ہیں اور جو بچ گئے ہیں وہ بھی ضرور ہمارے قبضہ میں آکر رہیں گے میں اس وقت تک
ان کا پیچھا نہیں چھوڑوں گا جب تک مجھے پورا اطمینان نہ ہو جائے کہ روئے زمین پر ان میں سے کوئی
متنفس باقی نہیں رہا۔ اے مہدی آپ اپنی صوابدید سے مجھے مطلع کیجئے گا میں اس پر عمل کروں گا۔[1]

عمر اور اس کے لڑکے حفص کے سر کے علاوہ عبید اللہ بن زیاد (جس کے حکم سے جنگ کربلا
لڑی گئی تھی) کا سر بھی مختار نے ابن الحنفیہ کی خدمت میں بھیجا۔ ابن زیاد نے عبد الملک کے حکم سے
کوفہ پر چڑھائی کی تھی اور مختار کی فوجوں سے جن کی کمان ابن اشتر کے ہاتھ میں تھی لڑتا ہوا رمضان
سنہ ۶۶ھ میں مارا گیا تھا، جنگ کربلا کے مجرموں میں شمر بن ذی جوشن صف اول میں تھا، مختار کے
جوشیلے دستوں نے اس کا کھوج بھی لگا لیا وہ لڑتا ہوا البصرہ کے قریب مارا گیا، اس کا سر بھی
ابن الحنفیہ کو بھیج دیا گیا۔

ابن الحنفیہ سے اس کی ڈپلومیٹک وفاداری کی چند مزید مثالیں ملتی ہیں اسے اگرچہ کوفہ کی
حکومت اہل بیت کی خلافت کی تحریک سے حاصل تھی اور شیعوں کے سامنے ابن زبیر کی وفاداری
یا طرفداری کا کبھی نام بھی نہیں لیا تاہم کامیابی کے ابتدائی ایام میں مخفی طور پر وہ ابن زبیر سے اپنی
وفاداری اور دوستی کا اظہار کرتا تھا۔ ابن مطیع کو نکالنے کے بعد اس نے ابن زبیر کو ایک خط لکھا
جس میں ابن مطیع پر عبد الملک سے ساز باز کرنے کا الزام لگا کر کہا کہ میں نے آپ کے خیر اندیشی کے
طور پر کوفہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ابن زبیر کوفہ یا عراق کی حکومت اس کو دے دے
ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ مختار نے ابن زبیر کی بیعت اس شرط پر لی تھی کہ خلیفہ ہونے پر وہ سب
سے بڑا منصب اس کو دے گا اور یہ منصب غالباً کوفہ یا عراق کی گورنری تھی (اس سلسلہ میں مزید

---

[1] طبری ۸ - ۱۲۷

بصیرت، مختار و ابن زبیر کے تعلقات کے ذیل میں حاصل ہوگی) ابن زبیر نے اس کی وفاداری کا امتحان لینے کے لئے اپنی طرف سے کوفہ کا ایک گورنر نامزد کر کے بھیجا لیکن مختار نے ایک چال چل کر (جس کا مفصل ذکر ابن زبیر کے ساتھ اس کے تعلقات کے ضمن میں آئے گا) اس کو دفع کیا کچھ عرصہ بعد شامی فوجیں ابن زیاد کی قیادت میں عازمِ عراق ہوئیں تو اس کو فکر ہوئی کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے نامزد گورنر کو دفع کرنے کی پاداش میں ابن زبیر اس کو سزا دینے بصرہ یا مدینہ کی طرف سے کوئی فوج بھیج دے اور اس کو دو مورچوں پر لڑنا پڑے اس وقت ابن زبیر کے خطرہ کی وجہ سے پوزیشن بھی کمزور تھی اور مختار اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا چنانچہ اس نے لکھا مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبدالملک نے حجاز پر چڑھائی کر دی ہے اگر آپ پسند کریں تو میں فوج بھیج کر آپ کی مدد کر دوں۔"

ابن زبیر نے جواب میں لکھا: "اگر تم میرے وفادار و مطیع ہو تو میں اس بات کو ناپسند نہیں کروں گا کہ تم میرے ملک میں اپنا لشکر بھیج دو بشرطیکہ تم اپنے شہر کے لوگوں سے میری بیعت لے لو، جب اس بیعت کی اطلاع مجھے مل جائے گی تب ہی میں تم کو سچا سمجھوں گا اور تمہارے ملک پر فوج کشی سے باز رہوں گا تم وہ لشکر بہت جلد بھیجو جس کو تم بھیجنا چاہتے ہو اور اس کو ابن مروان (عبدالملک) سے مقابلہ کے لئے وادی القریٰ جانے کا حکم دو جہاں وہ فروکش ہے۔"[1]

مختار نے ایک عسکری اسکیم تیار کی جو اگر کامیاب ہو جاتی تو اس کے بڑے دور رس نتائج ہوتے اس نے اپنے ایک معتبر ہمدانی شیعہ (شراحبیل بن ورس) کی قیادت میں تین ہزار کا لشکر جس میں سوائے سات سو عربوں کے سب موالی تھے وادی القریٰ بھیجنے کی بجائے جہاں شامی فوجیں حملہ کی تیاری کر رہی تھیں سمت مدینہ روانہ کیا، اس کا مقصد جیسا کہ بعض مورخوں نے اشارہ کیا ہے خود حجاز پر قبضہ کر کے شامی فوجوں کا مقابلہ کرنا تھا اس کی اسکیم یہ تھی کہ مدینہ پر قبضہ کر کے اور وہاں اپنا ایک نمائندہ مقرر کر کے فاتح لشکر مزید رسد اور ہتھیاروں کے ساتھ مکہ کا محاصرہ کرنے بھیجے گا ابن زبیر کو اس کی عیاریوں کا تجربہ تھا وہ اسکیم کو تاڑ گئے، اس کا کامیابی سے مقابلہ کیا (اس کی تفصیلات مختار ابن زبیر کے تعلقات کے ذیل میں آئیں گی) مختار کا لشکر برباد ہوا، کمانڈر مارا گیا چھوٹی سی ایک جمعیت تباہی کی خبر دینے کو فہ پہنچی مختار نے یہ فوج بھیجتے وقت جیسا کہ ظاہر ہے شیعوں پر ظاہر کیا تھا کہ ابن زبیر کو شکست دینے اور ابن الحنفیہ کو خلیفہ بنانے بھیجی

[1] لشکر ابن زیاد کی قیادت میں موصل دکو فتح کرنے اور دوسرا حجاز فتح کرنے روانہ کیا گیا۔ طبری ۱۳۲/۷ تک انساب ۲۲۲/۵

تاریخی حقائق

بعض سلاطین اندلس و بغداد کے شخصی حالات زندگی!

(۲)

"کہ وہ اپنے اہل و عیال کے لئے بیت المال سے نئے کپڑے بنوانے سے بھی احتراز کرتا تھا، ایک مرتبہ اپنے اہل وعیال کے کپڑوں میں پیوند لگوانے کے متعلق درزی سے مشورہ کر رہا تھا، اتنے میں شاہزادہ مہدی وہاں آپہونچا، مہدی رقعہ دوزی میں کسرشان سمجھکر کہنے لگا، امیرالمومنین اس سال گھر والوں کے کپڑے میں اپنی تنخواہ سے بنوا دیتا ہوں، آپ پرانے کپڑے کو رہنے دیجئے، منصور نے اس تجویز کو تو منظور کر لیا، لیکن اموال مسلمین سے اپنے اہل وعیال کے لئے نئے کپڑے بنوانے منظور نہ کئے"

اسی منصور کا واقعہ ہے کہ ایک دن ان کی لونڈی کہنے لگی دیکھو تو امیرالمومنین ہو کر پھٹی اور پیوند لگی قمیص پہنتے ہیں، کسی اور نے طعن سے یہ کہا "خدا کی قدرت ہے کہ اس نے خلیفہ منصور کو بادشاہت کے باوجود افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے"

یہ بخل کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ حق المسلمین کی وجہ سے، ورنہ یہی خلیفہ منصور ہے جس نے قاضی مدینہ کو اس صلہ میں پچاس ہزار روپے عطا کئے تھے کہ اس نے خلیفہ کے مقابلہ میں شتربانوں کے حق میں فیصلہ دیا تھا جو عقل و انصاف کا تقاضہ تھا، اسی طرح امام مالک رح کی خدمت میں انھوں نے چھ ہزار دینار سے زیادہ نذرانے پیش کئے اور اسی قدر آپکے صاحبزادہ اور ابن سمعان کو بھی مرحمت فرمایا تھا، حاجتمندوں نے بھی منصور سے بہت کچھ پایا، اور شعراء

بھی محروم نہ رہے،

منصور عباسی کا انصاف وعدل تاریخ میں مشہور ہے، اگر دشمن کے متعلق معلوم ہوجاتا کہ وہ یہ کام نیک نیتی سے کرتا ہے تو اس کو معاف کر دیتا بلکہ اس کی قدر کرتا، ایک دفعہ عامل ہمدان کو لکھ بھیجا کہ ابونصر کو قتل کر دو۔ اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے سلطان کے دشمن کی امداد کی تھی مگر کسی طرح بچکر دارالخلافہ میں پہونچ گیا۔ تو

"خلیفہ اس کو ملامت کرنے لگا کہ تم نے ابومسلم کو خراسان جانے کا کیوں مشورہ دیا، ابونصر عرض پیرا ہوا، امیرالمومنین! واقعی ابومسلم نے مجھ سے صلاح لی تھی اور میں نے اسے نیک مشورہ دیا تھا، اور ہر مسلمان کا فرض ہے، کہ جب کوئی اس سے صلاح پوچھے تو اس کو نیک نیتی کے ساتھ ایسی صحیح رائے دے جو اس کے مآل کے لئے بہتر ہو۔ اگر امیرالمومنین بھی کسی امر میں مجھ سے مشورہ کریں تو میں نیک اور خیرخواہانہ مشورہ سے دریغ نہ کروں گا، گو میرا مشورہ امیرالمومنین کے اغراض ومفاد کے خلاف تھا لیکن اس شخص کے لئے تو سودمند ہی تھا، جس نے میری رائے دریافت کی تھی، منصور نے یہ سُنکر نہ صرف اس کی جرم بخشی کر دی بلکہ اس کو بدرجہ کمال عواطفِ خسروی سے ممتاز فرمایا، اور اس کے خلوص نیت پر اتنا خوش ہوا کہ اس کو ولایت موصل کا گورنر بناکے بھیج دیا"[1]

حق یہ ہے کہ منصور نے انصاف کا حق ادا کر دیا، اس واقعہ میں موجودہ حکام، وزراء، اور افسران حکومت کے لئے بڑی بصیرت ہے، کاش وہ حاصل کریں، کسی بھی ملک کے حکمراں کی یہ صفت اس کی حکومت کی ترقی وعروج کی ضامن ہوسکتی ہے،

"نمیر مدنی کا بیان ہے کہ جن دنوں منصور مدینہ منورہ آیا، محمد بن عمران طلحی وہاں کے قاضی اور میں ان کا محرر تھا، چند شتربانوں نے کسی معاملہ میں خلیفہ پر نالش کر دی، قاضی محمد نے مجھے حکم دیا کہ امیرالمومنین منصور کے نام

[1] خلافت بنی عباس اول صفحہ ۱۲۰ و صفحہ ۱۲۹

حاضریِ عدالت کا حکم جاری کرو" تاکہ مدعیوں کی داد رسی کی جائے" میں نے
خلیفہ کو سمن بھیجنے سے معذرت چاہی، مگر قاضی صاحب نے اس پر اپنی مہر لگائی
اور مجھ سے فرمایا، کہ اس حکم کو امیرالمومنین کے پاس تم خود لے جاؤ، چنانچہ
میں روانہ ہوا، جب منصور کے پاس حاضر ہو کر یہ حکم دکھایا، تو معاً دربار میں کھڑا
ہو گیا، اور حاضرین سے کہنے لگا، کہ میں عدالت میں طلب ہوا ہوں تم میں سے
کوئی شخص مرے ساتھ نہ آئے، پس خلیفہ اور میں دارالقضاۃ میں پہونچے، قاضی صاحب
تعظیم کے لئے نہ اٹھے، بلکہ اپنے جبہ کو اچھی طرح پھیلا دیا اور بڑے استقلال کے
ساتھ بیٹھے رہے، پھر مدعی کو بلایا، اور ثبوت لے کر خلیفہ کے خلاف مقدمہ
کا فیصلہ کر دیا" [1]

کہاں ہیں کمیونزم کے پرستار، غور کریں، اس طرح کا انصاف وہ کرا سکتے ہیں، اور کسی
مدعیِ جمہوریت کو تو اس عدل کا وہم بھی نہیں ہو سکتا ہے، حکومت کا نظام عدل صحیح معنی میں یہی تھا، جہاں
کسی کی پرواہ نہ ہوتی تھی، حق برملا کہا جاتا تھا، کوئی یہ خیال نہ باندھے کہ منصور نے آگے چل کر
قاضی صاحب سے بدلہ وصول کیا ہوگا یا شتربانوں کو پھنسا کر پریشان کیا ہوگا، ایسی بات ہرگز نہ ہوئی بلکہ
فیصلہ سن چکنے کے بعد منصور کی زبان پر یہ کلمات تھے "خدا تمھیں اس انصاف پسندی کا اجر دے" اور
خوش ہو کر قاضی کو دس ہزار دینار دیئے"

قاضی (جج) بھی اُس زمانے کے واقعی قاضی ہوتے تھے، کبھی کسی کی پرواہ نہ کی، ایک دفعہ
منصور نے آزمائش کے طور پر لکھ بھیجا کہ فلاں مقدمہ میں فوجی افسر کے حق میں فیصلہ دو، قاضی نے صاف
انکار کر دیا کہ یہ مجھ سے کبھی بھی نہیں ہو سکتا۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حکومت کے حساب کتاب میں بھی منصور بڑا سخت تھا، بیت المال کا ایک پیسہ بھی
کسی افسر کو معاف نہیں کرتا اس سلسلہ کا ایک واقعہ ملاحظہ کے قابل ہے،

"جب بغداد کی تعمیر ختم ہوئی تو تعمیرات کے افسروں سے حساب لیا گیا۔۔۔

---

[1] ایضاً صا۱۳

ابن صلت کے پاس پندرہ درہم (تقریباً پونے چار روپے) تحویل میں باقی رہے
تھے، چونکہ اس نے یہ رقم ادا نہ کی، اس کو قید کر دیا"[1]

منصور کی زندگی کا یہ واقعہ بھی پڑھنے کے لائق ہے

محمد بن سلیمان عباسی ایک روز بغرض عیادت امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے،
خلیفہ خاص محل میں تھا دیکھا ایک چھوٹا سا کمرہ ہے..... کمرہ میں گیا تو کیا
دیکھتا ہوں کہ صاف زمین پر نہ کوئی فرش ہے اور نہ کوئی پہننے کے کپڑے ہیں،
منصور رونق افروز ہے میں نے عرض کیا بس یہ سامان ہے، فرمایا ہاں"[2]

خلیفہ مہدی المتوفی ۱۶۹ھ ابوجعفر منصور کا فرزند ارجمند تھا، دس سال تک اس نے حکومت کی اور بڑے کروفر سے کی اس نے عدل و انصاف باپ سے ترکہ میں پایا تھا، اس کی زندگی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ آپ دربار میں احکام جاری کر رہے تھے، کہ ایک شخص دفعۃً آیا اور اس نے مہدی سے کہا،

"امیرالمومنین اگر کسی کو کسی کے خلاف شکایت ہو، یا ایک نے دوسرے کا حق چھینا ہو، تو وہ آپ کی خدمت میں فریاد لا سکتا اور اپنے درد کی دوا پا سکتا ہے، لیکن جسے خود امیرالمومنین پر دعویٰ کرنا ہو، فرمائیے، وہ کہاں جائے؟ مجھے آپ کے خلاف استغاثہ کرنا ہے، بتائیے آج میں پیش کروں، یا کل قیامت کے دن مالک یوم الدین کی عدالت میں، جہاں کسی قسم کی طرفداری یا ناطرفداری کی سازش نہ ہوگی، مہدی نے جواب دیا، اگرچہ تمام دنیاوی حاکموں کا سر ہمارے حکم کے سامنے خم ہے، مگر شریعت کے حضور میں ہم بھی سر جھکاتے ہیں، لہذا شریعت کے مطابق فیصلہ ہوگا، اور تم اس دنیا میں انصاف پا سکو گے"

خلیفہ مہدی کا یہ جواب محض زبانی نہ تھا، کہ سائل کی دلدہی ہو جائے، بلکہ یہ کہکر امیرالمومنین مسند خلافت سے اٹھ کھڑے ہوئے، اس شخص کو ہمراہ

[1] خلافت بنی عباس اول صـ۱۲۶ [2] ایضاً صـ۱۴۲

لئے ہوئے، قاضی کی عدالت میں پہونچے، اور اس کے پاس بیٹھ کر بولے اپنا دعویٰ پیش کرو، اس شخص نے قاضی کے سامنے دعویٰ پیش کیا، امیرالمومنین نے جوابدہی کی، اس پر قاضی نے مدعی سے قانونی دستاویز طلب کی، اس شخص نے پیش کی، قاضی نے معائنہ کرکے اس پر حکم لکھا، جو مہدی کے خلاف اور مدعی کے حق میں تھا، خلیفہ نے قاضی کے فیصلہ کے سامنے سر جھکا دیا اور مدعی کا مطالبہ پورا کر دیا۔[1]

خلیفہ ہارون الرشید المتوفی سنہ ۱۹۳ھ دنیا کے اہل علم میں بہت مشہور اور عوام میں تعارف سے بے نیاز ہے اس کے کارنامے تاریخ کی دنیا میں بڑی وقعت سے دیکھے جاتے ہیں، فوج کسی سلطان وقت کو محبوب نہیں ہوتی، کہ یہ حکومت کی جان ہوتی ہے، مگر باایں ہمہ امیرالعسکر شاہی فرمان کے مطابق پبلک کے معاملہ میں سخت تھا۔

"وہ اس بات کا لحاظ رکھتا تھا، کہ فوجی مفتوحہ ممالک کے کسی فرد سے بدسلوکی سے پیش نہ آئے، اگر کسی شخص سے کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو اس کو سخت سزا دیتا، فوجیوں کو شراب پینے کی سخت ممانعت تھی، اور ان کی اخلاقی زندگی کو جنرل سنوارنے کی حتی الامکان کوشش کرتا تھا۔"[2]

آج کے فاتح سلاطین کو یہ سطریں بہت غور و فکر سے پڑھنی چاہئیں، کہ یہ بھی ایک سلطانِ وقت ہی کا دستورِ حکومت تھا، اور وہ اپنی سلطنت کی وسعت میں آجکل کے تمام حکمراں سے بڑھا ہوا تھا، اس کی حدیں ہند و تاتار سے بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں، روم و یونان اس کے باجگزار تھے، اور تمام اسلامی دنیا سوائے اندلس زیر فرماں تھیں۔

آج کوئی فوج مفتوحہ ممالک میں داخل ہوتی ہے تو اس حصہ کے کسی گوشہ کو صحیح و سالم نہیں چھوڑتی ہے، قتل و خونریزی کے ساتھ اس حصہ کی عزت و آبرو بھی ان وحشیوں سے نہیں بچتی، وہاں کی عصمت مآب عورتیں بھی ان کا شکار ہوتی ہیں، مگر یہ منظر ہارون الرشید کی حکومت یا اس زمانہ کی

---

[1] خلافت بنی عباس اول صفحہ ۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۸

کسی اسلامی حکومت میں نظر نہیں آتا وہاں کا دستور حکومت سپاہیوں کے لئے یہ تھا،

"سپاہی کے لئے یہ طے تھا، کہ چار ماہ سے زیادہ اپنے اہل وعیال سے علیحدہ نہیں رہ سکتا، اس کو رخصت مل جاتی، تاکہ وہ اپنے بال بچوں میں جا کر رہے،" [1]

جس حکومت میں فوجی کے لئے یہ قانون ہو، اس حکومت کے سپاہی اور فوجی یقینی طور پر انسان ہوں گے، ضرورت ہے کہ موجودہ حکمراں دنیا میں پھر ان قوانین کو نافذ کریں، اور انسانیت کی مٹی پلید ہونے سے بچالیں۔

ہارون رشید نے ۲۳ سال فرمانروائی کی، مگر اس کا معمول ہمیشہ یہی رہا کہ فرائض نماز بہ پابندی ادا کرتا، بلا عذر شرعی کبھی اس کی نماز قضا نہ ہوتی، علاوہ ازیں روزانہ سو رکعتیں نوافل پڑھتا، علم و ہنر، فہم و فراست، فکر و تدبر، عفو و حلم، عزم و ثبات تمام اوصاف سے متصف تھا، فیاضی اور شجاعت بھی اس میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی مگر انھوں نے ایک دفعہ جب سفیان ثوریؒ کو خط لکھا، تو سفیان ثوریؒ نے یہ جواب لکھا، اس خط کو غور سے پڑھیئے اور اندازہ لگایئے اُس زمانہ کے علماء اپنے معاملات میں کس قدر سخت تھے،

"از بندہ سفیان بنام ہارون فریفتہ دولت، تم نے اپنے خط میں خود تسلیم کر لیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کے روپیہ کو بے موقع اور بیجا گراں بہا صلے دیکر خرچ کیا، اس پر بھی تم کو تسلی نہ ہوئی، اور چاہتے ہو، کہ قیامت میں تمہارے اسراف کی شہادت دوں، ہارون تجھکو کل خدا کے سامنے جواب دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے، تو تخت پر اجلاس کرتا ہے، حریر کا لباس پہنتا ہے، تیرے دروازہ پر چوکی پہرہ رہتا ہے، تیرے عمال خود تو شراب پیتے ہیں، اور دوسروں کو شراب پینے کی سزا دیتے ہیں، خود زنا کرتے ہیں اور چوروں کے ہاتھ کاٹتے ہیں ان جرائم پر پہلے

[1] خلافت بنی عباس اول صفحہ ۱۵۱

تجھکو اور تیرے عمال کو سزا ملنی چاہئے، پہرا دروں کو، ہارون وہ دن
بھی آئے گا کہ تیری مشکیں بندھی ہوں گی، تیرے ظالم عمال تیرے
پیچھے ہوں گے، اور تو سب کا پیشوا بنکر سب کو دوزخ کی طرف لے جائیگا،
میں نے خیر خواہی کا حق ادا کر دیا، اور اب کبھی خط نہ لکھنا"

یہ خط ہارون رشید کی تخت نشینی کے زمانہ میں لکھا گیا تھا، جب اس نے ابھی ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لی تھی، اس خط کا اثر خلیفہ پر یہ ہوا

"ہارون رشید عظم نے خط پڑھا بے اختیار چیخ اٹھا، اور دیر تک روتا رہا"[1]

جو اس قدر متاثر ہوا تھا، کوئی وجہ نہیں، کہ اس نے ایک ایک بات کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی ہو، اور بادشاہ کی سعی پیہم سے اصلاح نہ ہوئی ہو۔

ابن سماکؒ دور ہارونی کے بڑے باخدا بزرگ تھے، ہارون رشید ایک دن ان کی خدمت میں گئے اتفاق وقت بادشاہ کو پیاس لگی، ابن سماکؒ نے فرمایا ذرا ٹھہرئے پہلے یہ بتائیے کہ شدت پیاس جب آپ کو بے تاب کئے ہو۔ اور تشنگی بڑھی ہوئی ہو تو ایک پیالہ پانی کتنی قیمت دے کر لیں گے۔ ہارون رشید نے کہا اپنی نصف حکومت دے کر بھی مل سکے گا تو بھی نہ چھوڑوں گا، فرمایا اگر پیشاب رک جائے اور وہ پانی نہ نکلے تو اس کے لئے کیا خرچ کیجئے گا، ہارون رشید نے کہا آدھی سلطنت اس سلسلہ میں خرچ کر دونگا، یہ سنکر ابن سماکؒ نے فرمایا

"بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کا تمام ملک ایک گھونٹ پانی اور چند قطرے
پیشاب کی قیمت رکھتا ہے، پس اس پر تکبر نہ کیجئے اور جہاں تک ہوسکے
لوگوں سے یکساں سلوک کیجئے"[2]

آج بھی کسی سلطنت کی قیمت اس سے زیادہ نہیں، حکمراں طبقہ غور و فکر سے اس واقعہ کو پڑھے اور عبرت حاصل کرے اور اسی طرح ہر وہ انسان بھی پڑھے جو دنیا میں رہ کر ظلم و جور اور تیغ آزمائی کرتا ہے، اور دولت و ثروت کے لئے اپنی عاقبت خراب کرتا ہے۔

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۱۹۲ و ص۱۹۳ [2] ایضاً ص۱۹۷

ہارون الرشید خود بھی بڑا عالم تھا، اور اپنے بچّوں کو اس نے اچھی تعلیم دلائی تھی مگر اس کے بچے بھی اُستاد کی نظر میں وہی حیثیت رکھتے تھے جتنے دوسرے طلبار۔ اور ان کے بچے بھی اپنے اساتذہ کی خدمتگذاری ویسی ہی فخر سمجھتے تھے جیسی کہ غریب لڑکے، ایک دن استاد اور شاہزادہ کا یہ تعلق دیکھکر بادشاہ کو بھی رشک آگیا،

" ایک دن امیرالمومنین ہارون الرشید دور سے اپنے فرزندوں محمد امین اور مامون کی طرف دیکھ رہا تھا دونوں بھائی اپنے مکتب میں امام کسائی سے سبق پڑھ رہے تھے، تھوڑی دیر بعد امام کسائی کسی ضرورت سے اُٹھے اور باہر جانے لگے، امین و مامون نے لپک کر استاد کے جوتے اُٹھائے اور ان کے قریب رکھ دئے، یہ دیکھکر ہارون کو تعجب ہوا، ایک خادم سے پوچھا، بتا وہ کون شخص ہے جس کے خدمتگار دنیا کے بڑے بڑے آدمی ہیں، اس نے کہا آپ، ہارون نے کہا نہیں، کسائی ہے، جس کے علم وفضل کی وجہ سے محمد امین و مامون اس کی خدمت کرتے ہیں[1]"

کہاں ہیں وہ طلبا، جنکو علم وفضل کی تلاش ہے، اس واقعہ کو پڑھیں، معمولی ثروت ان کا دماغ خراب کر ڈالتی ہے اور اپنے اساتذہ کو نوکر سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے،

ہارون الرشید رعایا کی خبرگیری برابر رکھتا تھا، بلکہ اس سلسلہ میں اس کو جو امتیاز حاصل تھا خلافت بنی عباس میں شاید اور کسی کو حاصل نہ ہوسکا،

" شاہان عالم میں بعد فاروق اعظم رض کے ہارون الرشید رعایا کی خبرگیری کے سلسلہ میں سب سے سبقت لے گیا تھا، اس کا دستور تھا، تبدیل لباس کرکے بغداد کی گلی کوچوں میں رات کو پھرا کرتا تھا اور اپنی رعایا کے حالات دریافت کرتا، اس کے ساتھ وزیر جعفر اور مسرود غلام ہوا کرتے تھے[2]"

---

[1] خلافت بنی عباس اوّل صفحہ ۱۹۷ [2] ایضاً صفحہ ۱۸۱

آج جبکہ پبلک بھوکوں دم توڑ رہی ہے، اور گھر گھر پریشانیوں کا بے پناہ سیلاب موجزن ہے، جمہوری ملک کے صدر اور وزیر اعظم اپنی کوٹھیوں میں چین کی نیند سوتے ہیں اور شخصی حکومت کا فرمانروا فرعون بنا بیٹھا رہتا ہے، ان کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہیے کہ جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی۔

مامون الرشید، ہارون رشید کا فرزند ارجمند تھا، اس نے بیس سال پانچ مہینے بڑے جاہ و جلال سے حکمرانی کی اور ۲۱۸ھ میں انتقال کیا، اس کی زندگی کے بھی چند واقعات سن لیجئے،

"ایک مرتبہ ایک غریب بڑھیا نے مامون کے حضور میں اس کے لڑکے عباس پر استغاثہ دائر کیا، کہ شاہزادہ عباس نے اس کی جائداد پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ عباس عدالت میں موجود تھا، مامون نے اس کو اپنے پاس سے اٹھوا کر بڑھیا کے پاس کھڑا کر دیا، دونوں کے بیان لئے، شاہزادہ فرط ادب میں آہستہ آہستہ بولتا تھا اور بڑھیا بلند آواز سے بیان دے رہی تھی، وزیر دولت احمد بن ابی خالد نے بڑھیا کو روکا، کہ امیر المومنین کے سامنے بلند آواز سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے، مامون نے منع کیا، کہ جس طرح کہتی ہے کہنے دو، حق نے اسکی آواز بلند کر دی ہے، اور عباس کو گونگا کر دیا ہے" دونوں کے بیانات سننے کے بعد بڑھیا کے حق میں مامون نے فیصلہ دیا، اور موکل کو لکھ کر بڑھیا کی جائداد واپس کرادی اور بڑھیا کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی۔[1]

آج تو معمولی زمیندار بھی ایسی بات کہہ اٹھے گا، کہ اس سے ہماری توہین و تذلیل کی انتہا ہوتی ہے، مگر یہ ایک بڑے حکمران کا ضبط و تحمل اور عدل و انصاف ہے جزاہ اللہ۔

ایک دفعہ خود مامون پر ایک شخص نے تیس ہزار کا دعویٰ کر دیا، جس کی وجہ سے بادشاہ کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑا، بعض لوگوں نے اس وقت بادشاہ کے لئے قالین بچھانا چاہا تو قاضی صاحب نے روک دیا، کہ یہاں مدعی اور مدعا علیہ، دونوں برابر ہیں، یہ دیکھ کر بھی مامون کو ناگوار نہ ہوا، بلکہ اس نے جج کی تنخواہ بڑھا دی، آج دنیا کا یہی عدل و انصاف کا گنا ہوں اور خود غرضیوں کے گھر ظلمات میں ڈوب چکا ہے

[1] ملا تعاریخ عباس اول صفحہ ۲۸

اس لئے دنیا سے امن و امان اور اطمینان و سکون کا جنازہ نکل رہا ہے، اور وہ تباہی بربادی کیطرف تیزی سے جارہی ہے۔

"ایک دفعہ ایک سپاہی نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑا، اس کی زبان پر بے ساختہ حضرت عمرؓ کا نام آگیا، مامون کو اس واقعہ کی خبر لگ گئی ...... سپاہی کو نوکری سے برخاست کر دیا"[1]

مامون ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ملک میں بغاوت اور خرابی واقعۃً ہمیشہ عمال کی ہی زیادتی سے پیدا ہوتی ہے یہ درست رہیں، تو ملک مطمئن رہے، ایک دفعہ مامون نے اپنے ایک گورنر کو لکھا، جب تک تمہارا ایک شاکی بھی یہاں آتا رہا اس وقت تک تمہاری رسائی دربار میں نہیں ہو سکتی،

ایک دفعہ مامون دجلہ کے کنارے رونق افروز تھے سامنے قنات کھنچی ہوئی تھی، کہ ایک ملاح ادہر سے گذرا اور یہ اہتمام دیکھکر بلند آواز سے کہنے لگا، کہ مامون اپنے بھائی امین کو قتل کرا کے ہم لوگوں کی نگاہ میں کبھی معزز نہیں ہو سکتا، دربان کا بیان ہے کہ مجھے خیال ہوا، کہ مامون کو غصہ آئے گا، اور اس کی گرفتاری کا حکم دیگا، مگر یہ سن کر مامون مسکرایا، اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا، تم لوگ کوئی ایسی ترکیب بتا سکتے ہو، کہ میں اس جلیل القدر آدمی کی نگاہ میں معزز بن سکوں"[2]

اپنی غلطی کا یہ اعتراف حکمران طبقہ میں اب کہاں ؟ آج اگر کسی قاتل و ظالم کو قاتل اور ظالم کہا جائے تو اسکی سزا پھانسی کا تختہ یا بندوق کی گولی ہے، لاکھوں انسانوں کو قتل کرنے والے اسی کے متمنی ہیں کہ عوام ان کی تعریف کریں، اور رات کو دن کہیں۔

مامون ظلم و جور کو کبھی برداشت نہیں کرتا تھا، عدل و انصاف کا سر رشتہ ہمیشہ ہاتھوں سے تھامے رہتا، اور اس سلسلہ میں گوشہ گوشہ کی خبر رکھتا، جہاں کہیں سے اس طرح کی خبر ملتی، فوراً اس کے نام فرمانِ شاہی جاری کرتا، جس میں تہدید و تنبیہ ہوتی، ایک دفعہ

"ابن فضل طوسی کو لکھا، تمہارا بے تمیز اور درشت خو ہونا، تو میں نے گوارا کر لیا، لیکن رعایا پر ظلم نہیں برداشت کر سکتا"[3]

اسی طرح ایک دفعہ

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۲۱۸ [2] ص۲۱۵ [3] ایضاً ص۲۲۶

"عمرو بن سعدہ کو لکھا' اپنی دولت (حکومت) کو عدل سے آباد کرو ظلم اس کو ڈھا دے گا۔"[1]

اس سے بڑھکر حال یہ تھا، کہ جانوروں پر بھی ظلم پسند نہیں کرتا تھا محکمہ احتساب کو اسکی تاکید تھی؛ کہ کوئی جانور پر اسکی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہ لادے حتیٰ کہ معلین طلباء کو ضرورت سے زیادہ زدو کوب نہ کریں۔

مامون کے ان اقوال کی روشنی میں ہمارے اس زمانہ میں غور و فکر کی بڑی ضرورت ہے، کیونکہ اس دور میں ظلم وستم کی فراوانی ہے، مخلوقِ خدا اس طرز زندگی سے جاں بلب ہے، مگر حکمراں طبقہ اس طرف سے بالکل غافل ہے۔ اس کو احساس تک نہیں کہ یہ سارے مصائب ان کی ہی غفلت کے نتیجہ میں ہیں۔

خلیفہ منصور جنکا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے' ان کی خدمت میں افریقہ سے ایک قاضی صاحب تشریف لائے۔ جو منصور کے زمانۂ طالب علمی کے ساتھی تھے۔

"ان سے منصور نے پوچھا، تم کو میری حکومت اور بنو امیہ کی حکومت میں کیا فرق نظر آیا' اور تم اس طویل سفر میں ہمارے جن علاقوں سے گذرتے آئے ہو' ان میں نظم ونسق کا کیا حال ہے' قاضی نے جواب دیا

اے امیر المومنین! میں نے اعمالِ بد اور ظلم وجور کی کثرت دیکھی ہے' پہلے تو میرا گمان یہ تھا، کہ اس ظلم وجور کا سبب آپکے ان علاقوں سے دور ہونا ہے' لیکن میں جتنا قریب آتا گیا' معاملہ اسی قدر نازک ہوتا گیا' خلیفہ نے یہ سنکر اپنی گردن جھکالی' تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا' مگر میں لوگوں کا کیا کروں؟ قاضی نے جواب دیا، کیا آپ کو معلوم نہیں ہے' حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے تھے' لوگ بادشاہ وقت کے تابع ہوتے ہیں، بادشاہ اگر نیک ہوگا' تو رعایا بھی نیک اور صالح ہوگی' اور اگر وہ بد ہے' تو رعایا نیک نہیں ہو سکتی۔"[2]

کتنا صحیح فرمایا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے، حقیقت بالکل یہی ہے' باقی اور سب لفاظی ہی لفاظی ہے' مامون الرشید باایں ہمہ عظمتِ شان بہت متواضع اور خاکسار تھا' اور اس سلسلہ میں بھی وہ مثال قائم کر گیا' قاضی القضاۃ یحیٰ بن اکثمؒ کا بیان ہے۔

"میں نے مامون سے زیادہ شریف الطبع انسان نہیں دیکھا'

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۱۲۲ [2] خلافت بنی عباس اول ص۱۱۲

ایک شب مجھ کو حریم خلافت میں سونے کا اتفاق ہوا، آدھی رات بیتے ہوئے کچھ عرصہ گذرا، میری آنکھ کھل گئی، تشنگی کا غلبہ تھا، پانی پینے اٹھا کہ مامون الرشید کی نظر مجھ پر یکایک پڑ گئی، انھوں نے پوچھا قاضی صاحب کیا بات ہے، سوتے کیوں نہیں، میں نے عرض کیا، امیر المومنین پیاس معلوم ہوتی ہے، اس نے کہا آپ اپنے بستر پر بیٹھیے، اور خود جاکر آبدار خانہ سے پانی لاکر مجھکو دیا، میں نے عرض کیا امیر المومنین خادم کو اٹھا لیا ہوتا، فرمایا سب سوئے ہوئے ہیں، میں نے عرض کیا، تو میں خود ہی جاکر پانی پی لیتا، مامون نے فرمایا انسان کے لئے یہ بڑے عیب کی بات ہے کہ اپنے مہمان سے کام لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قوم کا سردار، ان کا خادم ہے[1]

اس واقعہ سے پہلے زمانہ کے سلاطین کا اخلاق جھلکتا ہے، ان کا شریعت پر کسقدر عمل تھا مہمان سے کام لینا اخلاقاً اور شرعاً دونوں طرح عیب جانتے تھے۔

مامون کا علمی دربار مشہور ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بڑا علم دوست تھا، ہر ہفتہ میں سہ شنبہ کو علمی مجلس کا خصوصی اجلاس منعقد ہوتا تھا، جس مجلس میں ملک کے نامی گرامی علماء شریک ہوتے، اور باہم علمی مباحثے کرتے، با ایں ہمہ منصور بہت سے مسائل میں پھنس گیا، جعفر برمکی جو مامون کا اتالیق تھا مذہباً شیعہ تھا، اس نے اور بھی اپنا اثر ڈالا، جس سے بہت ساری باتیں شیعوں کی اس میں پیدا ہو گئی تھیں، انہی میں سے ایک متعہ کا مسئلہ تھا، جعفر برمکی کی عیاشی دیکھتے دیکھتے مامون خود بھی اس کا قائل ہو گیا، اور اس نے متعہ کے جواز کی منادی کرادی، جس سے علماء اہل سنت کو بڑی روحانی اذیت ہوئی، اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے یحیٰی بن اکثم منتخب کئے گئے، چنانچہ یہ ایک دن دربار میں پہونچ گئے، جس وقت یہ وہاں پہونچے ہیں وہ حضرت عمرؓ کا یہ قول پیش کرکے

("رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں دو متعہ تھے، میں ان کو روکتا ہوں")

کہہ رہا تھا جس چیز کی رسول اللہ صلعم اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اجازت تھی، اس کے روکنے کا کسی کو کیا حق ہے مامون سے یہ سُنکر قاضی صاحب کا رنگ بدل گیا، غصہ میں سُرخ ہو کر بیٹھ گئے۔ مامون نے

---

[1] خلافت بنی عباس اول صـ۱۵۲

خود پوچھا "یحییٰ صاحب آپ کا چہرہ کیوں متغیر ہے، انھوں نے کہا امیر المومنین اسلام میں ایک رخنہ پڑ گیا" اس نے پوچھا وہ کیا، یحییٰ نے کہا، زنا کی حلت کا اعلان، مامون نے تعجب سے پوچھا، زنا؟ یحییٰ نے کہا، کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلعم سے" اور کلام الٰہی کی یہ آیت "الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم" (تمتع صرف دو طرح کی عورتوں کا جائز ہے، بیوی یا لونڈی) پڑھکر پوچھا، کیا ممتوعہ عورت لونڈی ہے، مامون بولا نہیں، یحییٰ نے پوچھا تو پھر کیا بیوی ہے۔ اور اس کو شوہر کی وراثت اور شوہر کو اس کی وراثت ملتی ہے، اور اس کے اور بیوی کے تمام شرائط یکساں ہیں، مامون نے کہا نہیں۔ یحییٰ نے کہا جب ممتوعہ ان دونوں میں سے کسی میں داخل نہیں ہے، تو پھر قرآن کے مقرر کردہ حدود سے باہر ہے"[1] اس قرآنی استدلال کے ساتھ حضرت علیؓ کی وہ روایت سنائی، جس میں متعہ کی حرمت کے اعلان کا ذکر ہے، مامون لاجار ہو گیا اور اس نے اس فعل سے توبہ کی اور پھر حرمت کی منادی کرادی،

معتصم جو مامون کے بعد خلیفہ ہوا تھا، اس نے زراعت کو بڑی ترقی دی، اس نے اس محکمہ کے وزیر ابن زیات کو حکم دے رکھا تھا،

"جو افتادہ زمین تم ایسی دیکھو، کہ اس سال اس پر دس روپیہ صرف کر دو، تو سال آئندہ میں اس سے گیارہ روپے وصول ہوں، ایسے خرچ کے لئے مجھ سے منظوری حاصل کرنے کی ضرورت نہیں،"[2]

یہ چند تاریخی واقعات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے، ان سے عبرت و بصیرت حاصل کیجئے اور ان کی روشنی میں دنیا کی اصلاح کی طرف قدم بڑھائیے

اخیر میں ندوۃ المصنفین اور کتاب کے مصنف کا شکر گزار ہوں، کہ ان کی وجہ سے میں اس زمانہ میں ان واقعات کو غور و فکر سے پڑھ سکا۔ اور متاثر ہوا، خدا کرے دوسرے احباب بھی ان سے استفادہ کر سکیں۔

---

[1] خلافت بنی عباس اول ص۲۷۱ و ص۲۷۲ [2] خلافت بنی عباس اول ص۳۰۶

علم تفسیر پہلے مدوّن ہوا یا علم حدیث

از

(جناب خواجہ حافظ محمد علی شاہ صاحب)

(۳)

کشف الظنون میں پہلی اور دوسری تیسری صدی کی جن تفسیرات کا تذکرہ ہے ان کو بالاجمال والاختصار ہم ذکر کئے دیتے ہیں لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسلامی علوم و فنون میں اول مدون علم تفسیر ہے۔ یا تفسیر مجاہد بن جبر اس علم کی اول و اقدم تالیف ہے

صاحب کشف الظنون نے حروف معجم (اب ت ث ج ح خ د ذ ر ز) کی ترتیب سے ۹۰۰ سے زائد تفسیر کی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کے مختصر احوال بھی لکھے ہیں۔ ہم صرف صحابہ و تابعین و اتباع تابعین کی کتب تفاسیر کا ایک مختصر سا نقشہ ترتیب دیتے ہیں اور یہ ترتیب دان تفسیری روایات کے ناقلین کی) سنین وفات کے اعتبار سے قائم کرتے ہیں۔ اس نقشہ سے ایک ہی نظر میں بخوبی واضح ہو جائے گا کہ کس کی تفسیر (یا تفسیری روایات کے مجموعہ) کو تقدم بالشرف اور اولیت کی فضیلت حاصل ہے۔ ذکر سنین میں کمی زیادتی یا غلطی کی ذمہ داری ہم پر عاید نہیں کیونکہ سنین وفات میں اختلافات اتنے کثیر ہیں کہ ان کی تصحیح کے لئے کتب حوالہ جات کی طرف مراجعت نہ ہو سکی۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تفسیری روایات کے ان تمام مجموعوں اور مرتب شدہ کتابوں میں جس کی فہرست دی جا رہی اور تفصیل لکھی جا رہی ہے افسوس یہ ہے کہ کوئی ایک بھی اس وقت موجود نہیں لہٰذا تفسیر مجاہدؒ یا تفسیر ابن عباسؓ یا اور کسی صحابی و تابعی کی تفسیر پر اولیت و اقدمیت کا حکم لگانا رجماً بالغیب نہیں تو اور کیا ہے۔

برخلاف صحف حدیث کے کہ احادیث نبویؐ کی جمع و تدوین کے باب میں تاریخی ثبوت کے علاوہ ایک کتاب (امام مالک کی مؤطا) اپنے وجود و شہرت کی وجہ سے اولیت و اقدمیت کا سہرا

اپنے سر باندھے ہوئے ہمارے سامنے موجود ہے۔

ذیل کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔ اس میں تفسیر مجاہدؒ کا نمبر ہماری دی ہوئی ترتیب کے اعتبار سے چوتھا ہے اس بنا پر ان کی تفسیر اول واقدم نہیں ہوتی۔

حضرت مجاہد تابعی ہیں۔ اور یہ صحیح کہ کبار تابعین اور مبرزین مفسرین میں سے ہیں مگر جس طرح ان کی طرف منسوب شدہ تفسیر ان کی جمع کردہ نہیں اسی طرح (ہماری لکھی ہوئی فہرست میں)

(۱) تفسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۲) تفسیر الصحابہ رضی اللہ عنہم۔ (۳) اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ یہ ہر سہ کتب تفاسیر بھی ان مفسرین کی اپنی جمع کردہ نہیں۔ لہذا تابعی کی تفسیر سے پہلے۔ صحابی کی تفسیر کا اور اس سے بھی پہلے سرکار نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر کا مرتبہ ہونا چاہئے اور اسی کو اول واقدم تفسیر شمار کرنا چاہئے چاہے وہ کبھی مرتب کی گئی ہو اور کوئی اس کا مرتب ہو۔ نہ کہ تفسیر مجاہدؒ کو۔

(نوٹ) علاوہ ازیں اس بارے میں کہ کون سی تفسیر اور کس کی تفسیر اول مرتب ہوئی۔ بکثرت اختلاف نظر آتا ہے۔ ابن خلکان کی رائے یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی تفسیر ابن جریج نے مدوّن کی جو کہ ۸۰ھ میں اسلام لائے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی[1]

(۱) تفسیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صاحب کشف الظنون نے اس کے متعلق امام ثعلبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس تفسیر کا بعض حصہ اس کے مصنف (ابو الحسن محمد بن قاسم فقیہ) سے سنا اور باقی کی اجازت حاصل کی (کشف الظنون جلد اول ص۳۱۵ و ص۳۱۶)

(۲) تفسیر الصحابہ رضی اللہ عنہم۔ ابو الحسن محمد بن قاسم فقیہ کی تالیف کردہ۔ اس کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے یہ پوری تفسیر اس کے مصنف سے پڑھی ہے۔ ج ۱ ص۳۱۱۔

(۳) تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما۔ اس کے متعلق صاحب کشف الظنون نے صرف دو لفظ لکھے ہیں کہ مختصر ہے اور مخلوط ہے (یعنی کلام پاک کی آیات کے ساتھ ممزوج تفسیر ہے) اس کے علاوہ

---

[1] بعض علماء کا خیال ہے کہ عبد الملک بن مروان کے زمانۂ خلافت میں اس کی استدعا پر ابن جبیر نے فن تفسیر میں کتاب لکھی جو اس فن کی پہلی کتاب ہے۔

اور کچھ نہیں لکھا۔ ج ۱ ص ۳۰۴

(۴) تفسیر مجاہد (ص ۳۱۴ و ص ۳۱۵)

مجاہد نام۔ ابو الحجاج کنیت، باپ کا نام جبیر۔ مکی ہیں۔ ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں مکہ

اختلاف الاقوال وفات پائی۔

ان کے کئی طریقے ہیں۔ (۱) ابن ابی نجیح متوفی ۱۳۱ھ۔

(۲) ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ

(۳) لیث متوفی ۱۷۵ھ

(۵) تفسیر ضحاک متوفی ۱۰۵ھ

(۶) تفسیر عوفی۔ یعنی محمد بن سعد بن محمد بن حسن عوفی۔ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں

(بحوالہ ثعلبی) ص ۳۱۲

(۷) تفسیر حسن بصری۔ متوفی رجب ۱۱۰ھ۔ ص ۳۰۵

(۸) تفسیر یزید بن ہارون سلمی تابعی متوفی ۱۱۷ھ بحوالہ ابو الخیر۔

(۹) تفسیر قتادہ بن دعامہ یعنی ابن السدوسی۔ ان کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریق (۱) خارجہ

بن مصعب سرخسی کا ہے۔ (خارجہ نے اپنی طرف سے بھی اس میں قریباً ایک ہزار احادیث زیادہ

کی ہیں) دوسرا طریق۔ (۲) شیبان بن عبد الرحمٰن نحوی کا ہے اور تیسرا طریق (۳) معمر کا۔

(۱۰) تفسیر عطاء بن ابی رباح ۱۱۴ھ۔ بحوالہ ثعلبی

(۱۱) تفسیر عطاء بن دینار ۱۲۶ھ۔

(۱۲) تفسیر اسماعیل سدی کبیر (تفسیر السدی علی طریق الروایۃ)۔ متوفی ۱۲۷ھ ص ۳۱

(۱۳) تفسیر عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ متوفی ۱۳۵ھ۔ بحوالہ ثعلبی

(۱۴) تفسیر زید بن اسلم العدوی المدنی ذی الحجہ ۱۳۶ھ

(۱۵) تفسیر کلبی۔ محمد بن سائب۔ ۱۴۶ھ۔ ان کے بھی چند طرق ہیں۔

(۱) طریق محمد بن فضل۔ (۲) طریق یوسف بن بلال۔ (۳) طریق حبان اور یہ سب حضرت ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں۔

(۱۶) تفسیر شعبہ بن حجاج بصری۔ وفات ۱۶۰ھ

(۱۷) تفسیر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیخ البخاری ص۲۱۱

(۱۸) تفسیر فریابی۔ محمد بن یوسف وفات ۲۱۲ھ۔ بحوالہ ثعلبی۔ علامہ سیوطیؒ نے اس کا اختصار لکھا اور انتخاب کیا۔ ص۳۱۱

(۱۹) تفسیر ضحاک بن مزاحم ہلالی ص۳۱۱۔ ان کے کئی طریقے ہیں۔ (۱) طریق جویبر یعنی ضحاک کے شاگرد جویبر ان سے روایت کرتے ہیں اور یہ ایک مبسوط کتاب ہے۔ (۲) طریق علی بن الحکم۔ (۳) طریق عبید بن سلیمان باہلی۔ (۴) طریق روق بن عطیہ بن حارث۔

(۲۰) تفسیر شبلی بن عباد مکی۔ بحوالہ ثعلبی۔

(۲۱) تفسیر عبد بن حمید بن نصر کشی ۲۴۹ھ۔

(۲۲) تفسیر عکرمہ عن ابن عباسؓ۔

(۲۳) تفسیر مسیب بن شریک۔ ص۳۱۵ بحوالہ ثعلبی

(۲۴) تفسیر مقاتل بن حیان۔

(۲۵) تفسیر مقاتل بن سلیمان ۱۵۰ھ۔

نوٹ (۱) مقاتل بن حیان کے دو طریقے ہیں۔ (۱) طریق ثعلبی۔ (۲) طریق ابو عصمہ المروزی۔

(۲) یہ دونوں مقاتل بن حیان اور مقاتل بن سلیمان ۳۰ آدمیوں سے روایت کرتے ہیں۔ جن میں ۱۲ تابعی ہیں۔ ص۳۱۵

(۳) اس تمام تفصیل سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان حضرات تابعین کرام و تبع تابعین عظام نے کوئی تفسیر کی کتاب حدیث کے رسائل و کتب کی طرح خود تالیف و تصنیف کی تھی۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ان حضرات نے تفسیر میں تالیفات کی ہیں اور مذکورہ تمام تفسیریں ان کی مؤلفہ ہیں تو یہ بالکل

ظاہر ہے کہ آج ان میں سے کوئی تفسیر بھی موجود نہیں صرف تفسیری روایات ہیں جو تبع تابعین اور اس طبقہ کے بعد علماء نے اپنی کتب ہائے تفسیر میں ذکر کی اور نقل کی ہیں یا ان کو مستقل کتاب کی صورت میں مرتب کر دیا گیا ہے۔

یہ صحیح کہ حضرت مجاہدؒ تابعین مفسرین میں پہلی صدی ہجری کے بعد وفات پانے والے ہیں۔ خیر القرون کی شمولیت اور تقدم وفات کی وجہ سے آپ کو تقدم بالاولیت کا شرف حاصل اور آپ ہر طرح لائق استناد ہیں۔

لیکن تابعین مفسرین کی اسی جماعت میں پہلی صدی ہجری کے اندر وفات پانے والے کئی حضرات ہیں۔ جن میں مرہ ہمدانی۔ ابو العالیہ اور سعید بن جبیر کا نام لیا جاسکتا ہے اس پر مزید یہ کہ یہ تینوں بھی حضرت ابن عباسؓ کے تلامذہ واصحاب میں سے ہیں۔ مرہ ہمدانی نے ۷۶ھ سے قبل وفات پائی۔ ابو العالیہ کا انتقال ۹۰ھ میں ہوا اور سعید بن جبیر ۹۵ھ میں شہید ہوئے۔

اگر حضرت مجاہد کی تقدم وفات سے تفسیر مجاہد کا فن تفسیر کی پہلی کتاب ہونا اور اس اعتبار سے علم تفسیر کا اول مدون ہونا ثابت ہو سکتا ہے تو مذکورہ بالا ہر سہ اصحاب کی تفسیر کا مرتبہ حضرت مجاہد کی تفسیر سے اول ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں حضرت ابن عباسؓ یا کسی دوسرے مفسر صحابی کی تفاسیر اور تفسیری روایات بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہیں کہ ان کو اول التفاسیر اور اقدم التفاسیر کہہ سکیں۔ چاہے وہ کسی زمانہ میں مرتب کی گئی ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کی تفسیری روایات کا مجموعہ مرتب شدہ موجود ہے اور آپ وفات کے اعتبار سے بھی ان سب سے مقدم ہیں کیونکہ آپ کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔ اور حضرت مجاہد۔ مرہ ہمدانی ابو العالیہ اور سعید بن جبیر کے استاذ و شیخ بھی ہیں یہ چاروں اصحاب تفسیر کتاب اللہ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ تمام تر حضرت ابن عباسؓ ہی سے نقل کرتے ہیں لہذا ان سب میں ہر حیثیت سے تفسیر ابن عباسؓ کو تقدم واولیت کا شرف ہوگا نہ کہ تفسیر مجاہد کو جیسا کہ بعض علماء مصر کا خیال ہے واللہ اعلم بالحق۔

والصدق والصواب والیہ المرجع والمآب۔

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۰)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابتہ ماہ فروری ۱۹۵۱ء)

شجاع الدولہ | شجاع الدولہ کا قبضہ شاہ عالم پر کامل تھا ان کو جگہ جگہ لئے پھرتے تھے کبھی نوابان بنگال سے منہ کی کھائی کبھی انگریزوں نے مات دی اودھ میں شاہ عالم مقیم تھے اور شجاع الدولہ کے ہاتھوں کھیل رہے تھے شجاع نے نجیب الدولہ کو یہ سمجھ کر کہ اس کا دماغ مجھ سے اونچا ہے گانٹھا ہے اور پگڑی بدل بھائی بن گئے اس کا ارادہ ہوا کہ احمد خاں بنگش کو ٹھکانہ لگایا جائے نجیب الدولہ کا یہ رقیب تھا ہی گو مصالحت ہو چکی تھی پھر پٹھان کا کینہ مشہور ہے شجاع الدولہ نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنا لیا اور آمادہ کر لیا کہ فرخ آباد کو فتح کرنے میں شاہ عالم کی ہمرکابی میں نجیب الدولہ رہیں گے۔ چنانچہ شجاع الدولہ نے شاہ عالم کو لے کر معہ فوج کے فرخ آباد پر چڑھائی کر دی نجیب الدولہ دلی سے روانہ ہو کے خدا گنج تک پہنچ گئے۔

نواب احمد خاں نے حافظ الملک کو اپنی معاونت کے لئے دعوت دی وہ ان ایام میں پرگنہ مہرآباد میں مقیم تھے جلال آباد اور وہاں سے فتح گڈھ روانہ ہو گئے یہاں پہنچ کر بہ مشورہ نواب احمد خاں نجیب الدولہ کو خط لکھا یہ حافظ صاحب کو اپنی طرف مائل کر رہے تھے مگر وہ احمد خاں بنگش کے

ہے

کے حامی آخر شش خود نجیب الدولہ حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں اس کے خسر نواب دوندے خاں تھے ان دونوں صاحبوں نے ان کی غلطی سے متنبہ کیا یہ عذر خواہی کرکے صلح پر راضی ہوگئے اور عرض کیا حافظ صاحب بادشاہ سے شرفِ ملازمت حاصل کرلیں چنانچہ شاہ عالم کی خدمت میں حافظ الملک تشریف لائے ان کی پاس خاطر سے شجاع الدولہ نے فرخ آباد پر حملہ کرنے کا ارادہ فسخ کیا چند روز کے بعد شجاع الدولہ اور شاہ عالم اودھ کو اور نجیب الدولہ دہلی کو واپس گئے[1]

مرہٹے اور جاٹ | پانی پت کی جنگ کے بعد مرہٹوں نے پھر ہاتھ پیر نکالے پہلے جاٹوں کو آلیا انھیں سورج مل جاٹ کی حرکت سے کہ اس نے پانی پت کی جنگ میں ان سے دغا کی اس پر مرہٹوں نے جاٹوں کی خوب گوشمالی کرکے جنگ پانی پت والے اپنے اصلی دشمنوں نواب نجیب الدولہ نواب احمد خاں بنگش اور حافظ الملک وغیرہ کی طرف رجوع ہونا چاہا۔

راجہ جواہر سنگھ سے ڈیگ کے میدان میں مرہٹے کامیاب ہوچکے تھے ۶۵ لاکھ لے دینے سے لے کر جاٹوں کی جان چھوڑی تھی ہمت بلند کئی نجیب الدولہ نے دوربینی اور سیاست حاضرہ کا لحاظ رکھ کر دیسا جی کشن اور تکوجی ہلکر کی وساطت سے مرہٹوں سے صلح کرلی بعض مورخین اس امر کو خود غرضی پر محمول کرتے ہیں مرہٹے ان سے ہٹ کر فرخ آباد کی طرف بڑھے" اور دن پہیں کا ذمہ دار نجیب الدولہ کو ٹھہراتا ہے۔

"نجیب الدولہ از حزم بہرہ دانی داشت با خود سنجید کہ ایں بلا بالا بالا نخواہد رفت مبادا کہ آسیبے بشہر رسد با بسیرد برادر فوجے کہ ہمراہ بود توکل کردہ پیش سرداراں آمد تا جان درتن داشت نگذاشت کہ دکھنیاں (مرہٹے) رو بسوئے شہر کنند و تنکیہ او از مرض مزمنے کہ داشت از میاں رفت"[2]

راجہ سورج مل | راجہ سورج مل جاٹ معاصر راجوں میں ہوشیار اور بیدار مغز سمجھا جاتا تھا جنگ پانی پت

[1] حیات حافظ رحمت خاں ص ۱۱۹ از مولوی سید الطاف علی بریلوی [2] ذکر میر ص ۱۱۹

میں بہاؤ کو حکم دے کر معہ اپنی فوج کے بھرت پور واپس آگیا اوس نے چار قلعہ مستحکم تیار کئے تھے اور پیادہ ہزار سوار جرار آزمودہ کار قواعد داں اس نے آراستہ کئے تھے کہ مثل ان کے کسی ریاست میں نہ تھے[۱] سورج مل کو بڑھانے والا اور ہمت دلانے والا صفدر جنگ مرحوم تھا میر تقی میر اکبرآبادی "ذکر میر" میں لکھتے ہیں۔

"سورج مل کہ زمیندار زورآوری است آبا و اجداد او ہمیشہ مورد عنایات بادشاہان اولوالعزم ماندہ اند در حالتے کہ خیر بود راہداری مابین اکبرآباد و شاہجہاں آباد با و تعلق داشت دریں ایام از سستی رد سائے اسلام سرے کشید و متصرف اکثر محلات گردیدہ بسبب حرام نمکی قلعہ دار سیہ روزگار حصن حصین اکبرآباد گرفت شاہ عالم بتحریک شجاع الدولہ کہ حالا وزیر اوست با لشکر بے شمار حرکت کرد زباں زد خلق شد کہ برائے اخراج سورج مل می آید زمیندار مذکور جہت محافظت شہر و حصار مسطور از قلعہ جات خود رفتہ بارادۂ پرخاش نشست دبہ راجہ نوشت کہ آمدن شما مناسب تر است ایشاں کہ آشنا از چوب خشک متراشید ندمیاں دار فرستادہ آں انبوہ را بازگردانید ند"[۲]

غرضکہ سورج مل کو ترقی کا موقعہ ہاتھ آتا جارہا تھا صفدر جنگ ان کی دستگیری کرتا تھا پھر اس کا بیٹا شجاع الدولہ ان سے مانوس تھا ان کی تمردی پر معمولی توجہ کرتا تھا مگر نجیب الدولہ کو ان سے پرخاش تھی اور ان کے ظلم و تشدد اور لوٹ مار کا انسداد کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو شاہ درانی کے ہاتھوں ختم کرا کر جاٹوں کے استیصال کی طرف متوجہ ہوئے، یعقوب علی خاں برادر شاہ ابدالی اور کرم اللہ خاں کو سورج مل کے پاس بھیجا تاکہ بہادر خاں اور اس میں مصالحت کرادے مگر سورج مل رضامند نہ ہوا یعقوب علی خاں اور کرم اللہ خاں لوٹ آئے اور کرم اللہ خاں نے امیرالامراء سے کہا اگر کچھ بھی غیرت ہے تو سورج مل کی تنبیہ کیجئے ورنہ بہادری کا نام نہ لیجئے نجیب الدولہ برہم ہوگیا اور اپنے بیٹوں افضل خاں، سلطان خاں، ضابطہ خاں کو حکم دیا اپنی اپنی فوج لے کر جمنا سے پار کرکے تیار رہو دیگر رئیس سعادت خاں افریدی و صادق محمد خاں

---

[۱] سیرالمتاخرین صفحہ ۳۶۶ [۲] ذکر میر صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۳

نبگش کو عقب میں ان کے روانہ کیا یہ خبر سورج مل کو پہنچی وہ بھی فوج لے کر کنارہ گھاٹ آموجود ہوا اور مورچہ باندھا غرضکہ خود نجیب الدولہ شاہ درہ کو نشیت دے کر جاٹوں کے مقابل ہوئے سورج مل کے پاس دس ہزار سوار جرار تھے افضل خاں ہراول پر تھا جس کے مقابل مسنارام جاٹ تھا ایک ہی جھڑپ میں افضل خاں چالیس پچاس سواروں کو لے کر راہ فرار پر مجبور ہوئے اس طرف سے گذرے جہاں سورج مل کھڑا تھا کلیم اللہ خاں و مرزا سیف اللہ خاں رفقائے سورج مل نے کہا تھا کہ صاحب اس جگہ کھڑا ہونا مناسب نہیں مگر اس نے التفات نہ کی تھوڑی عرصہ میں سید محمد خاں بھی تاب مقابلہ نہ لا کر بیس پچیس سواروں سے ادھر سے گذرا سید صاحب کے ہمراہیوں میں سے ایک نے سورج مل کو پہچان لیا اور سید صاحب سے کہا خانصاحب کہاں جاتے ہو ٹھا کر سورج مل سامنے میدان میں کھڑا ہے دو دو ہاتھ اس سے کرتے چلو ایسا موقع پھر نہ آئیگا سید محمد خاں نے گھوڑے کی رکاب پھیر کر سورج مل کو جالیا اور اس کا کام تمام کر دیا ایک سوار نے چلتے ہوئے اس کا ہاتھ قلم کر لیا اس میں زخم ناسور تھا یہ ہاتھ لے جا کر نجیب الدولہ کی خدمت میں پیش کیا ادھر بے سردار کہاں تک فوج مقابلہ کرتی اس نے راہ فرار اختیار کی نجیب الدولہ با فتح و نصرت داخل شاہجہاں آباد ہوئے[1]

میر تقی میر نے اس واقعہ کو اس انداز سے لکھا ہے پڑھنے کے قابل ہے

"افسوس سردارے چوں سورج مل کشتہ شود و ما بیمردتان لاش او را بر خاک میدان گذاشتہ از ترس جاں بردیم۔ از یں جا بہ ظہور می پیوندد کہ او در شورش آخر روز کہ بفوج المش (یعنی جینداول) بود کشتہ شد و لشکرش گریختہ رفت"[2]

سورج مل کے مارے جانے کے بعد اس کا بیٹا جواہر لال گدی پر بیٹھا بقول طباطبائی وہ نہایت متکبر اور مست بادہ نخوت تھا اس غرور میں پاؤں جادہ اطاعت سے آگے بڑھایا اور مرہٹوں کو بلا کے ایثار رفیق کیا۔

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۳۶۹ [2] ذکر میر صفحہ ۱۰۹

میر تقی میر کہتے ہیں کہ جواہر سنگھ .....

"در ہمت و شجاعت و مروت صد مرتبہ از پدر خود بہتر است"[1]

جواہر سنگھ اپنے باپ کے انتقام کے خیال سے قلعۂ شاہجہاں آباد پر چڑھ دوڑا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا، نواب نجیب الدولہ چالیس روز تک خوب مقابلہ کرتا رہا، راجہ دلیر سنگھ سے صلح کر لی خضر آباد میں نواب نجیب الدولہ اور جواہر سنگھ میں کر گئے اس طرح سے یہ فتنہ رفع و دفع ہو گیا[2]

نجیب الدولہ کا قیام دہلی | جواں بخت کے نگراں کے بطور نجیب الدولہ دہلی میں نو برس رہے نہایت نیک نیتی سے مہمات سلطنت انجام دئیے"

شاہ درانی قندھار جاتے ہوئے۔

"شہزادہ جواں بخت را ولی عہد شاہ عالم نمود و شہر دہلی را با ختیار نجیب الدولہ گذاشتہ"[3]

علمی ترقی | نجیب الدولہ کا دلی کا وہ زمانہ تھا حضرت شاہ ولی اللہ کی درسگاہ شباب پر تھی دور و نزدیک کے طالبان علم اس درس گاہ سے فیوض علم حاصل کر رہے تھے دلی میں ہر جگہ شاہ صاحب کے شاگرد مسند درس و تدریس بچھائے بیٹھے ہوئے تھے علماء کی خبرگیری نواب نجیب الدولہ کی جانب سے تھی، نو سو علماء اس کے دامن دولت سے وابستہ تھے چنانچہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں ہے

"کہ نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود ادنی بیخبر روپیہ و اعلی پانصد روپیہ و سہ قاضی حنفی و شافعی و مالکی و حنبلی را طلبیدہ بود"[4]۔

نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ کا معتقد خاص تھا تمام معاملات ملکی میں ان سے مشورہ لیتا شاہ صاحب کے وصال کے بعد شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی کے وظائف مقرر کئے اور ان کے لئے ایک شاندار مکان عطا کیا[5]۔ نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد نواب ضابطہ خاں کا بھی یہی طریقہ ان بزرگان کرام کے ساتھ رہا، ہر قسم کی خبرگیری رکھتا تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز اکثر نجیب الدولہ سے ملنے جایا کرتے فرماتے ہیں کہ

---

[1] ذکر میر صفحہ ۱۸ [2] سیر المتاخرین صفحہ ۷۰۴ [3] ذکر میر صفحہ ۱۰۰ [4] [5] ملفوظات شاہ فخر الدین دہلوی

"کہ بتقریب عیادت نجیب خاں رفتہ بودم"[1]

اس وقت کی دلی کا نقشہ حضرت شاہ عبدالعزیز کے ان عربی ابیات سے ظاہر ہوتا ہے

یا من یسائل علی دهلی و رفعتها	علی البلاد و ما حازته من شرف
ان البلاد اماء و هی سیدة	والنهار درة والکل کالصدف
فاقت بلاد الوری عزا و منقبة	غیر الحجاز و غیر القدس والنجف
سکانها خیار الارض قاطبة	خلقا و خلقا بلا عجب و لا صلف
بها مدارس لو طاف البصیر بها	لم تنفتح عینه الا علی الصحف
کم مسجد زخرفت فیها منارته	لو قابلته شمس الضحی تنکسف
ولا عزو ان زینت البلاد بأزینتها	کم من اب قد علا بابن ذری شرف
و ما رجون جری من تحتها نحلی	انهار خلد جرت فی اسفل الغرف

رواداری | نواب نجیب الدولہ میں رواداری بہت تھی جہاں مساجد تعمیر کرائیں دیگر مذاہب کے معابد کی امداد بھی کی۔

نواب کی والدہ کا انتقال ہوا نجیب آباد میں جس جگہ قبر بنانے کا ارادہ کیا وہ زمین کسی نہ کسی ہندو کی نکلی آخرش مجبور ہو کر کہا کہ نجیب آباد میں ہماری ایک بالشت زمین نہیں ہم زبردستی کسی کی زمین نہیں لینا چاہتے لہذا تابوت کو ہمارے وطن لے جانے کا انتظام کرو وہاں والدہ دفن کی جائیں اس خبر نے ہر ایک کو ہمدردی کرنے پر مجبور کیا اور زمین مقبرہ کے لائق پیش کی جس کا معاوضہ نواب نے عطا کیا[2]۔ ڈاکٹر راجیندر پرشاد ہندوستان کا مستقبل نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ

نجیب آباد کے پٹھانوں کی ۱۷۸۰ء میں ہردوار پر حکومت تھی (نجیب الدولہ) نے ہندو جاتریوں کی آسائش کی غرض سے بڑے بڑے مکان بنوا دئے تھے جو کہ آج تک موجود ہیں اور ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں[3]

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۸۰ [2] اسلامی تاریخی کہانیاں از انتظام اللہ [3] ہندوستان کا مستقبل ص ۴۵

سیرت | اردن صاحب تاریخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ

"نجیب الدولہ باعتبار شرافت، سخاوت، مروت، عقل دور اندیشی۔ حمیت و دینداری پاکدامنی میں بے نظیر تھا۔"

صاحب سیر المتاخرین لکھتا ہے

نجیب الدولہ مرد مردانہ و شجاع زمانہ اور جمیع صفات سرداری میں یکتا روزگار تھا مگر اقوام روہیلہ کہ خبیث طینت و بدباطن اور ناعاقبت اندیشی ان کی خلقت میں ہے اکثر مردمان شہر شرفا و نجبا پر ظلم و زیادتیاں کرتے تھے کہ خلق خدا ان کے ظلم و جور سے جان سے عاجز آئے ہوئے تھے جو کچھ کہ اس زمانہ میں ساکنان شاہجہاں باد پر گذرا قابل تحریر نہیں[1] مگر طباطبائی نے روہیلوں کے لئے تو یہ زہر اگلا لیکن شجاع الدولہ اور اس کی جماعت کے کارنامہ نظر انداز کئے، اس کے جور و ظلم اور اسلام دشمنی کے مقابلہ میں روہیلوں کا طرز تشدد بے حقیقت ہے۔ فرق یہ ہے کہ ہم مسلکی کی خاطر کذب بیانی سے بھی اعراض نہیں کیا۔

صاحب اخبار الصنادید لکھتے ہیں۔

باوجودیکہ نجیب خاں مخاطب نواب نجیب الدولہ بے علم تھے مگر قابلیت ولیاقت خداداد رکھتے تھے شجاعت اور شہامت اور سرداری میں نشان بلکہ بے نشان قدرت الہی کے تھے[2]

انتظام سلطنت و معدلت گستری | صاحب سیر المتاخرین لکھتا ہے

اب وہ وقت ہے کہ نجیب الدولہ فرماں روائے شاہ جہاں آباد ہے نجیب الدولہ معدلت کیش اور خیر اندیش خلق کا تھا جب کہ دس یا گیارہ برس تک نجیب الدولہ نے کار منصب امیر الامرائی کو کمال دیانت و شجاعت و خوشنودی خلائق و عدل و داد کے انجام دیا اور بدون بادشاہ مہمات ملکی و مالی پر مدت دراز شاہانہ طور پر متصرف رہا اور اپنے وقت میں سوائے حسن انتظام کے کوئی امر بدرعبی یا بدنظمی کا نہ آنے دیا۔"

---

[1] سیر المتاخرین ص۸۷۰ [2] اخبار الصنادید جلد اول ص۲۷۳ و ۳۶۲

عظیم المرتبت | تاریخ اسٹریچی انگریزی ۱۸۸۵ء میں مل صاحب لکھتا ہے کہ
نجیب الدولہ ہندوستان اور یورپین کے دلوں میں یہ نقش کر دیتا ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجہ کا آدمی ہے مری رائے میں بھی یہ افغان نجیب الدولہ جو کہ وزیر اول سلطنت کا تھا اور خود بھی مالک ایک بڑے حصہ ملک کا دوآب میں تھا مشہور افغان اس زمانہ کا شمالی ہندوستان میں تھا جو واقعات ہم کو دریافت ہوئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہی شخص ہے جو عظیم المرتبت اور قابل تعظیم اور قدر کے لائق ہے "

ایفائے وعدہ | نجیب الدولہ دارا نگر سے دہلی چلے راستہ میں گوجروں کا علاقہ پڑا ان کے سردار نے ان کی اطاعت کی اور کثیر التعداد گوجران کے جھنڈے کے نیچے جمع کر دئیے نجیب الدولہ نے کہا سردار کامیابی پر یہ وعدہ کرتا ہوں بڑی سے بڑی خدمت تمہاری انجام دوں گا چنانچہ جب امیر الامرائی پر سرفراز ہوئے اور اپنے وطن آتے سردار گوجر سلام کرنے حاضر ہوا اس کو دیکھتے ہی گلے سے لگایا اور راجہ کا خطاب دیا اور ایک تعلقہ گوجروں کا جو گنگا کے کنارے غربی اور جمنا کے کنارہ شرقی کے مابین تھا عطا کیا یہ سردار راجہ اجیت سنگھ کے نام سے تاریخ میں مذکور ہے

(باقی آئندہ)

مصارفِ زکوٰۃ کے سلسلے میں چند ضروری باتیں

استفسار

(جناب مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی)

"مصارف زکوٰۃ میں "فی سبیل اللہ" کی تحدید و توسیع کا مسئلہ بہت کافی غور طلب ہے اور اس کے مختلف پہلو بحث و تحقیق کے محتاج ہیں اس سلسلے میں قاضی ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں جو کچھ فرمایا ہے اس کو پیش نظر رکھنا بہرحال ضروری ہے ہم سردست اصلاحی صاحب کا یہ استفسار اس توقع پر شائع کر رہے ہیں کہ حضرات علماء ان مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اس پر غور فرمائیں گے جن کی جانب فاضل مضمون نگار نے توجہ دلائی ہے۔ (برہان)

زکوٰۃ کے مصارف میں ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے جس کے بارے میں عام مفسرین اور فقہا یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اعانت مجاہدین اور وہ سامان جہاد ہے جو ان کی ملک میں دے دیا جائے بعضوں کے نزدیک سفرِ حج بھی اسی کے تحت داخل ہے جیسا کہ ام معقل والی حدیث میں آگیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا "فی سبیل اللہ" کے مصرف کو اس سے زیادہ وسعت دیجا سکتی ہے یعنی تبلیغ و اشاعت اسلام اور اقامت دین کے دوسرے کاموں میں بغیر تملیک کے بھی زکوٰۃ کا مال فی سبیل اللہ کے تحت صرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

میرے علم میں قدماء میں سے کسی کی رائے توسیع کی موافقت میں نہیں ہے البتہ کتاب الاموال میں انس بن مالک کا ایک اثر مل گیا ہے جس سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے وہ اثر یہ ہے عن انس بن مالک والحسن قالا ما اعطیت فی الجسور والطرق فھی صدقۃ ماضیۃ"

اسمٰعیل بن ابراہیم جو ابن علیہ کے نام سے مشہور ہیں اس اثر کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "انما تجزی من الزکوٰۃ" کتاب الاموال ص۵۸۵

امام ابو یوسف کے متعلق عام فقہاء نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے فی سبیل اللہ سے مراد جہاد ہی لیا ہے لیکن کتاب الخراج دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تحدید کے قائل نہیں تھے مصارف کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فاالمولفۃ قلوبھم[1] قد ذھبو والعاملون[2] علیھا لیعطیھم الامام مایکفیھم وان قل من الثمن او اکثر اعطی الوالی منھا ما یسعہ[3] ویسع عمالہ من غیر سرف ولاتقتیر وقسمت بقیۃ الصدقات بینھم۔ فللفقراء[3] والمساکین سھم۔ وللغارمین وھم الذین لایقدرون علی قضاء دیونھم سھم وفی[4] ابناء السبیل المنقطع بھم سھم۔ یحملون بہ ویعاونون وفی الرقاب[5] سھم وسھم[6] فی اصلاح طرق المسلمین الخ

خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں اور آٹھواں مصرف جس سے مراد "فی سبیل اللہ" ہی ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے یا بعد اس مصرف کی تشریح نہیں کی ہے اور نہ تشریح میں قرآن کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

بخاری باب القسامۃ اور ابو داؤد "باب القتل بالقسامۃ" میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن سہیل کے قتل کے سلسلہ میں زکوٰۃ کے سو اونٹ دیت کے طور پر دئے (فوداہ مائۃ من ابل الصدقۃ) بعض روایتوں میں (من عندہ) کا لفظ ہے، بہر حال ترجیح جس لفظ کو بھی ہو لیکن من ابل الصدقۃ کے لفظ کو محدثین نے رد نہیں کیا ہے بلکہ اس کو تسلیم کر کے دونوں روایتوں میں تطبیق دی ہے۔ پوری تفصیل فتح الباری میں موجود ہے (ص۲۰۶ ج۱۲)

اسی روایت کے ماتحت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علماء کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے مال کو مصالح عامہ کے کاموں میں صرف کرنا جائز سمجھتے ہیں اور وہ خود بھی اسی کے قائل تھے (فتح الباری)

البدائع والصنائع میں ہے کہ اما قولہ فی سبیل اللہ عبارۃ عن جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ وسبل الخیرات (ج۲)

حال کے مفسرین میں نواب صدیق حسن خاں صاحب نے قیل کے لفظ سے مصالح عامہ کے جواز کا قول نقل کیا ہے۔ ان کے علاوہ علامہ رشید رضا مصری اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ نے اپنی تفسیروں میں وسعت دی ہے۔ حضرت الاستاد جناب سید صاحب نے بھی سیرت کی پانچویں جلد میں وسعت ہی کا پہلو اختیار کیا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور بات قابل غور ہے کہ عام فقہاء کرام للفقراء اور اس کے معطوفات علیہ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ اس پر لام "تملیک" کا ہے اور قرآن میں "فی سبیل اللہ" کا لفظ جہاں کہیں آیا ہے اس سے مراد جہاد ہی ہے۔ اس کے متعلق حضرت سید صاحب نے سیرت میں جو کچھ لکھا ہے ہم اسے نقل کرتے ہیں۔

"اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی ابھی آیت گذر چکی ہے للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دین کا کام مراد ہے اکثر فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملکیت بنانا ضروری ہے۔ مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت کچھ مشتبہ ہے ہوسکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (سیرت جلد ۵ ص۲۳۷)

ابن عربی مالکی نے کتاب الاحکام میں لکھا ہے کہ واختلف العلماء فی معنی الذی افادت هذه اللام لام الاجل کقولك هذا السرج للدابة والباب للدار وبه قال مالك وابوحنيفه ومنهم من قال ان هذا لام التمليك كقولك هذا المال لزيد وبه قال الشافعی۔

اس وقت اقامتِ دین کے کاموں اور مدارس کے قیام و بقاء کی اہمیت ملحوظ خاطر رہے نیز یہ کہ اس وقت ان مدات کے خرچ کرنے میں سب عربی مدارس میں جو فقہی حیلے کئے جاتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے جب تملیک کا مسئلہ نص کی حیثیت نہیں رکھتا تو فقہی حیلوں کے بجائے اس کو اصولی طور پر کیوں نہ تسلیم کرلیا جائے۔ اور بہر حال حیلہ کی حیثیت اباحتِ مرضیہ کی نہیں بلکہ دین کی روح کے لحاظ سے تو غیر مرضیہ ہی معلوم ہوتی ہے۔

اَدبیات

رثاءِ اقبال

از

(مولانا مناظر احسن گیلانی)

حیدرآباد ہی میں تھا کہ مرحوم ڈاکٹر اقبال نور اللہ مرقدہ کی وفات کی خبر نے دل و دماغ میں جو ہیجان پیدا کر دی اضطراری کیفیت اور اضطرابی جذبات نے نظم کی صورت اختیار کی، لکھ لی گئی اور حسب دستور طاقِ نسیاں کے حوالہ کر دی گئی، یعنی ۳۸ء میں۔ شمل شاہ جہاں پوری کی نظم کو دیکھ کر طاقِ نسیاں والی بھی نظم یاد آئی اور قارئین برہان کے لئے بھی بھولی بسری نظم اتار کر برسوں کے بعد پیش ہو رہی ہے۔

(مناظر احسن گیلانی)

اخلاص و وفا کی زندہ تصویر　　اسلام کا فخر دین کی توقیر
وہ مستِ الستِ بادۂ عشق　　برہم زنِ قصرِ عقل و تدبیر
محرابِ کمانِ قصرِ اسلام　　وہ ترکشِ دینِ حق کا شہ تیر
امت کو ملی ہے آج تجھ سے　　قرآن کی اک جدید تفسیر
اس عہد میں ہے کلام تیرا　　اسلام کی ایک زندہ تعبیر
ملّت نے جب اپنا ملک کھویا　　تب تیرا قلم بنا جہاں گیر
توڑا زورِ قلم سے تو نے　　اہلِ مغرب کا دامِ تزویر
دل جو تھے اسیرِ یاس و حرماں　　پیدا کیا ان میں عزمِ تسخیر

دنیا کے تھے جتنے جھوٹے رشتے کی ان کی ہمیشہ تو نے تحقیر
شیرازۂ دین کو اس سے جکڑا قدرت سے ملی تجھے جو زنجیر
گم کردۂ آشیاں پرندے فتراک کے تیرے اب ہیں نخچیر
دی تو نے خودی کی تیغِ براں مسلم نہیں اب رہینِ شمشیر
جز ذوقِ یقیں بنایا تو نے تقریر فضول، لغو تحریر
ایوانِ یقین ہل رہا تھا کی تیرے قلم نے اس کی تعمیر
قدرت کے عجیب ہیں کرشمے کہتے ہیں اسی کو دیکھو تقدیر
پالا جو گیا تھا سے کدے میں مسجد[1] میں بنا وہ پیروں کا پیر
نورِ دلِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہے قبر کی جس سے تنویر
سالار کا اپنے اب قدم چوم اصحاب سے ان کے ہو بغل گیر

[1] یعنی لاہور کی شاہی مسجد میں ان کی آخری خوابگاہ تعمیر ہوئی ۱۲

غزل

(جناب الم مظفر نگری)

پھر کہاں یہ سرخوشی ساقی خمار آنے کے بعد لا دیتے جا متصل پیمانہ پیمانے کے بعد
کسوتِ مینا میں تو صرف موجِ برق تھی بن گئی کچھ اور شے ہونٹوں تک آجانے کے بعد
سازِ الفت بڑھ سکا اب تک نہ سوزِ حسن سے شمعِ محفل صبح تک جلتی ہے پروانے کے بعد
بیخودیِ غم میں تھے جلوے کئی پیشِ نظر کچھ نظر آتا نہیں اب ہوش آجانے کے بعد
صبر لازم ہے ابھی اے تشنہ کامانِ سرور خم کی باری آئے گی شیشے کے پیمانے کے بعد
شمعِ محفل کی زباں پر تو صلائے عام تھی کیوں نہ اٹھا کوئی بزمِ غم سے پروانے کے بعد
روزِ اول سے یہی ہے سنتِ بزمِ جنوں صدرِ محفل ہو یہاں دیوانہ دیوانے کے بعد

اے مسافر یاد رکھ اتنا کہ راہِ شوق میں — منزل اس منزل سے آتی ہے گزر جانے کے بعد
کر رہا ہے میکدے میں فاش اسرارِ ازل — بادہ آشامِ طریقت ہوش میں آنے کے بعد
کون دے اہلِ جنوں کو دعوتِ جوشِ جنوں — اب بہاریں ہیں نہ گلشن تیرے دیوانے کے بعد

مدتوں سے ہیں الم بیگانہ اہلِ جہاں
دور رہتے ہیں ہر اک سے عشق فرمانے کے بعد

غزل

(جناب انور صابری)

روتے روتے عمر گنوائی — پھر بھی محبت راس نہ آئی
بھید کو دل کے دل ہی میں رکھ لے — منہ سے نکلی بات پرائی
دردِ جگر میں پھر ہے کمی سی — اے غمِ جاناں تیری دہائی
ظلمتِ غم میں شمعِ تصور — خود ہی جلائی خود ہی بجھائی
لاکھ وفا نے گیت سنائے — ان کی جفا کو نیند نہ آئی
کس سے کرم کی آس لگائیں — ان کا زمانہ ان کی خدائی

رہ گئے وہ دل تھام کے انورؔ
ہم نے غزل جب اپنی سنائی

تبصرے

رعنائیاں از برج لال صاحب رعنا بی۔اے تقطیع متوسط، صفحات ۱۲۸، کتابت، طباعت صاف، قیمت مجلد مع گرد پوش ۴ٍ/ پتہ:۔ مکتبہ شان ہند دہلی،

رعنائیاں راولپنڈی کے نوجوان شاعر مسٹر برج لال جگی رعنا کے کلام کا دلچسپ مجموعہ ہے مجموعے کا بڑا حصہ رباعیوں پر مشتمل ہے باقی حصے میں غزلیں اور نظمیں ہیں،

ملک کی تقسیم کے نتیجے میں جہاں اردو کے بہت سے شاعر اور ادیب ہندوستان سے پاکستان چلے گئے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ دلی کو اٹھا کر کراچی پھینک دیا گیا بہت سے باکمال ادیب، شاعر اور انشا پرداز پاکستان سے ہندوستان آگئے یا یوں کہئے کہ لاہور سے دلی پھینک دئے گئے چنانچہ یہ تاریخی شہر آج مغربی پنجاب سے آئے ہوئے شاعروں، ادیبوں اور مصنفوں کا گلستان بنا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک اردو کے چرچوں اور ہماہمی کا تعلق ہے نوعیت کی تبدیلی کے باوجود دہلی میں وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے، سبھاؤں پر سبھائیں اور انجمنوں پر انجمنیں بن رہی ہیں اور مغربی پاکستان کے بچھڑے ہوئے تمام خوش ذوق اور سنجیدہ مذاق ہندو اس کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں،

جگی رعنا کا شمار بھی انھیں سنجیدہ دماغ اور رنگین بیان شاعروں میں ہے جن کی شگفتہ مزاجی سے آج اجڑی ہوئی دہلی کے بدلے ہوئے ادبی اجتماعات کی رونق دوبالا ہو رہی ہے، رعنا نوجوان ہونے کے باوجود پختہ فکر شاعر ہیں اور اس وادی کے نشیب و فراز سے اچھی طرح باخبر ہیں،

اصناف سخن میں رباعی ایک ایسی صنف ہے جس میں وسعتِ بیان کی مطلق گنجائش نہیں ہوتی چار مصرعوں میں پورا مضمون اس پابندی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ چوتھا مصرعہ پہلے تین

مصرعوں سے مختلف حیثیتوں سے ممتاز ہوتا ہے، سننے والا پہلے تین مصرعے سن کر ہمہ تن گوش ہو جاتا ہے اور چوتھا مصرعہ سنتے ہی پھڑک اٹھتا اور سر دھننے لگتا ہے، جس رباعی کے چاروں مصرعے ہموار ہوں اور اس کے چوتھے مصرعے میں یہ خصوصیت نہ ہو تو وہ رباعی بے کیف اور فنی اعتبار سے ناقص سمجھی جاتی ہے۔

رعنا کی رباعیوں میں اس مشکل صنف کی تمام خصوصیتیں اور نزاکتیں بوجہ اتم پائی جاتی ہیں، ۱۳۴ رباعیوں میں ایک بھی ایسی نہیں جس میں کوئی خاص فنی سقم پایا جاتا ہو۔ عام انداز بیان یہ ہے

امید کی بھولی سی کہانی ہوں میں ... ایک پیکر آشفتہ بیانی ہوں میں
محروم تمنا ہی رہا دنیا میں ... شاید کسی مفلس کی جوانی ہوں میں

جو شاخ ہے شمشیر نظر آتی ہے ... جو موج ہے زنجیر نظر آتی ہے
رعنا مجھے معمورۂ خشک و تر میں ... بیداد کی تصویر نظر آتی ہے

اک اڑتے ہوئے رنگ کی تصویر ہوں میں ... اک خواب پریشان کی تعبیر ہوں میں
میں لاکھ حجابوں میں بھی عریاں ہی رہا ... شاید کسی نادار کی تقصیر ہوں میں

ہر رنج مسرت کی خبر لاتا ہے ... ہر شعلۂ برق پھول برساتا ہے
آتا ہے محبت میں اک ایسا بھی مقام ... ہر چیز کا امتیاز اٹھ جاتا ہے

رباعیوں کے علاوہ غزلیں اور نظمیں بھی لطیف و دل پذیر ہیں جن کو پڑھ کر شاعر کے فنی کمال اور طبیعت کی موزونیت اور ہمہ گیری کا اندازہ ہوتا ہے۔ "ابر رواں" "اقبال کا نظریۂ حیات" اور "چراغ" خاص طور پر پڑھنے کے لائق نظمیں ہیں۔ ابر رواں کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

فلک پر ابر رواں کے سیاہ پرچم ہیں
نہیں یہ میری پریشانیاں مجسم ہیں
نہیں یہ مانی خورشید کی ہیں تحریریں
فضا میں آب سے کھینچی ہوئی ہیں تصویریں

نہیں یہ رحمتِ باری کا شامیانہ ہے
کہ جس کا سایہ کلیدِ شراب خانہ ہے
نہیں یہ عشق کا کھیلا ہوا نشانہ ہے
کہ جس میں آہ کا اڑتا ہوا ترانہ ہے

اردو آسان کتاب حصہ اول مؤلف مولوی یوسف صاحب جلال آبادی (فاضل کلکتہ) پروفیسر اردو کالج سلہٹ۔ تقطیع متوسط ضخامت ۶۷ صفحات، کتابت بہتر، طباعت معمولی قیمت ۸ر پتہ :۔ انجمن معارف گاس باڑی، سلہٹ۔

اس کتاب میں باسٹھ سبق ہیں، ان سبقوں کو اگر محنت اور توجہ سے یاد کر لیا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو کی ابتدائی تعلیم میں ان سے خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے، مؤلف نے اس رسالے کی تالیف میں زیادہ سے زیادہ آسان زبان اختیار کی ہے اور ترتیب بھی بڑی حد تک دل نشین رکھی ہے، صاحب کتاب کے خیال کے مطابق کتاب کی چند خصوصیتیں یہ ہیں۔

(۱) یہ کتاب ہندو مسلم بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔

(۲) حروف کی پہچان کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ کے سکھانے کا خیال رکھا گیا ہے۔

(۳) ابتداء کے چودہ سبقوں میں حروف کی چھوٹی شکلوں سے احتراز کیا گیا ہے۔

(۴) اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو لکھنا اور جملہ بنانا آ جائے

(۵) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر نئے سبق میں آموختے کے سوا صرف دو ہی چند نئے الفاظ آئیں جن کے لئے یہ سبق لکھا گیا ہو۔

تلاوت آسان قاعدہ حصہ اول از مؤلف مذکور تقطیع متوسط ضخامت ۱۶ صفحات قیمت ۱ر پتہ :۔ عبد المتین تاجر کتب گاس باڑی ضلع جلال آباد پوربی پاکستان۔

یوسف جلال آبادی صاحب بچوں کے لئے آسان کتابیں لکھنے کا اچھا سلیقہ رکھتے ہیں اور ان کو اس خدمت سے خاص شغف معلوم ہوتا ہے زیر نظر قاعدہ آپ کے اسی سلیقہ اور

مذاق کا نتیجہ ہے۔

بچوں کے لئے ابتدائی کتابیں لکھنے کا کام نہایت آسان بھی ہے اور بے حد مشکل بھی اس لئے اس طرح کے قاعدوں اور کتابوں کے افادے کا صحیح اندازہ بچوں، بچیوں کو پڑھانے والے معلم ہی کر سکتے ہیں اور اس کے لئے بھی کافی وقت درکار ہوتا ہے۔

اس قاعدے کے دو حصے ہیں ہمارے سامنے اس وقت صرف حصہ اول ہے جس میں ۸ سبق ہیں، ہر سبق کے ساتھ ضروری ہدایتیں بھی دی گئی ہیں، آٹھواں سبق تشدید کی پہچان پر ختم کیا گیا ہے مؤلف کا خیال یہ ہے کہ اگر حصہ اول کے متصل ہی حصہ دوم شروع کرا دیا جائے تو چند روز میں قرآن پڑھنا آجائے گا، بچوں کے معلموں کو دوسرے قاعدوں کے ساتھ اس قاعدہ کا بھی تجربہ کرنا چاہئے۔

ندوۃ المصنفین کی جدید شاندار کتاب

عرب اور اسلام

"عرب اور اسلام" پروفیسر فلیپ کے ہتی کی شہرۂ آفاق انگریزی کتاب HISTORY OF THE ARABS کے خلاصے THE ARABS A SHORT HISTORY کا نہایت کامیاب اور شاندار ترجمہ ہے۔

اس جامع خلاصے میں، پروفیسر حتی نے خاص طور پر ایسے اجزا شامل کئے ہیں جن کے ذریعے مغرب کو اسلام سے، اسلام کے پیغام اور اس کی خدمات سے اور انسانیت پر اس کے احسانات سے روشناس کرایا جا سکتا تھا۔

پروفیسر مذکور نے فی الحقیقت تاریخ نویسی اور حقیقت نگاری کا حق ادا کر دیا ہے کتاب کے مترجم پروفیسر سید مبارز الدین صاحب رفعت ایم اے ہیں جو اس وقت نوجوان پروفیسروں میں صف اول کے مترجم سمجھے جاتے ہیں، صفحات ۲۵۰ قیمت ہے مجلد للعہ

REGISTERED No E.P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ "برہان" (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے، مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا پانچواں حصہ) قیمت [illegible] مجلد [illegible]

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ)۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد [illegible]

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت [illegible]، مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت [illegible]۔ مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت [illegible] مجلد [illegible]

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت [illegible] مجلد۔

برہان

جلد بست و ہفتم — شمارہ نمبر ۳

ستمبر ۱۹۵۱ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

پچھلے دنوں بعض اخبارات میں مدیر ترجمان القرآن کا ایک فتویٰ کا چرچا رہا۔ اگرچہ موصوف کی علمی حیثیت اور دینی بصیرت ہمارے نزدیک ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ ان کے کسی فتوے یا کسی تحریر پر رسالہ میں کچھ لکھا جائے لیکن چونکہ یہ فتویٰ مسلمانوں کے ایک خاص طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے اس بنا پر ہم ذیل میں اس کا جائزہ صرف شرعی حیثیت سے لیتے ہیں۔

اس فتویٰ میں دو باتیں بہت عجیب کہی گئی ہیں ایک یہ کہ پاکستان دارالاسلام ہے اور ہند دارالکفر اور دوسرے یہ کہ چونکہ ان دونوں ملکوں میں اختلاف دارین پایا جاتا ہے اس لئے ان دونوں ملکوں کے مسلمانوں میں باہم شادی بیاہ کے تعلقات نہ ہونے چاہئیں اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہے کہ اگر میاں بیوی میں یہ اختلاف دارین پیدا ہوگیا ہے تو فریقین میں سے جو چاہے اپنے ملک کی عدالت میں درخواست دے کر تفریق کرا سکتا ہے" سب سے پہلے قابل غور یہ بات ہے کہ پاکستان دارالاسلام کیوں ہے اور ہند دارالکفر کیوں؟ ان دونوں ملکوں پر یہ حکم ان دساتیر کے پیش نظر لگایا گیا ہے جن پر عمل کرنے کا عہد یہ ملک کرتے ہیں یا اس حکم کا دار و مدار ان حالات و واقعات پر ہے جو دونوں جگہ برپا ہیں اور ان معاملات پر اس کی بنیاد ہے جو دونوں ملکوں کے مسلمانوں کے ساتھ الگ الگ کئے جا رہے ہیں اگر دوسری صورت ہے تو پاکستان کو دارالاسلام کہنا اسلام کی کھلی ہوئی توہین اور اس کے ساتھ تمسخر کرنا ہے۔ اگر کسی ایسے ملک کو جہاں حدود اللہ جاری نہ ہوں جہاں محرماتِ شرعیہ کی گرم بازاری ہو۔ جہاں فسق و فجور کی زندگی کے لئے کوئی قانونی روک ٹوک نہ ہو۔ اور جہاں عقودِ فاسدہ کا عام رواج ہو۔ محض اس بنا پر دارالاسلام کہا جا سکتا ہے کہ وہاں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ ہے اور وہ رسومِ شرعیہ کو آزادی کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انگلینڈ اور امریکہ کو دارالاسلام کیوں نہ کہا جائے۔ علاوہ بریں سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ اگر پاکستان بالفعل دارالاسلام ہے تو جماعت اسلامی جو مسلسل وہاں کی گورنمنٹ کے خلاف قلمی جہاد کر رہی ہے۔ وہ آخر کیوں اور کس غرض سے ہے؟ اور اس کا منشا کیا ہے؟

اور اگر پہلی صورت ہے یعنی پاکستان کو دارالاسلام کہنے کی وجہ وہ قرارداد مقاصد ہے جس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پاکستان کا آئین و دستور اسلامی ہوگا تو اگرچہ یہ بات نہایت حیرت انگیز ہے کہ اسلامی آئین و دستور اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے مکمل اور مدون ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان میں ایک دستور ساز اسمبلی موجود ہے جس کے ممبر غیر مسلم بھی ہیں اور یہ اسمبلی پورے چار سال گذر جانے پر بھی اب تک قرارداد مقاصد سے ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکی ہے۔ پھر اگر پاکستان محض قرارداد مقاصد پاس کر دینے سے دارالاسلام بن سکتا ہے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہندا اپنے موجودہ مکمل اور منظور شدہ دستور کی روشنی میں مسلمانوں کے لئے دارالکفر نہیں ہو سکتا کیونکہ ہند کے دستور نے اس ملک کی حکومت کو سیکولر حکومت قرار دیا

ہے۔ اور سیکولر گورنمنٹ کہتے ہی اس کو ہیں جس میں کسی مذہبی فرقہ کے ساتھ جانبداری اور عصبیت کا کوئی معاملہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ یہ دستور اعلان کرتا ہے کہ ملک کے دوسرے فرقوں کی طرح یہاں کے مسلمان بھی اپنے دینی اور مذہبی معاملات میں بالکل آزاد ہوں گے ان کا کلچر اور ان کی تہذیب آزاد ہوگی۔ جہاں تک دستورِ ہند کے اس اعلان کا تعلق ہے اتنی ہی بات دستوری اعتبار سے اس ملک کے دارالامن ہونے کے لئے کافی ہے۔ رہا یہ امر کہ اس سیکولرزم کے اعلان کے باوجود مسلمانوں کو معاملات کیا پیش آرہے ہیں؟ تو سوال یہ ہے کہ پاکستان میں ہی اس کے اعلان کردہ دستور و آئین کے مطابق کون سا عمل ہو رہا ہے، پس اگر ہند میں بھی اس کے دستور کے مطابق پورے طور پر عمل نہیں ہو سکا تو کیا ہوا

نہ سلیقہ مجھ میں کلیم کا نہ قرینہ تجھ میں خلیل کا　　　　میں ہلاکِ جادوئے سامری تو قتیلِ شیوۂ آذری

پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ہند کے دستور پر بالکل عمل نہیں ہوا کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کے جتنے اور جیسے بڑے بڑے علمی اور دینی مراکز ہند میں ہیں پاکستان میں نہیں ہیں جتنے اور جیسے اسلامی ادارے، تاریخی مآثر اور تہذیبی و تمدنی نشانات و امتیازات بھارت میں ہیں اس کے ہمسایہ ملک میں نہیں اور خدا کا شکر ہے کہ یہ سب ادارے آزادی کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور اور حکومت کی طرف سے اون پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے یہاں مسلمانوں کو جو مذہبی اور دینی آزادی حاصل ہے اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ پاکستان میں جماعت اسلامی کے امیر کو مع ان کے رفقاء کے نظر بند کیا گیا، جماعت کے اخبارات سے ضمانت طلب کی گئی اور جماعت کے دفتر کی تلاشی لی گئی لیکن یہ ہی جماعت ہے جس کے سرگرم کارکن ہند میں تحریراً و تقریراً جماعت کا کام کھلے بندوں کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود نہ جماعت کا کوئی کارکن آج تک گرفتار ہوا اور نہ اس کے کسی اخبار یا رسالہ سے ضمانت طلب کی گئی۔ علاوہ بریں تناسب آبادی کے لحاظ سے کم سہی لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمان وزارت سے لے کر گورنری اور ممالک غیر میں سفارت تک کے عہدوں پر اور حکومت کے ہر شعبہ میں کام کر رہے ہیں اور چونکہ موجبہ کلیہ کی نقیض سالبہ جزئیہ ہوتی ہے اس بنا پر بحالت موجودہ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ ہند میں مسلمان شریکِ حکومت

نہیں ہیں اور یہ ملک ان کے لئے ایک اجنبی ملک ہو گیا ہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو بعض معاملات میں دشواریاں پیش آ رہی ہیں لیکن اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا پاکستان میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں ہی مسلمانوں کو اسی قسم کی یا ان سے کسی قدر مختلف قسم کی دشواریاں پیش نہیں آ رہی ہیں پھر کیا ہند میں صرف مسلمان ہی حکام وعمال حکومت کی چیرہ دستیوں کے شکار ہیں ؟ کیا خود ہندو اور سکھ عوام پناہ گزینوں کا شکار نہیں ہیں ؟ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو عملی زندگی میں جو بعض تلخ و ناگوار واقعات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اس کی وجہ حکومت کی پالیسی اور اس کا دستور نہیں بلکہ سبب صرف یہ ہے کہ چند در چند اسباب کی بنا پر حکومت ابھی اس قدر مضبوط نہیں ہو سکی ہے کہ وہ اپنی پالیسی اور اپنے عزائم و مقاصد کو کلی طور پر عملی جامہ پہنا سکے یہ بے شک حکومت کی کمزوری ہے لیکن اس کمزوری کے اثرات ہندو اور مسلمان دونوں پر یکساں پڑ رہے ہیں کسی کے لئے کسی رنگ میں اور کسی کے لئے کسی رنگ میں۔ یہ حکومت اگر مضبوط ہوتی ہے تو پھر اس کے بھی اثرات اسی طرح ہر ایک کے حق میں یکساں ہوں گے۔ بہر حال سطور بالا میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ہند مسلمانوں کے لئے شرعی اعتبار سے دستوری اور آئینی طور پر دارالامن ہے اور اس بنا پر یہ ملک اور یہاں کی حکومت جس طرح ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کی بھی ہے اور اس کو دارالکفر کہنا سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

ممکن ہے صاحب فتویٰ کے نزدیک کسی ملک کی حکومت کا سیکولر ہونا ہی اس ملک کے دارالکفر ہونے کے لئے کافی ہو۔ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر ہند کو اس فتویٰ پر رہا ماننے کی ضرورت نہیں کیونکہ ٹرکی کی اور انڈونیشیا کی۔ اور عراق اور شام کی حکومتیں بھی سیکولر ہیں۔

آخر میں یہ اور عرض کرنا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں میاں بیوی میں تفریق اور بعض عقود و معاملات کے فساد کے سلسلہ میں جو اختلاف دارین کا ذکر آتا ہے تو فقہ کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ اس سے مراد دارالاسلام اور دارالحرب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہند اور پاکستان دونوں متعدد امور و معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے ہیں پھر دونوں ملکوں کا ایک ساتھ کامن ولیتھ کا ممبر ہونا اور دونوں میں سفارتی تعلقات کا قیام یہ خود اس کی دلیل ہے کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں اس بنا پر ہند کو مسلمانان پاکستان کے لئے ہرگز دارالحرب نہیں کہا جا سکتا۔ پس جب وہ دارالحرب نہیں ہے تو اختلاف دارین کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔ جناب مفتی نے دارالکفر کی ایک نئی اصطلاح گھڑی ہے اور اس کو دارالحرب پر منطبق کر رہے ہیں ! سبحان اللہ !

بریں علم و دانش بباید گریست

م

تدوینِ حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۲۰)

آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا

یا اخا بنی عامر سلنی عما قال اللہ ورسولہ فانا اھل البیت اعلم بما قال اللہ ورسولہ ابن سعد ج ۶ ص ۲۶	اے قبیلہ بنی عامر کے آدمی پوچھ مجھ سے ان امور کے متعلق جو اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا ہے کیونکہ ہم گھر کے لوگ ہیں (یعنی رسول اللہ کے گھر کے آدمی ہیں) اللہ اور رسول کی باتوں کو زیادہ جانتے ہیں

آگے کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک طویل گفتگو مصنفیؒ سے آپ نے فرمائی جس کا ابن سعد نے ذکر نہیں کیا ہے۔ آخر ایک ہی شخص کے طرز عمل میں اختلاف اور اتنا شدید اختلاف بلا وجہ پیدا نہیں ہو سکتا، لوگ سوچتے نہیں ورنہ عام کتابوں میں آپ کا جو یہ قول نقل کیا جاتا ہے ملا ذہبی نے بھی خزیمہ بن نصیر کے حوالہ سے اس کو تذکرۃ الحفاظ میں درج کیا ہے یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے۔

قاتلھم اللہ ای عصابۃ بیضاء سودوا وای حدیث من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افسدوا	خدا انھیں غارت کرے کتنی روشن جماعت کو انھوں نے سیاہ کر دیا۔ اور رسول اللہ کی کتنی حدیثوں کو انھوں نے بگاڑ دیا۔

بلا شبہ اس میں کسی خاص جماعت کا آپ نے نام نہیں لیا ہے اور راوی نے چوں کہ حضرت سے ان الفاظ کو اس وقت سنا تھا جب صفین میں آپ معرکہ آرائی میں مصروف تھے، لیکن جن تفصیلات کو آپ اب تک سن چکے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا اس میں شک کی گنجائش ہے کہ آپ کا اشارہ ان ہی لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے صحابیت کے خلاف طوفان اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیوں کی جیسی قدوسی جماعت کو رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی اور اپنے اسی ملاپاک غرض کے حصول کے سلسلہ میں بے سروپا روایات کے جس ذخیرے کو مسلمانوں میں پھیلا دیا جن کی وجہ سے صحیح حدیثوں کا مسئلہ بھی مشتبہ ہو گیا، گیہوں کے ساتھ گھن بھی پسا جلا جا رہا تھا یقیناً ان ہی دونوں فتنوں کے جو بانی تھے ان ہی کی طرف آپ کا اشارہ ہے۔ بہر حال اس فقرے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر کی حدیثوں کے متعلق اشتباہی تاریکیاں جو پھیلا دی گئی تھیں اس کا آپ کو کس قدر افسوس تھا۔

پھر اسی دینی مصیبت کے مقابلہ میں اگر مذکورہ بالا تدبیر آپ نے اختیار فرمائی تو اس پر کیوں تعجب کیا جاتے؟ افسوس ہے کہ حدیثوں کی اشاعت و تبلیغ کے متعلق آپ کے طرز عمل میں یہ تبدیلی جیسا کہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کوفہ پہنچنے کے بعد ہوئی لیکن کوفہ کے قیام کی مدت ہی کتنی ہے، کم و بیش یہ چار ساڑھے چار سال کا زمانہ ہے اور یہ چند سال حضرت کے جن حالات میں گذرے ہیں ان سے کون ناواقف ہے جمل کے فتنہ سے فارغ ہو کر کوفہ تشریف لائے پھر کیا ایک دن بھی آپ کو اس کے بعد چین سے بیٹھنے کا موقعہ ملا، زیادہ وقت تو صفین کی جنگ کے نذر ہوا، پھر خوارج نکل پڑے، الغرض شامیوں اور خارجیوں کی آویزش ہی میں یہ ساری مدت قریب قریب ختم ہوئی، اور اسی عرصہ میں جب فتنوں کا یہ سیلاب مختلف شکلوں میں برپا ہی تھا کہ آپ کی شہادت کا فاجعہ پیش آگیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس شخص کے عزم و استقامت کا یہ حال ہو کہ صفین کی مشہور خطرناک رات جس کا تاریخ میں لیلۃ الہریر کے نام سے تذکرہ کیا گیا ہے دونوں صفیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ گتھی ہوئی تھیں گھمسان کا رن پڑا ہوا تھا لیکن لکھا ہے کہ رات کی نماز اور اوراد و وظائف کا وقت

اسی حال میں آگیا، کسی کو کسی کی خبر نہ تھی لیکن حضرت نے حکم دیا کہ نطع (چمڑے کا فرش) ٹھیک اسی مقام پر بچھا دیا جائے جہاں صف میں آپ کھڑے ہوئے تھے، حضرت والا گھوڑے سے اتر کر جانماز پر اسی حال میں جم گئے دیکھنے والوں نے دیکھا تھا کہ

فیصلی علیہ ورد ہ والسہام	اسی پر اپنے مقررہ وظائف آپ نے پورے کئے
تقع بین یدیہ وتمر صماخیہ یمینا	حالانکہ تیر ان کے آگے بھی گر رہے تھے اور کان کے
وشمالا فلا یرتاع لذلک ولا یقوم	پردوں کے سامنے دائیں بائیں گذر رہے تھے مگر
حتی یفرغ من وظیفتہ	دل میں کسی قسم کی دہشت پیدا نہیں ہوتی تھی اور
ص۱ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید	جب تک اپنے وظیفہ سے فارغ نہ ہو جاتے نہ اٹھتے

آپ کے عزم و ارادے کی یہی قوت تھی جس نے ان ہی حالات میں آپ کو آمادہ کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح معلومات کا جو ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت ان روایتوں کے مقابلہ میں کی جائے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے سبائیوں نے مسلمانوں میں پھیلا دیا تھا۔

حیرت ہوتی ہے کہ کوفہ کے قیام کی اسی مختصر مدت میں بے اطمینانی اور انتشار و تشویش کے اسی ماحول میں خدا جانے کتنوں کو آپ نے قرآن مجید پڑھایا، اگر ایک طرف کوفہ کے مشہور قاری ابو عبدالرحمن السلمی کہا کرتے تھے۔

اخذت القراءۃ عن علی ابن سعد ص۱۱۹	میں نے قراۃ علی سے سیکھی

تو دوسری طرف ابوالاسود دؤلی جیسا کہ دنیا جانتی ہے، عربیت اور نحو و صرف کے بنیادی قواعد کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حضرت علی ہی سے پہلی دفعہ ان کو میں نے سیکھا، اور ایک قرآۃ و عربیت کیا اسلام کی فقہ، اسلام کا تصوف حتی کہ مسلمانوں میں فن سپہ گری کے خاص رموز و اسرار کا انتساب حضرت والا کی تعلیم ہی کی طرف کیا جاتا ہے اور جہاں تک قرائن کا اقتضار ہے استفادہ کرنے والوں نے زیادہ تر ان امور کا استفادہ آپ سے اسی زمانہ میں کیا ہے جب آپ کوفہ کی جھونپڑیوں میں مقیم تھے

لہ ابن سعد نے لکھا ہے کہ کوفہ میں حالاں کہ قصر الامارہ موجود تھا لیکن حضرت امیر علیہ السلام نے کوفہ میں قیام کا جب (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

بہرحال جو کچھ بھی ہو آپ نے اسی مختصر مدت میں اپنے ان معلومات کی اشاعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ رکھتے تھے جس وسیع پیمانے پر فرمائی اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ علاوہ صحابہ کے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں صرف ان لوگوں کی فہرست جنھوں نے عموماً قیام کوفہ کے بعد آپ سے حدیثیں سنی ہیں تقریباً پچاس آدمیوں کا نام درج کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "خلائق یعنی ان کے سوا بھی بہت بڑی جماعت آپ سے روایت کرنے والی ہے۔" (دیکھو تہذیب ج ۷ ص ۳۳۵)

اور واقعہ تو یہ ہے کہ ایک نہیں متعدد مجموعے جب اپنے دست مبارک سے لکھ لکھ کر آپ نے لوگوں میں تقسیم کئے تھے جن کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اس زمانے میں تحریری اشاعت کا جس کا یہ حال ہو، زبانی تقریراً روایتوں کے پہونچانے میں اس نے جو کچھ کیا ہوگا اس کا اندازہ کرنا زیادہ دشوار نہیں ہے،

باطل کے مقابلہ میں حق کا یہ سیلاب جو آپ کی طرف سے بہایا گیا تھا یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے باطل کے زور کے توڑنے میں مدد نہ ملی ہوگی، لیکن آپ ہی سے ذہبی نے آپ کا جو یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں سے خطاب کر کے آپ فرمایا کرتے تھے۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون (تذکرہ ج ۱ ص ۱۲)	انھیں باتوں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا کرو جنھیں جانتے پہچانتے ہوں اور جنھیں نہ پہچانتے ہوں ان کو چھوڑ دو

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جعلی حدیثوں کی روایت کرنے کا جو سلسلہ جاری ہو گیا تھا اس کو روکنے کیلئے، روایت کی تکثیر کا جو طریقہ بطور رد عمل کے اختیار کیا گیا تھا، غالباً کافی ثابت نہ ہوا، اسی لئے جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کے لئے مسلمانوں کو ایک اور کسوٹی کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا، جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی کلیات اور اسلامی تعلیم کی روح سے جو حدیثیں مطابق ہوں صرف ان ہی کو قبول کرنا چاہئے، اور قرآن جس دانش و عقل کو آدمی کے اندر پیدا کرتا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ارادہ فرمایا اور لوگوں نے قصر الامارہ میں فروکش ہونے کی آرزو کی تو آپ نے انکار فرمایا، اور رحبۃ الکوفہ (کوفہ کے شہری میدان میں) پھوس کی چند جھونپڑیاں جو پڑی ہوئی تھیں ان ہی میں اہل و عیال کے ساتھ آپ اتر گئے اور اسی حال میں آپ شہید ہو گئے۔

(۱) ... والے میں نے ان الفاظ کا قصداً اضافہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ اگر مطلق عقل کو معیار بنا لیا جائے تو ہر زمانہ کی عقل کا معیار مختلف ہوتا ہے بالکل ممکن ہے کہ آج سے سو سال پہلے کی عقل ایک چیز کو قبول کرتی ہو لیکن سو سال بعد اسی کو قبول کرنے لگے۔ پس اصلی معیار حدیثوں کے رد و قبول کا قرآنی عقل کو قرار دینا چاہئے۔

جو چیزیں اس کے مخالف ہوں ان کو ترک کر دینا چاہئیے، کیونکہ یہ مطلب ان الفاظ کا اگر نہ لیا جائے اور ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھ میں آتی ہے، اس کا مآل تو پھر وہی ہوگا، جو کذب علی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فتنے کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کیا تھا یعنی بالکلیہ حدیثوں کے سننے اور سنانے کے قصے کو ختم کر دیا جائے حالانکہ نہ خود اس پر آپ عامل تھے اور نہ عقلاً یہ بات آدمی کی سمجھ میں آتی ہے آنحضرت والا کی زندگی میں بڑے بڑے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود تھے۔ پھر کیا ان کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ان کی ان ہی روایتوں کو تسلیم کرنا چاہئیے جن سے تم پہلے سے واقف ہو، اور جن کا علم پہلے سے نہ ہو ان کو چھوڑ دینا چاہئیے۔

بہرحال میرا خیال یہی ہے کہ حدیثوں کے رد و قبول کا ایک معیار مذکورہ بالا الفاظ میں آپ نے پیش کیا ہے اور یہ وہی معیار ہے جس پر آخر وقت تک محدثین عامل رہے میں تو سمجھتا ہوں کہ ابن جوزی نے یہ کلیہ بیان کرتے ہوئے کہ

کل حدیث رأیتہ یخالف العقول	جس حدیث کو تم پاؤ کہ عقول اور اصول کے مخالف
او یناقض الاصول فاعلم انہ موضوع	ہے تو سمجھ لیا کرو کہ وہ موضوع یعنی جعلی اور گھڑی ہوئی ہے

اسی کی تشریح ان الفاظ میں جو کی ہے کہ

او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ	یا حدیث ایسی ہو کہ حواس و مشاہدہ اسے مسترد کردے
او مباینا لبعض الکتاب والسنۃ	یا اللہ کی کتاب اور متواتر حدیث یا قطعی اجماع کے
المتواترۃ او الاجماع القطعی	مخالف ہو، یعنی کسی تاویل کی گنجائش اس حدیث
حیث لا یقبل شئ من ذلک	میں باقی نہ رہے۔

التاویل (فتح الملہم للعثمانی ص۱۶)

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیش کردہ معیار ہی کی دوسری تعبیر ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف مقدمہ صحیح مسلم میں ایک روایت یہ بھی جو منسوب کی گئی ہے کہ جعلی حدیثوں کے فتنہ کا تذکرہ کرکے آپ نے فرمایا کہ

لم ناخذ من الناس الا ما نعرف[۱۲۸] ہم لوگوں سے نہیں لیتے مگر ان حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں۔

حالانکہ دوسری روایتوں میں ان ہی ابن عباس کے متعلق یہی کہا گیا ہے کہ اس فتنے کا تذکرہ کرکے کہتے تھے

ترکنا الحدیث عنہ اسی وجہ سے ہم نے حدیث کو ترک کردیا

اگر تعدد روایت پر ابن عباس کے ان دو مختلف بیانوں کو محمول کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے تو انھوں نے بھی ارادہ کیا تھا کہ آئندہ سے حدیثوں کے سننے سنانے کے قصے کو ختم ہی کردیا جائے۔ لیکن پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس پیش کردہ معیار کو آپ نے قبول کرلیا اور اسی کے بعد یہ مسلک اختیار فرمایا کہ صرف ان ہی حدیثوں کو ہم قبول کریں گے جنہیں ہم پہچانتے ہوں یعنی ما نعرف کو قبول کریں گے، ابن عباس کے اسی قول کی شرح کرتے ہوئے الاستاذ العلامہ العثمانی نے بھی لکھا ہے کہ

ای ما یوافق المعروف او نعرف یعنی مانوس جانی پہچانی ہوئی روایتوں کے جو موافق ہوں

فیہ امارات الصحۃ وسمات الصدق یا ان میں صحت کی نشانیاں اور سچائی کے علامات پائے گئے۔

ص ۱۲۸ فتح الملہم

اور یہ بعینہ وہی مطلب ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے الفاظ سے نقیر سمجھا جاتا ہے

واللہ اعلم بالصواب

بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس عجیب و غریب فتنے کے مقابلے میں جس کو اگر بڑھتے ہوئے یوں ہی چھوڑ دیا جاتا تو پیغمبر کے صحابیوں اور پیغمبر کی حدیثوں دونوں کا معاملہ ایسے اشتباہی وساوس کا شکار ہو جاتا، جن کی تاریکیوں کا دور کرنا آسان نہ تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان ہی بے چینیوں اور پریشانیوں میں جن میں آپ کی خلافت کا پورا زمانہ ختم ہوا اس فتنے کی اہمیت کو محسوس کرکے علماً و عملاً آپ سے اس کے مقابلہ میں جس قسم کی کوشش ممکن تھی کرتے رہے جھوٹ کے مقابلہ میں صحیح معلومات کا جو ذخیرہ آپ کے پاس تھا اس کی اشاعت فرماتے رہے اور صحیح حدیثوں کو جعلی و مصنوعی روایتوں سے جدا کرنے کے لئے ایک ایسا علمی معیار مسلمانوں کے حوالہ آپ نے کیا

جو اسی زمانے میں نہیں، بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آخر وقت تک اہل علم اس سے کام لیتے رہے اور آئندہ لیتے رہیں گے۔

لیکن سی کے ساتھ یہ ظاہر ہے کہ آپ کا پیش کردہ معیار بہر حال ایک علمی معیار ہے اس سے صحیح معنوں میں وہی لوگ زیادہ کام لے سکتے تھے یا اب بھی لے سکتے ہیں جن کے متعلق ابن دقیق العید نے یہ سچی بات لکھی ہے کہ

حصلت لهم لكثرة محاولة الفاظ النبي صلى الله عليه وسلم هيئة نفسانية وملكة قوية يعرفون بها ما يجوز ان يكون من الفاظ النبوة ومالا يجوز صـ۱۲ فتح الملهم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارک کی کثرت استعمال اور ان کے برتنے میں مشغولیت کی شدت ان لوگوں میں ایک خاص قسم کا سلیقہ پیدا کردیتی ہے اور ایسی غیر معمولی حذاقت جس کی وجہ سے وہ اس کو پہچاننے لگتے ہیں کہ کون سے الفاظ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب درست ہوسکتا ہے اور کس کا انتساب درست نہ ہوگا

اور ہم دیکھتے ہیں کہ آج ہی نہیں اسی زمانہ میں جس وقت یہ معیار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مسلمانوں میں پیش کیا گیا تھا جو اہل علم کا طبقہ تھا، وہ تو اس سے مستفید ہوا، گذر چکا کہ ابن عباس نے اسی مسلک کو اختیار فرمایا تھا اور ابن عباس تو خیر ابن عباس ہی تھے واقعہ یہ ہے کہ کوفہ کو پایہ تخت خلافت مقرر کرکے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہاں جب قیام اختیار فرمایا تو اس سے پہلے اس شہر میں ایک گروہ ان بزرگوں کا پھیل چکا تھا جن کی تعلیم و تربیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں ہوئی تھی، یہ وہی لوگ تھے جن کو کوفہ میں پاکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا۔

اصحاب عبد الله سرج هذه القرية صـ۱۲ ابن سعد ج ۶	عبداللہ کی صحبت یافتہ لوگ اس آبادی (کوفہ) کے چراغ ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا کوفہ میں کم و بیش بیس سال تک قیام رہا تھا۔ اور ایک بڑا گروہ آپ کے تلامذہ کا کوفہ میں پیدا ہوگیا اہل علم کا یہ گروہ پہلے سے کافی صلاحیتوں کا مالک ہو چکا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تشریف فرمائی نے ان کے لئے وہی کام کیا جو سونے میں سہاگہ کرتا ہے۔ گویا ان کی علمی شراب دو آتشہ ہوگئی، اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی و علمی قیادت کا بہت بڑا حصہ اس وقت تک کوفہ کے ان ہی بزرگوں کو حاصل ہے۔

واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح دوسرے مسائل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس غیر مترقبہ صحبت سے اسی طبقہ نے فائدہ اٹھایا تھا اسی طرح آپ نے حدیثوں کی جانچ کا جو معیار کوفہ والوں کو دیا۔ ایک طرف عبداللہ بن مسعود کے حلقہ کے مشہور رکن علاقمہ کہتے تھے کہ

ان من الحدیث حدیثا له ضوء کضوء النهار نعرفه وان من الحدیث حدیثا له ظلمة کظلمة اللیل تذکرہ ص۱۲۹	حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی روشنی دن کی روشنی کے مانند پہچانی جاتی ہے اور ان ہی حدیثوں میں بعض حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ جن کی تاریکی رات کی تاریکی جیسی ہے جس سے تم مانوس نہ ہوگے۔

یہ اور اس قسم کی بیسیوں عالمانہ باتیں ان بزرگوں سے کتابوں میں منقول ہیں جنہیں ابن مسعود سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد خوش قسمتی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت اتفاقاً کوفہ میں قیام کی وجہ سے میسر آگئی تھی لیکن اسی کوفہ میں حضرت والا کے ارد گرد ایک اور طبقہ بھی جمع ہوگیا تھا جس کو اس ماحول سے استفادہ کا موقعہ نہیں ملا تھا، جو ماحول عہد فاروقی کے ولاۃ و حکام خصوصاً ابن مسعود

ــــــــــــــــــــــــ

لہ آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فرمان کے ساتھ کوفہ بھیجا تھا کہ میں تم لوگوں کے پاس عبداللہ بن مسعود کو معلم اور وزیر بنا کر بھیج رہا ہوں میں نے یہ قربانی کی ہے کہ بجائے اپنے تم لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے رہا ہوں، چاہئے کہ ان سے جو کچھ حاصل کر سکتے ہو حاصل کرو ابن مسعود اس فرمان کے ساتھ کوفہ آئے اور ایک حویلی بنا کر یہیں مقیم ہوگئے ۳۲ھ میں حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ ہی میں وفات پائی تھ میرا اشارہ حنفی مذہب کی طرف ہے جو اس وقت تک روئے زمین کے مسلمانوں کی اکثریت کی دینی زندگی ہے۔ ۱۲

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بدولت کوفہ میں پیدا ہو گیا تھا، زیادہ تر بادیہ عرب کے دیہی سادہ دل سپاہی تھے جو مسلمان ہو ہو کر اسلام کی فوجی چھاؤنیوں میں جنگی اغراض کو پیش نظر رکھ کر آئے دن شریک ہوتے رہتے تھے، بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبائی جو عام مسلمانوں کے ساتھ گھلے ملے ہوتے تھے اور جس میں صلاحیت پاتے ان کو اپنے خاص خیالات سے متاثر کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ خیالات ہی ایسے تھے کہ جس قسم کی ذہنیت ان خیالات کے قبول کر لینے کے بعد پیدا ہو جاتی تھی اس معیار کے استعمال کی صلاحیت اس ذہنیت والوں میں باقی نہیں رہتی جو صحیح حدیثوں کو غلط روایتوں سے جدا کرنے کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگوں کو دیا تھا، خود حضرت علیؓ ہی کے متعلق ان کے خیالات عجیب و غریب تھے اور ان ہی خیالات کی بنیاد پر حضرت والا کے سامنے آپ ہی کو خطاب کر کے ایسی باتیں کہہ دیا کرتے تھے کہ ان کے ذکر سے قلم ہچکچاتا ہے اسی روایت سے اندازہ کیجئے جس کا ذکر حافظ ابن حجر نے حبیب بن صہبان کے حوالہ سے لسان المیزان میں درج کیا ہے یعنی حبیب کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، اسی سلسلہ میں ذکر دابۃ الارض کا بھی آپ کی زبان مبارک پر آیا اور آپ نے اس کے صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

تاکل بفیھا وتحدث باستھا — منہ سے کھاتا ہے اور چوتڑ سے فضلہ نکالتا ہے

حبیب کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رشید ھجری جو کوفہ کے فوجیوں میں ایک ممتاز اور نمایاں سپاہی تھا، عین خطبہ کے درمیان اٹھ کھڑا ہوا، اور حضرت کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ

اشھد انک تلک الدابۃ[1] صفحہ ۴۶ — میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ دابہ تم ہی ہو،

---

[1] قرآن مجید کی سورۂ نمل کی مشہور آیت واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دابۃ من الارض تکلمھم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون میں دابہ کا لفظ جو آیا ہے اس کے متعلق مفسرین کی رائیں مختلف پہلوؤں سے اتنی مختلف ہیں کہ صاحب بحر کو لکھنا پڑا کہ انھم اختلفوا فی ماھیتھا وشکلھا ومحل خروجھا وعدد خروجھا ومقدار ما یخرج منھا وما یفعل بالناس وما الذی تخرج بہ اختلافا مضطربا معارضا بعضہ بعضا فاطرحنا ذکرہ لان نقلہ تسوید للورق وتضییع لزمان نقلہ۔ اسی لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کو مجمل رکھا ہے، ہم بھی مجمل ہی اس کو رہنے دیں۔ اسی سلسلہ میں بعض اسلامی فرقوں خصوصاً شیعوں کے بعض طبقات کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے۔ رشید الھجری کا بھی غالباً یہی عقیدہ تھا ۱۲

افسوس ہے کہ حبیب نے اس کے بعد قصہ کو مختصر کر دیا۔ یعنی آگے صرف یہ بیان کیا کہ

فقال له علی قولا شدیدا | حضرت علی نے یہ سن کر نہایت سخت بات رشید کو کہی

لیکن اس کی تشریح نہیں کی کہ وہ کیا سخت بات تھی۔

اسی رشید الہجری کے متعلق ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اور حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں الشعبی کے حوالہ سے یہ واقعہ جو نقل کیا ہے، اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بادیہ عرب کے ان سادہ لوح سیاہیوں کی ذہنیت کتنی بگاڑ دی گئی تھی۔ قصہ تو طویل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شعبی کو ایک شخص رشید ہجری کے پاس لے گیا۔ اس شخص کے ساتھ الشعبی کو دیکھ کر خاص طریقہ سے رشید نے انگلیاں بند کیں، یہ ایک رمزی اشارہ تھا کہ یہ نیا آدمی ہماری جماعت سے تعلق رکھتا ہے یا کوئی اجنبی شخص ہے۔ شعبی کو جو لے گیا تھا اس نے بھی انگلیوں کی بندش کے اشارے سے جواب دیا جس کا مطلب تھا کہ اپنا آدمی ہے، تب رشید نے قصہ سنانا شروع کیا

میں ایک دفعہ حج کے ارادے سے مکہ گیا، اور حج سے جب فارغ ہو گیا تو دل میں خیال آیا کہ امیر المومنین سے تازہ ملاقات کا شرف حاصل کرنے کے لئے مدینہ چلوں، یہ سوچ کر میں مدینہ پہنچا، اور حضرت علی کے دروازے پر حاضر ہو کر میں نے ایک آدمی سے کہا کہ اندر جا کر سید المسلمین سے عرض کرو کہ رشید الہجری ملاقات کی اجازت چاہتا ہے اس آدمی نے یہ سن کر کہا کہ وہ تو سوتے ہوئے ہیں (رشید کا بیان ہے کہ سید المسلمین کے لفظ سے اس آدمی نے سمجھا کہ میں امام حسن علیہ السلام مراد لے رہا ہوں اسی لئے ان کے سونے کی خبر اس نے دی) تب میں نے کہا کہ حسن سے اجازت لینے کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ امیر المومنین امام المتقین، قائد الغر المحجلین کو اطلاع دو، کہ رشید ہجری حاضر ہوا ہے میرے ان الفاظ کو سن کر آدمی نے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ ان کی تو وفات ہو چکی، تب میں نے اس شخص سے کہا کہ نہیں ان کا انتقال نہیں ہوا ہے وہ زندہ ہیں اور جیسے زندہ آدمی سانس لیتا ہے اسی طرح سانس لے رہے ہیں نرم کپڑا آپ کے سینے سے اس وقت سرابور ہے۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ خیر سبب ابو محمد کے حقیقی راز سے تم واقف ہو تو آؤ اندر چلو حاضر ہو کر حضرت کو سلام کرکے

واپس ہو جانا، لیکن ان کو پریشان نہ کرنا[1]۔

الشعبی نے بیان کیا کہ رشید نے اس کے بعد دعویٰ کیا کہ میں امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا

فانبانی باشیاء تکون[1] ۹۶ تذکرہ ج۱ ۴۶۱ لسان ج۲	پھر آئندہ پیش آنے والی بعض چیزوں سے مجھے حضرت علی نے آگاہ کیا۔

حافظ ابن حجر نے ابن حبان کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے۔

کوفی کان یومن بالرجعۃ ص۴۶۱	وہ "الرجعۃ" کے عقیدے کو مانتا تھا

سمجھا آپ نے "الرجعت" کے اس لفظ کا مطلب؟ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح کے مقدمہ میں اس کی تشریح ان الفاظ میں سفیان ثوری کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ

ان علیا فی السحاب فلا یخرج مع	حضرت علی بادل میں ہیں پھر ان کی اولاد میں کسی شخص
من یخرج من ولدہ حتی ینادی	کے ساتھ لوگ نکلیں گے، جس کے متعلق آسمان
منادٍ من السماء یرید علیا انہ	سے آواز دینے والا آواز دے گا کہ فلاں کے ساتھ
ینادی اخرجوا مع فلان ص۱۳۹	نکلو آسمان سے آواز دینے والے سے مراد حضرت علی کی ذات ہوتی تھی۔

سمجھا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کی عقلی اور ذہنی سطح اتنی پست اور دماغی حال جن کا اتنا زبوں ہو صرف یہی نہیں کہ شہید ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واپسی کی اسی دنیا میں جو منتظر بنائے جا سکتے ہوں بلکہ منوانے والوں نے جن سے یہ تک منوا لیا ہو کہ حضرت بادل میں چھپے ہوئے ہیں بھلا ایسے سادہ لوحوں کے لئے صحیح اور غلط روایتوں کی تمیز کا وہ معیار کیا کارآمد ہو سکتا تھا جس کے استعمال کے لئے جیسا کہ عرض کر چکا ہوں خاص قسم کی ذہانت اور نبوی الفاظ کے شناخت کی خاص بصیرت ہونی چاہئے قرآنی کلیات اور اسلامی روح سے مناسبت اور عدم مناسبت کا پتہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ص۶۹ج۱ میں اور لسان المیزان ص۴۶۱ج۲ میں شعبی کے حوالہ سے رشید ہجری کا بیان نقل کیا گیا ہے دونوں کتابوں کی عبارت میں اجزاء کی کمی و بیشی پائی جاتی ہے میں نے دونوں کتابوں کی عبارت کو پیش نظر رکھ کر رشید کے بیان کا یہاں ترجمہ درج کر دیا ہے ۱۲

ان غریبوں کو کیا چل سکتا تھا، اور سچ تو یہ ہے کہ جن لوگوں کے اندر پیدا کرنے والوں نے اس عقیدے نمک کو پیدا کر دیا تھا، حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں ان ہی لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ھم معتقدون الٰھیۃ علیؓ	وہ حضرت علیؓ کے متعلق اس کا اعتقاد رکھتے ہیں
لسان ص۲۹۰ ج۳	کہ وہ خدا تھے۔

سارے قصے یعنی وفات کے بعد آپ سے ملاقات کا ہونا، آئندہ ہونے والے واقعات سے حضرت کا انتقال ہونے کے بعد آگاہ کرنا اور بادل پر سوار ہو کر فضائے آسمانی میں اس لئے گھومتے رہنا کہ اپنی اولاد میں سے جس کسی کی رفاقت پر لوگوں کو آپ آمادہ فرمانا چاہتے تھے جب وہ اٹھ کھڑا ہو تب بادل ہی سے لوگوں کو آواز دینا کہ میری اولاد میں سے یہ شخص جو کھڑا ہوا ہے، ساتھ دینے والوں کو چاہئے کہ اب اس کا ساتھ دیں شاید الوہیت ہی کے اس عقیدے کے شاخسانے تھے جو عام طور پر بادیہ عرب کے ان سادہ دل فوجیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور یہ کوئی ایک دو آدمی ہی نہیں تھے یحییٰ بن معین کہا کرتے تھے کہ

قد رای الشعبی رشید الھجری	شعبی نے اس گروہ کے لوگوں میں رشید ھجری
وحبۃ العرنی واصبغ ابن نباتۃ	حبۃ العرنی اور اصبغ بن نباتہ کو دیکھا تھا کسی چیز
لیس یساوی ھولاء شیئا	کے برابر نہیں تھے (یعنی ان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی)

ص۴۶ ج۲ لسان

بلکہ ان ہی عامر الشعبی جو حدیث اور فقہ دونوں کے امام الائمہ تابعی ہیں، ان کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کے تمام لوگوں کو جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اردگرد جمع ہو گئے تھے اور "اصحاب علی" کے نام سے اپنے آپ کو موسوم کرتے تھے ان کے متعلق شعبی عموماً اچھے الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے زکریا بن ابی زائدہ نے جو شعبی کے مشہور تلامذہ میں ہیں ایک دفعہ پوچھا بھی کہ

مالك تعيب اصحاب علی وانما	آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ "اصحاب علی" کی طرف عیوب
علمك عنھم	منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کا علم ان ہی سے ماخوذ ہے

(باقی آئندہ)

توراۃ کے دس احکام

اور

قرآن کے دس احکام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ)

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان بابتہ ماہ جون)

"قرآن کے دس احکام" سے پہلے جو آیتیں سورۂ بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہیں ان ہی کے متعلق "توراۃ کے دس احکام" اور ان کے سابق و لاحق فقرات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ذاتی احساسات یا جذبات کو خاکسار نے اب تک پیش کیا ہے۔

باقی "قرآن کے دس احکام" کے بعد اس سورہ میں جو کچھ ہے، تفصیلی بحث اس کی آپ کو قرآن کے مفسرین کی کتابوں میں مل سکتی ہے اور یہ فرض ان ہی لوگوں کا ہے بھی جو قرآن کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں لیکن اپنے اس مضمون میں صرف بعض اجمالی نقاط نظر کا پیش کرنا دس احکام سے ماقبل کی آیتوں کے متعلق بھی مقصود تھا اور یہی غرض ان دس احکام کی مابعد آیتوں کے متعلق بھی ہے۔

بظاہر مابعد کی ان آیتوں کا تعلق قوم یہود سے معلوم نہیں ہوتا بلکہ خطاب کا رخ عام ہے لیکن یہودیوں کی تاریخ کا مطالعہ جن لوگوں نے کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ملک مصر سے جب ان کو نکال لائے اور فلسطین میں آباد ہی ہونے کا نہیں بلکہ ایک قاہرہ حکومت کے قائم کر لینے کا موقعہ بنی اسرائیل کو جب مل گیا تو اپنی حکومت کے مختلف ادوار و قرون میں یہودیوں نے باضابطہ بت پرستی بھی کی ایسی بت پرستی جس میں دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔

بعل جو قدیم بت پرست دنیا کا سب سے زیادہ مشہور دیوتا ہے، سمجھا جاتا تھا کہ عالم محسوسات

کا نگراں وہی ہے بخت نصر نے جس کا شاندار مندر بابل میں تیار کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ بابل کا لفظ اسی بعل ہی کی طرف منسوب ہے شام میں بعلبک کا شہر اسی بعل کی یاد کو تازہ کر دیتا ہے یہودیوں میں اس دیوتا کو مختلف زمانوں میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی اسرائیلیوں کا بادشاہ اخی اب نامی نے فنیقیوں کے بادشاہ اتبعل کی شہزادی ایزبل سے شادی کی اور ایزبل جو موروثی طور پر بعل کی پجارن تھی اس کے مشورے اور حکم سے یہودی بادشاہ اخی اب جیسا کہ کتاب سلاطین میں ہے

بعل کی پرستش کرنے اور اسے سجدہ کرنے لگا اور بعل کے مندر میں جسے اس نے سامریہ میں بنایا تھا بعل کے لیے ایک مذبح تیار کیا۔ سلاطین ۱۶/۳۱

اسی طرح یہودیوں کے بادشاہ منسی کے عہد میں بھی لکھا ہے کہ اس بادشاہ نے بھی بعلیم کے لئے مذبحے بنائے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور سارے آسمانی لشکر کو سجدہ کیا اور ان کی پرستش کی" تواریخ ۳۳/۳

اسی کتاب میں ہے کہ منسی ہی نے

خداوند کے گھر (ہیکل سلیمان یا مسجد اقصیٰ) جس کی بابت خداوند نے فرمایا تھا کہ میرا نام یروشلم میں ہمیشہ رہے گا مذبحے بنائے اور اس نے خداوند کے گھر کے دونوں صحنوں میں سارے آسمانی لشکر کے لئے مذبحے بنائے" تواریخ ۳۳/۳

اسی یہودی حکمران منسی کا ذکر کرتے ہوئے بلیکی صاحب نے بائبل کی تاریخ میں لکھا ہے کہ اس کے عہد میں

بعل کے لئے نہ صرف اونچی جگہیں بنائی گئیں، اور بت تراشے گئے، بلکہ مورتیوں کے وجود سے خود ہیکل (مسجد سلیمان) ناپاک کی گئی۔

آگے اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ

اس کے (بادشاہ منسی اسرائیلی) کے بچے بعل کے سامنے قربانی کے طور پر جلائے گئے اور اس کی رعیت کے لوگ جو اپنے اعتقاد میں کچے تھے اس کی بت پرستی میں جلد شامل ہو گئے" تاریخ بائبل صفحہ ۲۲۹

تاریخ بائبل ہی میں ہے کہ آخذ نامی اسرائیلی بادشاہ کے زمانہ میں بھی دیکھا گیا کہ

بعل کے بت اور مذبح اور اونچے مقام جو بت پرستی کے لئے مخصوص تھے شاہ ادم کے لئے کافی نہ تھے، لہذا اس نے نفرت انگیز حرکات پر یہ اضافہ کیا اور اپنے بچوں کو وادی ھنوم میں قربانی کے طور پر جلایا
اسی بعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سب یہودی علانیہ پوج رہے تھے، کتاب سلاطین میں ہے کہ ایلیاہ یعنی حضرت الیاس علیہ السلام یہودیوں میں مبعوث ہو کر فرمایا کرتے تھے

تم کب تک دو خیالوں میں ڈانوا ڈول رہو گے اگر خداوند خدا ہی خدا ہے تو اس کے پیرو ہو جاؤ، اور اگر بعل ہے تو اس کی پیروی کرو۔ سلاطین باب

قرآن میں حضرت الیاس علیہ السلام کے مواعظ میں یہ فقرہ جو پایا جاتا ہے یعنی

اتدعون بعلا وتذرون احسن الخالقین　　　کیا تم بعل کو پکارتے رہو گے اور احسن الخالقین کو چھوڑ دو گے۔

شاید کتاب سلاطین کے اسی فقرے کی یہ صحیح تعبیر ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہودی اپنی بغلوں میں تورات کو دبائے ہوئے اور اس کے دس احکام خصوصاً پہلا حکم "کہ میرے حضور غیر معبودوں کو نہ ماننا اور اپنے لئے تراشی ہوئی مورت نہ بنانا" اسی کا چرچا بھی کرتے رہتے تھے اپنے ان احکام پر ان کو ناز بھی تھا لیکن جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب وہ چند دنوں کے لئے ان کو چھوڑ کر خدا کے پاس تورات لانے کے لئے گئے، اس قوم نے سونے کا بچھڑا بنا کر پوج ڈالا تھا اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی اسی طلائی بچھڑے کا قصہ ان کو یاد آیا، اور کس طرح یاد آیا جو سزا اس گناہ عظیم کے بدلہ میں ان کو بھگتنی پڑی تھی اسے تو بھول گئے اور سلیمان علیہ السلام کے بعد یربعام نامی بادشاہ ان پر جب حاکم ہوا تو سلاطین نامی کتاب میں ہے کہ

اس بادشاہ (یربعام) نے مشورت لے کر سونے کے دو بچھڑے بناتے اور لوگوں سے کہا کہ یروشلم جانا تمہاری طاقت سے باہر ہے

پس

اے اسرائیل! اپنے دیوتاؤں کو دیکھ جو تجھے ملک مصر سے نکال لائے۔ سلاطین ۱۲/۲۸

قرآن میں جو فرمایا گیا ہے کہ واشربوا فی قلوبھم العجل (اور پلا دیا گیا ان کے دلوں میں بچھڑا)[1] گویا اس کا عملی ثبوت یہ بھی تھا،

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ کہئے، یا دل دوز یہ واقعہ ہے کہ توراۃ جیسی کتاب کو آسمانی کتاب ماننے والی قوم حماقتوں میں ترقی کرتے ہوئے اس نوبت تک بھی پہونچ چکی تھی کہ دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کا عقیدہ بھی ان میں پھیل گیا تھا کتاب سلاطین میں ہے کہ خداوند خدا نے دھمکی دیتے ہوئے بنی اسرائیل کو کہلا بھیجا کہ

> انھوں نے (یہودیوں نے) مجھے ترک کیا اور صیدانیوں کی دیوی عستارات اور موابیوں کے دیوتا کموس اور بنی عمون کے دیوتا ملکوم کی پرستش کی ہے" $\frac{11}{33}$ سلاطین

بلیکی صاحب نے ملک بسن جو عوج بن عوق عملیقی کا ملک تھا اس کے ایک شہر عستارات قرنیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> یہ شہر عستارات یا عستاراتی دیوی کی پوجا کے لئے مشہور تھا جو چاند کی دیوی کہلاتی تھی" صفحہ ۱۴۳

---

[1] جیسا کہ لوگوں نے لکھا بھی ہے کہ العجل (بچھڑے) کا یہ عارضہ بنی اسرائیل اپنے ساتھ مصر سے لائے تھے جہاں کے معبودوں میں ایک بڑا اہم معبود سانڈ بھی تھا جسے مصری الیس کہتے تھے جو خاص خاص علامتوں سے پہچانا جاتا تھا لیکن مصریوں میں یہ خیال کہاں سے آیا زرعی ملک ہونے کی وجہ سے سانڈ کو اگر پوجتے تھے۔ تو سانڈ کو جب تک بیل نہ بنایا جائے یعنی اس کے بیضوں کو کوفتہ نہ کر لیا جائے ہل میں مشکل ہی سے لگ سکتا ہے خدا جانے یہ قدیم عجل (دیوی) بیل تھا یا کیا تھا۔ بہرحال زراعت والی توجیہ دل کو یوں نہیں لگتی، کہ سینکڑوں ممالک ایسے ہیں جہاں گھوڑوں سے وہی کام لیا جاتا ہے جو کام بیل انجام دیتے ہیں پھر چاہیے تھا کہ لوگ ان ممالک میں گھوڑوں کو پوجتے علاوہ اس کے بہتیرے ممالک ایسے ہیں جہاں بجائے نر کے مادہ گاؤ زیادہ احترام کی مستحق سمجھی جاتی ہے لیکن زراعت میں اس سے کام نہیں لیا جاتا، واللہ اعلم بالصواب شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ حاملان عرش میں ایک فرشتے کی شکل بیل کی ہے گویا اسی فرشتے کو لوگ سانڈ یا گائے وغیرہ کی شکل میں پوجتے ہیں یہ بھی ان ہی کا کشف ہے کہ جب سے بیلوں کی عبادت کا رواج دنیا میں ہوا ہے اس وقت سے اس فرشتہ کی صورت مغموم ہو گئی ہے۔

اب بھی کھنڈر کی شکل میں عستارات قرنیم کا یہ شہر فلسطین کے نواحی میں موجود ہے، ملیکی کا بیان ہے کہ ایک یورپین سیاح ڈاکٹر ریورڑ کو اسی شہر کے کھنڈروں میں پتھر کا ترشا ہوا ایک سر ملا تھا جس کی شکل و صورت، نوک پلک کو دیکھ کر یہ رائے قایم کی گئی کہ غالباً یہ وہی چاند کی دیوی کی مورت ہے

بہرحال مصر سے واپسی اور فلسطین میں آباد و حکمراں ہونے کے بعد جب تک اسیری، جلاوطنی اور تقطیع (یعنی تتر بتر) ہونے کی مصیبت میں یہودی مبتلا نہ ہوئے تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد یا اپنی ہمسایہ قوموں (فلسطی، فنیقی، ارامی وغیرہ) کی ریس میں علانیہ بت پرستی کے شکار ہوتے رہے اور قطعناھم فی الارض امما (اور تتر بتر کردیا ہم نے یہودیوں کو زمین پر فرقے فرقے بناکر) کے عذاب میں جب یہ گرفتار ہوئے تو یورپ کے مورخین کا خیال ہے کہ

"اس کے بعد پھر کسی زمانہ میں یہودیوں کی طرف سے بت پرستی کا میلان ظاہر نہ ہوا" تاریخ بائبل گفت[ا] جس کی توجیہ کرتے ہوئے انھیں لوگوں نے لکھا ہے کہ

یہ تبدیلی یعنی بت پرستی کی طرف عدم میلان، کسی روحانی تازگی سے اس قدر وقوع میں نہیں آئی جس قدر فطری اسباب کے اثر سے واقع ہوئی۔

یہ فطری اسباب کیا تھے ان ہی لوگوں کا بیان ہے کہ

یہ (یعنی یہود) کسدیوں (بابل و نینوا والوں) کی بت پرستی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے"

کیونکہ ان ہی کسدیوں کا بادشاہ بخت نصر اور اس کے بعد بھی اس علاقے کے متعدد سلاطین اور حکمرانوں نے یہودیوں کے ملک فلسطین کو برباد کیا قتل و غارت کے بعد جو یہودی زندہ باقی رہے تھے ان کو اور ان کی دولت و ثروت کو لوٹ کر کسدیوں کے حکمراں اپنے ملک میں لے گئے اپنے وطن سے نکالے ہوئے ان قیدی یہودیوں کے ساتھ ان کے دشمنوں نے جو کچھ کیا تھا آج بھی اس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ان ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے اس توجیہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

[ا] مگر بت پرستی کا طلسمی نظام بھی عجیب ہے بلیلی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کا مولد جس کا نام

(حاشیہ ملاحظہ ہو برصفحہ آئندہ)

کیونکہ وہ (بت پرستی) ان کے (یہودیوں) کے لوٹنے اور برباد کرنے والوں کا مذہب تھا، اور یہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ جلا وطن کئے جاتے ہیں اور جن کی قومی حیثیت جاتی رہتی ہے وہ بڑے جوش و خروش سے اپنے قومی دستوروں کو قوم کے جلیل کارناموں کو یاد کرتے اور تعویذ جان بناتے ہیں" تاریخ بائبل صفحہ ۲۹۳

گویا یہودی ذہنیت اسی مشہور اردو شعر کی تابع ہوگئی کہ

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

ان کی توحید کہیے یا مسلمانی ضد اور ہٹ دھرمی کی مسلمانی تھی

کھلم کھلا اصنام پرستی اور مورتی پوجا کے لحاظ سے مغربی مورخین کی یہ نکتہ نوازی ممکن ہے کہ درست

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

اُر تھا، یہ چاند دیوتا کا قدیم نام تھا، اس شہر میں اسی چاند دیوتا کی چونکہ پرستش ہوتی تھی اس لئے اُر کے نام سے مشہور ہوگیا۔ بہرحال لکھا ہے کہ اُر میں چاند کی پوجا جب ہوتی تھی تو سمجھتے نادہ کے بجائے نر دیوتا سمجھا جاتا تھا اور سورج پر اس کو برتری حاصل تھی، سورج کے متعلق خیال تھا کہ چاند کا فرزند ہے، یا کوئی مادہ دیوی ہے، مگر خدا جانے پھر غریب چاند بجائے نر کے مادہ دیویوں میں شریک ہو کر عشتارات کے نام سے کیسے مشہور ہوا کہتے ہیں کہ سومنات کا مندر بھی چاند ہی کا مندر تھا، ابن خلدون نے بھی لکھا ہے کہ چندر گرہن کے موقع پر سارے ہندوستان سے لوگ سومنات پہنچ کر ...

[1] حضرت تھانوی کے ملفوظات کا اس موقعہ پر ایک لطیفہ یاد آیا، خود فرماتے تھے کسی شہر میں حضرت کی خدمت میں ایک صاحب نے اپنے نوجوان صاحبزادے کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ انگریزی پڑھتا ہے اور بے دینی کی باتیں کرتا ہے، حضرت نے پوچھا کس کالج میں پڑھتا ہے۔ اطلاع دی گئی کہ اسلامیہ کالج کا طالب العلم ہے فرمایا کہ اسلامیہ کالج سے نام کٹوا کر اس کو کسی ایسے کالج میں شریک کرادو جس میں ہر قوم کے بچے پڑھتے ہوں یہی کیا گیا دوسرے سال اسی شہر میں جب حضرت کی تشریف فرمائی ہوئی تو بڑی مسرت کے ساتھ وہی نوجوان لڑکا یہ کہتے ہوئے پیش کیا گیا کہ اب اس کی دینی حالت درست ہوگئی ہے۔ حضرت مسکرائے لوگوں نے دریافت کیا کہ اس کارگر تدبیر کی بنیاد کیا تھی فرمایا کہ لڑکا مجھے کچھ ضدی سا معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ضد میں بے دینی کی باتیں کرنے لگا لیکن جس کالج میں اب ہے وہاں صرف مسلمانوں سے مقابلہ نہ تھا خیال ہوا کہ شاید دین دار ہو جائے خیال صحیح ثابت ہوا آج کل انڈین یونین کے مسلمانوں کے متعلق شکوک و شبہات لوگ ظاہر کرتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جب ملی ہی نہیں تو بغض معاویہ ہی کی وجہ سے یہ توقع ہے کہ خالص اسلامی آبادی سے اس ملک کے مسلمان اپنی مسلمانی پر زیادہ اصرار کریں گے ۱۲۔

ہو لیکن حضرت عزیر کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ تمام یہودیوں میں نہ سہی مگر معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں عرب کے بعض یہودی فرقوں میں پایا جاتا تھا، اور جس قوم کو بعل و عستارات کی پوجا میں شرم نہ آئی۔ عزیر کو ابن اللہ کہنے سے اگر نہ شرمائی ہو تو کیوں تعجب کیجئے۔ ماسوا اس کے نصاریٰ نے جیسے اپنے رھبان کو اربابا من دون اللہ بنالیا تھا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود بھی اپنے احبار کے ساتھ کچھ اسی قسم کا تعلق رکھتے تھے صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیوں کے ساتھ یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے کہ

اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد — انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا

بہرحال یہ خیال کہ توراۃ کی پڑھنے والی اور ماننے والی قوم شرک یا بت پرستی میں کیسے مبتلا ہو سکتی ہے اس کی تردید کے لئے مذکورہ بالا شہادتیں کافی ہیں جو یہود کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنہیں عہد عتیق کے مقدس مجموعہ میں ہم پاتے ہیں۔ اور کتابی شہادتوں سے زیادہ آپ کے سامنے" زندہ گواہ کی شکل میں وہ امت خود کھڑی ہوئی ہے، جس نے قرآن کا پڑھنا ترک نہیں کیا ہے اور اس کو خدا ہی کی کتاب اب تک مانتی چلی جارہی ہے۔ لیکن باایں ہمہ کون کہہ سکتا ہے کہ صحاح کی مشہور حدیث

لتتبعن سنن الذين من قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع — یعنی رسول اللہ نے فرمایا اے مسلمانو! تم ان لوگوں کی پیروی کرکے رہوگے جو تم سے پہلے گذرے ایک ایک بالشت ایک ایک ہاتھ۔

حتیٰ کہ فرمایا گیا کہ کسی سوراخ میں پہلے کے لوگ اگر داخل ہوئے ہیں تو تم بھی اس سوراخ میں گھسوگے، پوچھا گیا کہ ہم سے پہلے گذرنے والوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں فرمایا گیا کہ فمن ؟ یعنی تو اور کون ؟

کون کہہ سکتا ہے کہ زندگی کے کس شعبہ پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا پیشگوئی منطبق نہیں ہو رہی ہے ؟ یہ سچ ہے کہ شاید بت تراشی اور صنم پرستی کی لعنت میں مسلمان اب تک مبتلا نہ ہوئے لیکن اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ان کے ہر ہر ملک اور علاقہ میں" استمدادی مراکز" کے

جو جال بچھے ہوئے ہیں، وہاں پہنچ کر جانے والے جو کچھ کرتے ہیں دوسروں سے زیادہ وہ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کا تاریخی نقرہ

مالکم من اللہ غیرہ — نہیں ہے تمہارا الٰہ (جس کی عبادت، مدد طلب کرتے ہوئے کی جاتے) اللہ خالق کائنات کے سوا

جو اول سے آخر تک ہر ہر پیغمبر و رسول دینی کے پیغام کا سب سے پہلا اور لازمی رکن ہے یہ نقرہ کس حد تک ان مسلمانوں کے کرتوتوں سے متاثر ہوا ہے یا ہوتا رہتا ہے۔

غیب میں جانے والوں تک ثواب کے سوغات پہنچانے کا قرآن اگر صرف آلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں سے ان کے پیدا کرنے والے نے اس کتاب میں کچھ مطالبہ بھی کیا ہے اور کچھ چیزوں سے روکا بھی ہے تو یہ ان کے سوچنے کی بات ہے کہ جن حدود پر رک جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ کیا ہم ان ہی علاقہ پر ٹھہرے ہوتے ہیں۔؟

بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القی معاذیرہ — بلکہ آدمی اپنے نفس کا دیکھنے والا خود ہے اور گو عذر ہا کے پردے ہی کیوں نہ ڈالتا رہے۔

بہر حال گفتگو قوم یہود کے متعلق ہو رہی تھی جن منسر کانہ عوارض میں یہ قوم مختلف زمانوں میں مبتلا ہوتی رہی، یہ تو اس کی ایک اجمالی داستان تھی۔

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور ان کی کتاب تورات کو خدا کی پیغام تسلیم کرنے والی اس امت کے متعلق تاریخ کی ایک اور شہادت سنئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو ان کو ایک مذہب اور دین دیا تھا۔

اسی دین کا خلاصہ وہ دس احکام تھے جو تورات کے دس احکام کے نام سے مشہور ہوئے، ظاہر ہے نہ ان احکام میں اور نہ ان کے سوا جو دوسرے تفصیلات دین کے تھے کسی میں نہ تو اشراقی کمالات کے پیدا کرنے کی تدبیریں بتائی گئی تھیں اور نہ روحانی ہستیوں کو مسخر کرنے کے ذرائع کی طرف راہنمائی کی گئی تھی، نہ یہ بتایا گیا تھا کہ جو مر چکے ہیں ان کی روحوں سے تعلق قائم کر کے غیب کے بھیدوں

سے آگاہ ہونے کا کیا طریقہ ہے۔

لیکن قرآن سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہود ہاروت و ماروت نامی فرشتوں کے ساتھ ان شیاطین سے جو لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔ الغرض ملکوتی اور شیطانی دونوں قسم کی ہستیوں سے وہ تعلق قایم کرنے لگے، اور ان روحانی اعمال کو وہ سفلی و علوی یا سفید و سیاہ دو حصوں میں تقسیم کر کے سمجھتے تھے کہ ان روحانی مشقوں سے ان میں یہ قدرت پیدا ہو جاتی ہے کہ

ایک نظر میں دشمن کو بھسم کر کے رکھ دیا جا سکتا ہے یا دشمن ہڈیوں کا صرف خشک ڈھانچہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح خیال تھا کہ روح کی قوت کو ان اعمال اور مشقوں کے ذریعہ بیدار کر کے

"بیماروں کو اچھا کیا جا سکتا ہے" (دیکھو جوئش انسائکلو پیڈیا ج ۸) لفظ "مینجک"

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ

"یونانی اور رومی لوگ یہود کو جادوگر کہا کرتے تھے"

نیز لفظ "نیکرومنسی" "علم الارواح" کے نیچے اسی کتاب جوئش انسائکلو پیڈیا کی جلد ۹ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا یہ خیال بھی تھا کہ

ارواح سے تعلق پیدا کر کے غیب کے علوم دریافت کئے جا سکتے ہیں"

عہد عتیق کے مجموعہ میں سموئیل نامی کتاب بھی ہے، اس کے باب ۲۸ میں ایک دلچسپ قصہ اسی سلسلہ میں درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ساؤل (طالوت) کی جنگ فلسطی قوم سے چھڑنے والی تھی۔ فوجیں طرفین سے آکر ایک دوسرے کے روبرو جب ہوئیں۔ تو ساؤل ڈر گیا۔ اس نے چاہا کہ خوابوں کے ذریعہ اس جنگ کے انجام کو جانے لیکن کوئی خواب یا غیبی اشارہ اس کو نہ ملا تب اس نے ایک عورت سے جو ایک بھوت سے تعلق رکھتی تھی، تلاش کر کے یہ خواہش کی کہ سموئیل نبی جس نے یہودیوں کی بادشاہی کے لئے ساؤل (طالوت) کا انتخاب کیا تھا اور فلسطیوں کی اس پیش آنے والی جنگ کے زمانے میں سموئیل کا انتقال ہو چکا تھا، اسی سموئیل کی روح کو ساؤل نے کہا کہ وہ جوگن بلا دے۔

لکھا ہے کہ جوگن پر جب وہ کیفیت طاری ہوئی جو بھوت بھرنے کے وقت ہوتی ہے تب ساؤل کے یہ پوچھنے پر کہ تجھے کیا دکھائی دیتا ہے جوگن بولی۔

"مجھے ایک دیوتا زمین سے اوپر آتے دکھائی دیتا ہے"

ساؤل نے پوچھا کہ شکل کیسی ہے؟ جوگن نے کہا

"ایک بڈھا اوپر کو آرہا ہے اور جبہ پہنے ہے"

بیان کیا گیا ہے کہ یہ سننے کے ساتھ ہی ساؤل سمجھ گیا کہ سموئل نبی کی روح آگئی۔ اور

"اس نے منہ کے بل گر کر زمین پر سجدہ کیا"

سموئل کی روح نے لکھا ہے تب ساؤل سے کہا کہ

"تو نے کیوں مجھے بے چین کیا کہ مجھے اوپر بلوایا" باب ۲۸ سموئل ع ا

آگے ہے کہ ساؤل اپنا دکھڑا سموئل کے آگے دہرانے لگا دونوں میں سوال و جواب کا طویل سلسلہ اس کے بعد ہے۔ جس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب اس قصہ کی اصل نوعیت کیا ہے، اگر یہ ساؤل وہی طالوت ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم پاتے ہیں تو ایسے مومن نبی کے انتخاب کردہ بادشاہ کے متعلق یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ بھتنے سے تعلق رکھنے والی جوگن سے مدد کا طالب ہوا ہو، تاہم اس سے اس کا پتہ تو چلتا ہے کہ روحوں کے متعلق حاضرات کا عمل یہود جو کرتے تھے اور اس ذریعہ سے مرے ہوئے لوگوں کی حاضری کا دعویٰ جو کیا جاتا تھا۔ اس کی نوعیت کیا تھی۔

معلوم ہوتا ہے اس قسم کا کاروبار عورتیں بھی کرتی تھیں اور مرد بھی کرتے تھے، جدید عہد نامہ کی کتاب اعمال کے باب میں ہے کہ مسیح علیہ السلام کے بعض حواری جب فلسطین کے شہر سامریہ میں پہنچے تو وہاں شمعون نامی ایک یہودی کو دیکھا۔

"جو سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ میں کوئی بڑا شخص ہوں"

لکھا ہے کہ اس کے روحانی کرشموں کو دیکھ دیکھ کر

چھوٹے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں"

بہر حال موجودہ زمانہ میں جن کرشموں کو لوگ "سیپر ٹیچوئزم" یعنی روح اور روحانی قوتوں کی بیداری کا نتیجہ سمجھتے ہیں اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہود کی دلچسپیاں نام نہاد روحانیت کے اس قصے سے غیر معمولی طور پر قائم تھیں، وہ سمجھتے تھے کہ روح کی پوشیدہ قوتوں کو مجاہدہ اور ریاضت کی مشقوں سے ترقی کر کے اس حد تک پہنچا دیا جا سکتا ہے کہ غیب کی باتوں کے جاننے کی اور اپنی مرضی کے مطابق غیر معمولی تصرفات کی قدرت آدمی میں پیدا ہو جاتی ہے، اب آپ اپنے سامنے یہود کے مشرکانہ رجحانات اور نام نہاد روحانیت کے بلند بانگ دعوؤں کے متعلق مذکورہ بالا معلومات کو رکھئے اور اس کے بعد ان آیتوں پر غور کیجئے جو قرآن کے دس احکام کے بعد سورۂ بنی اسرائیل میں پائی جاتی ہیں،

جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ بظاہر ان آیتوں کے خطاب کا رخ خاص قوم یہود کی طرف نہیں معلوم ہوتا، لیکن جو باتیں آپ کے علم میں لائی گئی ہیں کیا ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب بھی کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان آیتوں کے خطابی دائرے سے یہود خارج ہیں؟

آپ دیکھ چکے کہ یہودی شرک کے بھی مرتکب ہوئے، شرک کی بدترین شکل بت پرستی تک کا رواج ان میں بار بار ہوتا رہا ہے۔ دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کی پرستش بھی اس قوم نے کی ہے۔

ایسی صورت میں قرآن کے احکام عشرہ کے بعد سب سے پہلے مشرکانہ ذہنیت کی تنقید جن الفاظ میں کی گئی ہے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ یہود کو اس ذہنیت سے پاک اور بری سمجھا جائے بلکہ شرک کی تنقیدی آیتوں کے ساتھ ہی آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ	اور جب تم قرآن پڑھتے ہو تو تمہارے درمیان اور
وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ	ان لوگوں کے درمیان جو آخرت کو نہیں مانتے

حجابا مستورا — ہم ایک ایسا پردہ حائل کر دیتے ہیں جو مستور ہے (یعنی دکھائی نہیں دیتا)

مطلب جس کا یہی ہوا کہ قرآنی تعلیمات کو وہی قبول کر سکتے ہیں اور اپنی عملی زندگی کو قرآن کے عطا کردہ پروگرام کے مطابق وہی بنا سکتے ہیں۔ جن کے قلوب "الاخرۃ" کے یقین سے روشن و منور ہوں ورنہ مرنے کے بعد آنے والی نتیجہ کی زندگی کا ایمان و یقین جس حد تک مضمحل ہوتا چلا جاتا ہے قرآنی پروگرام کی تعمیل کی صلاحیت بھی اسی نسبت سے گم ہوتی چلی جائے گی اور اسی کے بعد جو یہ ارشاد ہوا ہے۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا — اور جب تم قرآن میں تنہا اپنے رب (خالق کائنات) کا ذکر کرتے ہو، تو اپنی پیٹھوں پر وہ بھڑکتے ہوئے کھاگے ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ الاخرت کے یقین و ایمان سے محرومی سب سے پہلے جس روگ میں آدمی کو مبتلا کر دیتی ہے، وہ یہی شرک کا خواب پریشاں ہے قرآن کے احکام عشرہ میں پہلا حکم چونکہ یہی تھا کہ "خالق عالم کے سوا کسی کو اپنا الٰہ نہ بنانا"۔ شاید اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ دین کی جو جوہری روح ہے، ایمان بالاخرت سے خالی ہونے کے ساتھ وہی روح (توحید) آدمی سے نکل جاتی ہے، یہود چونکہ الاخرت کے عقیدے کو اپنے دین سے خارج کر چکے تھے تو گو ان کا نام بھی مذہبی اقوام کی فہرست میں باقی رہا، لیکن آپ دیکھ چکے کہ عملاً ان کی زندگی میں بجائے توحید کے شرک ہی کے عقیدہ کا اثر زیادہ نمایاں رہا۔

(باقی آئندہ)

مختار بن ابی عبید الثقفی

(۱۴)

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی)

(۶)

اس عسکری ناکامی کو مختار نے ایک اعلیٰ ڈپلومیٹک کامیابی میں بدلنے کی تدبیر کی جس سے ایک طرف کوفہ کے شیعوں کی وفاداری گاڑھی ہوئی، دوسری طرف ابن الحنفیہ کی نظر میں اس کی شیفتگی اہل بیت اور اس کا اخلاص مبرہن ہو گیا، ابن الحنفیہ کو اس نے لکھا: "میں نے آپ کے پاس ایک لشکر بھیجا تھا آپ کے دشمنوں کو سرنگوں کرنے اور ملک حجاز کو آپ کے لئے فتح کرنے، یہ لشکر مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو ملحد کی فوج اس سے آملی اور باوجود عہد و پیمان مصالحت اس کے ساتھ مکاری کی، اور بے خبری میں اچانک حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں اہل مدینہ کے پاس بھاری لشکر روانہ کر دوں اور آپ اس کے پاس اپنے نمائندہ بھیج دیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ میں آپ کا مطیع ہوں نیز یہ کہ آپ کے حکم سے میں نے ان کے پاس اپنا لشکر بھیجا ہے اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ملحد و ظالم خاندان زبیر کے مقابلہ میں یہ لوگ آپ کے اور اہل بیت کے زیادہ حق شناس قدرداں اور دوست ہیں"؛ ابن الحنفیہ نے یہ جواب دیا جس کی غالباً مختار کو پہلے سے توقع تھی اور جو اس کی حسب منشار تھا: "تمہارا خط میں نے پڑھا اس سے معلوم ہوا تمہارے دل میں میرے حق کی کس قدر عظمت ہے اس کی خاطر جو عملی قدم تم نے بڑھایا اور میری خوشنودی کے لئے جو لائحہ عمل تم اختیار کرنا چاہتے ہو اس کا مجھے خوب احساس ہو گیا لیکن

---

۱ طبری ۱۳۵/۷، انساب ۲۴۲/۵

مجھے صرف وہ کام پسند ہیں جن سے خدا کی اطاعت ہو اس لئے جہاں تک ہو سکے اس کی اطاعت کرو ظاہری و باطنی تمام امور میں تم کو معلوم ہو کہ اگر میں لڑنا چاہتا تو بہت سے مددگار میرے پاس جمع ہو جاتے لیکن میں نے ان سے کنارہ کشی کر لی ہے اور اس وقت تک صبر سے حالات کا مطالعہ کرتا ہوں. جب تک خدا میرے حق میں فیصلہ فرما دے وہ بہترین منصف ہے۔"

مختار نے مصلحتاً اس خط کو شیعوں کے سامنے نہیں پڑھا اس میں جنگ و قتال سے بیزاری ظاہر کی گئی تھی، ممکن تھا اور بہت ممکن کہ شیعے اس کو سن کر خود بھی جنگ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے یا کم از کم ان کے حوصلے پست ہو جاتے اس لئے اس نے اپنی الہامی شان کو کام میں لاکر ان مبہم لیکن خوش آیند الفاظ سے ان کو مطمئن کر دیا: "مہدی نے مجھے ایسی پالیسی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے جس سے نیکی و خوش حالی پھیلے گی اور کفر و بے وفائی کا بیج مارا جائے گا۔

ابن الحنفیہ سے اس کی ڈپلومیٹک وفاداری کی ایک مثال اور پیش کر کے ہم اس باب کو ختم کردیں گے اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ خاندان زبیر اور علی میں بڑی رقابت تھی جو دشمنی کی حد تک پہنچ گئی تھی ۶۴ھ میں جب ابن زبیر نے خلافت کا دعوی کیا تو مکہ و مدینہ کے سب لوگوں نے ان کی بیعت کر لی صرف خاندان علی کے افراد باز رہے. ابن الحنفیہ اور ابن عمر نے یہ عذر کیا کہ جب تک سارے مسلمان متفقہ طور پر بیعت تسلیم نہ کرلیں گے ہم بیعت نہ لیں گے[1] مصنف مروج الذہب[2] نے عمر بن شبہ کی روایت نقل کی ہے کہ چالیس دن تک ابن زبیر نے اپنی تقریروں میں رسول اللہ پر درود نہیں بھیجی اور اس کی وجہ یہ پیش کی کہ اس سے اہل بیت کے پندار خاندانی میں اضافہ ہوتا ہے اور غرور سے ان کی گردنیں تن جاتی ہیں۔ ایک بار ابن عباس کی ابن زبیر سے جب ملاقات ہوئی تو موخر الذکر نے کہا: "تم لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہو اور میرے بخل کا پروپگنڈا کرتے ہو" ابن عباس نے کہا! بے شک میں نے رسول اللہ کو کہتے سنا ہے۔ وہ مسلم نہیں جس کا پیٹ بھرا رہے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے ابن زبیر نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا؟ اے اہل بیت میں چالیس سال سے تمہاری نفرت دل میں چھپائے ہوئے ہوں" ایک موقع پر ابن زبیر

[1] انساب ۱۰۵/۵ [2] حاشیہ تاریخ کامل ۱۶۳/۶

سے تقریر کرتے ہوئے حضرت علی پر طعن کی تو محمد بن الحنفیہ کو بہت غصہ آیا اور انھوں نے جوابی تقریر میں خاندان زبیر پر خوب آوازے کسے[1]۔

مختصر یہ کہ دونوں خاندانوں میں دشمنی تھی اور بسبب مادی اقتدار و سیاسی قوت تھا، یزید و مروان کے انتقال کے بعد جب ابن زبیر کی خلافت مستحکم ہوگئی تو انھوں نے بنو ہاشم اور ابن الحنفیہ کو اپنی بیعت کے لئے مختلف قسم کے دباؤ سے مجبور کرنا شروع کیا۔ ابن الحنفیہ نے بیعت نہ کی اور اس بات پر مصر رہے کہ جب تک سب مسلمان ایک خلیفہ کی بیعت نہ کرلیں گے میں بیعت نہ کروں گا۔" ابن زبیر جن کو خود رسول اللہ کے قربِ خاندانی کا زعم (یہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے اور حضرت عائشہ کے بھانجے تھے) اور اپنی عبادت کا غرہ تھا اس بات کو گوارا نہ کرسکے کہ ایک بارسوخ خاندان پایۂ سخت میں ان کی وفاداری سے باہر ہو۔ ابن زبیر کی تہدید آمیز تقریریں اور دوسرے اقتصادی دباؤ جب ناکام ہوئے تو انھوں نے ابن الحنفیہ اور ان کے خاندان کو بقول طبری زمزم میں اور بقول بعض شعب علی میں نظر بند کردیا اور ایک مہلت مقرر کی کہ اگر اس میں انھوں نے بیعت کرلی تو خیر ورنہ قتل کرکے جلا دئے جائیں گے۔ لکڑی کا ایک بڑا انبار اس دھمکی کو مؤثر بنانے کے لئے جمع کردیا گیا۔ ابن الحنفیہ کے ساتھ کوفہ کے ستّرہ شیعے بھی تھے جو ان کی خدمت میں رہتے تھے۔

ابن الحنفیہ نے تین خفیہ قاصدوں کے ہاتھ ایک خط بھیج کر مختار کو آنے والی تباہی کی خبر دی مختار بہت خوش ہوا اس کے ہاتھ ابن الحنفیہ اور شیعوں سے اپنی ڈپلومیٹک وفاداری جتانے کا نہایت عمدہ موقع آیا، جامع مسجد میں عام جلسہ منعقد کیا گیا، ابن الحنفیہ کا حزن انگیز خط جس میں انھوں نے ابن زبیر کی بدسلوکی کی تفصیلات لکھی تھیں اور آخر میں شیعوں سے اپیل کی تھی کہ پہلے کی طرح اہل بیت کے ساتھ بے وفائی نہ کریں پڑھ کر سنایا اس کے بعد اشتعال انگیز تقریر کرتے ہوئے کہا: "یہ تمہارے مہدی اور تمہارے نبی کے خاندان کے بہترین فرد کا خط ہے ان کو نظر بند کردیا

---

[1] مروج الذہب، حاشیہ کامل ج ۶ / ۱۶۴

دگیا ہے جس طرح بھیڑوں کو باڑہ میں بند کر دیا جاتا ہے اور یہ منتظر ہیں کہ رات یا دن میں کسی وقت ان کو قتل کر کے جلا دیا جائے گا، میں ابو اسحاق نہیں اگر ان کی مدد کا حق ادا نہ کر دوں اگر ان کے پاس رسالوں کا پیہم سیلاب نہ بھیج دوں یہاں تک کہ ابن کاہلیہ یعنی (ابن زبیر) کو تباہی آ گھیرے۔"[1]

چار ہزار شیعہ مکہ جانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن مختار کا مقصد نہ تو حجاز جیسے بے آب و گیاہ ملک میں اتنی بڑی فوج بھیج کر اس کے بھاری مصارف برداشت کرنا تھا نہ وہ ابن زبیر سے باقاعدہ عسکری مقابلہ کرنا چاہتا تھا اس کے سامنے زیادہ اہم اور خوفناک دشمن تھے اس کا مقصد ابن الحنفیہ کو قید سے نکال کر حفاظت کی جگہ منتقل کرنا اور شیعوں پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ پوری طرح ابن الحنفیہ اور اہل بیت کا وفادار ہے اور اس طرح خود ان کی عقیدت و وفاداری حاصل کرنا تھا۔ بتصریح طبری اس نے پہلے ستر بہادروں کا ایک دستہ روانہ کیا، اس کے پیچھے چار سو کا پھر سو سو کے دو، پھر چالیس کے دو اور ابن الحنفیہ کو لکھا کہ فوج کا ایک زبردست سیلاب آپ کی مدد کو آ رہا ہے[2] مکہ کے قریب تین دستے متحد ہو گئے اور ڈیڑھ سو کی جمعیت کے ساتھ اچانک کعبہ پر دھاوا کر دیا ان کے ہاتھوں میں ڈنڈے تھے جن کا نام انھوں نے کافرکوب رکھا تھا تلوار ہاتھ میں لے کر خانہ کعبہ میں داخل ہونا مختار کو منظور نہ تھا گو کہ وہ پوری طرح مسلح تھے وہ جسموں پر زرہ بکتر اور تلواریں زیر قبا چھپائے ہوئے تھے۔ کافرکوب لئے یا لثارات الحسین (علو حسین کا بدلہ لینے) کے نعرے لگاتے وہ زمزم کے اس باڑہ پر پہنچے جہاں ابن الحنفیہ مع اپنے خاندان کے مقید تھے۔ انھوں نے ابن الحنفیہ سے "دشمن خدا ابن زبیر" سے لڑنے کی اجازت مانگی، انھوں نے رد کا اور کہا خانہ کعبہ میں لڑنا جائز نہیں ہے۔ ابن زبیر نے جن کا ہیڈ کوارٹر خانہ کعبہ تھا نفرت سے کہا کیا تم لوگ اس خیال خام میں ہو کہ میں ابن الحنفیہ یا اس کے ساتھیوں سے بیعت لئے بغیر چھوڑ دوں گا ؟ رسالہ کے کمانڈر نے نہایت درشتی سے کہا: "تم کو چھوڑنا پڑے گا ورنہ تلواریں نیام سے نکل آئیں گی۔" اس کے بعد طرفین میں کافی بد کلامی ہوئی، ابن الحنفیہ نے اپنے لوگوں کو روک لیا، اس کے بعد چار سو جانبازوں کے تین دستے بہت سا روپیہ لئے ہوئے آ گئے اور مسجد کعبہ میں داخل ہو کر یا لثارات الحسین کے خوب نعرے لگاتے۔ ابن زبیر ڈر گئے۔ ابن الحنفیہ

[1] طبری ۶/۱۳۶ [2] مروج الذہب حاشیہ ۶/۱۵۸ تاریخ کامل نے لکھا ہے کہ مختار نے آٹھ سو سواروں کے رسالے م

کی مدد کے لئے پے در پے رسالے چلے آرہے تھے ان لوگوں نے ابن الحنفیہ اور گھر والوں کو قید سے نکالا اور ابن زبیر کو گالیاں دیتے ہوئے مکہ سے باہر ایک گھاٹی میں جس کا نام شعب علی تھا فروکش ہوگئے ابن الحنفیہ کے پاس مختار کا بھیجا ہوا بہت سا روپیہ آگیا تھا اس لئے ان کے پاس چار ہزار عرب جمع ہوگئے اور یہ روپیہ انھوں نے ان لوگوں میں تقسیم کردیا۔ مروج الذہب کے مصنف نے لکھا ہے یہ لوگ جو کوفہ سے ابن الحنفیہ کی مدد کو آئے شیعہ کیسانیہ کے نام سے مشہور ہیں یعنی یہ ابن الحنفیہ کی امامت کے قائل ہیں، یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ابن الحنفیہ امام ہیں فرقہ کیسانیہ کے دو گروہ ہوگئے ان میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ صرف مرتے وقت تک امام تھے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہ مرے ہی نہیں اور جبال رضوی میں چھپے ہوئے ہیں۔ یہ گروہ ان تمام باطنی شیعی تحریکوں کا سرچشمہ ہے جن سے مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ بھری ہوئی ہے۔ اور جنہوں نے ان کی مذہبی وحدت کو مسخ کردیا ہے۔

مشہور ادیب اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ) نے ابو عمرو بن علاء (دوسری صدی ہجری کا محقق لغت و تاریخ عرب متوفی ۱۵۴ھ) کی یہ روایت نقل کی ہے "ابن الحنفیہ نے کوفہ جانے کا ارادہ کیا (غالباً زمزم کی قید کے بعد) تو مختار نے کہا: "مہدی کی علامت یہ معجزہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان پر تلوار کا وار کرے تو ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے" ابن الحنفیہ کو جب اس رائے کی خبر ہوئی تو انھوں نے کوفہ جانے کا ارادہ ترک کردیا اور مختار سے ناراض ہوگئے مختار کا ہیر پھیر اور علی بن حسین کے مشورہ کی صداقت کا ان کو یقین ہوگیا یہی وجہ ہے کہ مختار کے قتل کے بعد جب ابن عباس نے اظہار افسوس کیا اور اہل بیت کے انتقام کے لئے اس کو سراہا تو ابن الحنفیہ نے منع کرتے ہوئے کہا نہیں اس کی حقیقت خوب معلوم ہے اس کے حق میں کوئی کلمۂ خیر زبان پر نہ لائیے۔[۲]

(ب) مختار کے تعلقات ابن زبیر کے ساتھ

عربوں کے دانشمند بادشاہ معاویہ (متوفی ۶۰ھ) نے مرتے وقت یزید کو وصیت کی تھی مجھے تمہارے خلاف صرف چار آدمیوں سے خطرہ ہے، حسین بن علی، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابی بکر

---

[۱] مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۶/۱۷۱ [۲] انساب ۵/۲۶۶

اور عبداللہ ابن زبیر، حسین کے بارے میں مجھے گمان ہے کہ اہل عراق (یعنی کوفہ کے شیعہ) اس کو نکالے بغیر (یعنی طلب خلافت کے لئے) نہیں مانیں گے اگر وہ خلافت طلب کرنے لگے اور تمہارے قبضہ میں آجائے تو اس کو معاف کردینا، رہا ابن عمر تو وہ وقف عبادت ہے اور اگر خلافت آپ سے آپ اس کو مل جائے تو خیر ورنہ اس کے لئے جدوجہد نہیں کرے گا، رہا ابن ابی بکر سو اس میں نہ تو ذاتی اہلیت ہے نہ لوگوں میں اس کو رسوخ حاصل ہے جس کے بل پر وہ خلافت کی کوشش کرے الا یہ کہ آپ سے آپ اس کو مل جائے البتہ جو شیر کی طرح سینہ کے بل گھات میں بیٹھے گا اور لومڑی کی طرح تمہارے ساتھ چالیں چلے گا اور موقع پاتے ہی تم پر کود پڑے گا وہ ہے عبداللہ ابن زبیر پس اگر وہ ایسا کرے اور تمہارے قبضہ میں آجائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردینا الا یہ کہ تم سے مصالحت کی درخواست کرے اس صورت میں تم اس کی پیشکش صلح قبول کرلینا اور حتی الامکان اپنی قوم کا خون بہانے سے احتراز کرنا[1]

ابن زبیر کے والد زبیر (متوفی ۳۶ھ) ان چھ ممتاز عربوں میں تھے جن کو حضرت عمر نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا زبیر نے خلافت حاصل کرنے کی لڑے اور بغیر لڑے ہر طرح کوشش کی لیکن نہ پا سکے، ان کے لڑکے عبداللہ دل میں یہ امنگ پالنے لگے حضرت حسن اور حسین کی طرح وہ بھی خلافت کے امیدوار ہو گئے، وہ حضرت خدیجہ کے بھتیجے حضرت عائشہ کے بھانجے اور حواری رسول کے لڑکے تھے ایک طرف اس قربت رسول پر اور دوسری طرف کثرت عبادت و دیانت پر انھوں نے اپنے استحقاق خلافت کی عمارت استوار کی، معاویہ کی عمر بھر وہ خاموشی سے اپنی غیر معمولی دیانت و ذہانت سے خلافت کے لئے رائے عامہ اپنے حق میں تیار کرتے رہے مکہ میں دو شخص ان کے مدمقابل تھے حضرت حسین اور عبداللہ ابن عمر اور ان میں سے ہر ایک کے طرفدار موجود تھے ابن زبیر نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ مسئلہ خلافت بذریعہ شوریٰ طے ہو اور جو رسول اللہ سے، قربت، عبادت، زہد اور صلاحیت میں افضل ہو اس کو خلیفہ بنایا جاتے لیکن مخفی طور پر وہ مکہ مدینہ اور دوسرے اسلامی مرکزوں میں اپنی دعوت

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۲

پھیلاتے رہے۔ سنہ ۶۰ھ میں جب معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید نے خلافت سنبھالی تو ابن زبیر اپنی خلافت کے لئے سرگرم عمل ہو گئے یزید کے بُرے ڈھنگوں کا خوب پروپگنڈا کیا اور کرایا اس کی بیعت سے انکار کر کے خانۂ کعبہ میں مقیم ہو گئے اور اپنے لئے عائذ البیت اور مستجیر اللہ کے لقب اختیار کئے۔ سنہ ۶۱ھ میں واقعۂ کربلا پیش آیا اب انھوں نے موقع مناسب دیکھا اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا، ان کی عبادت و قرب رسول سے مکہ مدینہ کے لوگ متاثر تھے ان کی تحریک سے بنوامیہ کو مدینہ سے نکال باہر کیا گیا اور اہل مدینہ تلوار سے یزید کا مقابلہ کرنے کی تیاری کرنے لگے، اس موقع پر ایک ہم عصر ابو حرۃ نے تعجب سے پوچھا "کیا اس لئے ہم نے آپ کا ساتھ دیا تھا" آپ مشورہ اور باہمی رضامندی سے خلیفہ بننے کی دعوت دیتے رہے اب آپ سے نہ اتنا صبر ہوا نہ آپ نے اصول انتخاب پر عمل کیا کہ ہم آپ کو خلیفہ منتخب کر کے آپ کی بیعت کر لیتے[۱]

[۱] عائذ البیت خانہ کعبہ میں پناہ لینے والا، مستجیر اللہ اللہ کی پناہ میں آنے والا انساب ۱۸۸/۵

ابن الحنفیہ اور ابن عمر نے ان کی بیعت نہیں کی نہ ان کی کسی لڑائی میں حصہ لیا، ابن عمر کہتے تھے میں اس وقت تک بیعت نہیں کروں گا جب تک سارے مسلمان کسی ایک خلیفہ کی بیعت پر متفق نہ ہو جائیں (انساب ۱۸۸/۵) ایک موقع پر جب مصعب نے ان سے اس عدم تعاون کی شکایت کی تو انھوں نے کہا: میں نے عبدالملک کو (جو سنہ ۶۵ھ میں خلیفہ ہوا) خدا ترسی اور خلافت سے کنارہ کشی کا مشورہ دیا تو انھوں نے کہا کہ اگر ابن زبیر خلافت سے دست بردار ہو جائے تو میں بھی ایسا کروں گا اور مسئلہ خلافت بذریعہ انتخاب طے کرنے کے لئے تیار ہوں گا میں نے تمہارے بھائی کو لکھا تو انھوں نے جواب دیا کہ تم کو مسئلہ خلافت سے کیا تعلق تم دخل دینے والے کون ہو؟ (انساب ۱۹۵/۵)

ابن زبیر کے ایک ہم عصر علی بن زید نے کہا: اس میں شک نہیں کہ عبداللہ بہت لمبی نمازیں پڑھتے تھے کثرت سے روزے رکھتے تھے، ان کی دادیاں، مائیں اور خالائیں نہایت عالی نسب تھیں لیکن ان میں چند ایسے صفات تھے جو خلافت سے میل نہ رکھتے تھے، وہ بخیل تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اپنی رائے کے سامنے کسی دوسرے کی رائے کی قدر نہ کرتے تھے (انساب

۱۹۵/۵ استیعاب حاشیہ اصابہ ۳۰۳/۲)

ایک دوسرے ہم عصر صحابی ابو برزہ (سلمی) نے یہ رائے ظاہر کی جو اس وقت کے اکثر سیاسی و مذہبی لیڈروں کے اصلی رجحانات و نفسیات کی آئینہ دار ہے: عربو! جیسا کہ تمہیں معلوم ہے تم فقیر، ذلیل اور گمراہ تھے تم کو اللہ نے اسلام و محمدؐ کے ذریعہ بلندی عطا کی یہاں تک کہ تم کو فراغت و خوش حالی حاصل ہوئی جس سے تم بہرہ ور رہے ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی محبت نے تمہارے باہمی تعلقات کو غارت کر دیا ہے، وہ جو شام میں ہے یعنی مروان طلب دنیا کے لئے لڑتا ہے اور اسی طرح وہ جو مکہ میں ہے یعنی ابن زبیر اور وہ لوگ بھی جن کو قرا (یعنی قرآن خواں) کہتے ہیں محض دنیا طلبی کے لئے لڑتے ہیں ہماری رائے میں تو بہت سے اچھے لوگ وہ ہیں جو عوام کے روپیہ سے اپنا پیٹ نہیں بھرتے جن کے کندھے ان کے خون کے بوجھ سے ہلکے ہیں[1]۔

سنہ ۶۴ھ میں عین اس وقت جب یزید کی فوجیں کعبہ پر آگ اور پتھر برسا رہی تھیں اور ابن زبیر مختار کی قیمتی مدد سے اپنے مقدور بھر مقابلہ کر رہے تھے یزید کا انتقال ہو گیا ربیع الاول سنہ ۶۴ھ محاصرہ اٹھا لیا گیا فوجیں شام لوٹ گئیں، حجاز، عراق، خراسان اور موصل وغیرہ کے گورنروں نے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی[2]۔ لیکن شام کے اموی سرداروں نے مروان کو خلیفہ منتخب کیا سنہ ۶۴ھ میں مروان کے حمایتی قبیلوں اور ابن زبیر کے طرفدار قبیلوں میں بمقام مرج راہط ایک ہولناک جنگ ہوئی جس میں مروان فاتح رہا وہ چند ماہ خلیفہ رہ کر رمضان سنہ ۶۵ھ میں مر گیا اور اس کے لڑکے عبد الملک نے خلافت کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی، خلیفہ ہو کر اس نے ایک فوج ابن زبیر کی خلافت کا خاتمہ کرنے حجاز اور دوسری مختار کے تصرف سے کوفہ اور اس کے نہایت وسیع اور قیمتی ماتحت علاقے نکالنے عراق روانہ کی۔

ہم ذکر کر آئے ہیں کہ مختار نے ابن زبیر کی بیعت اس شرط پر کی تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد وہ اس کو سب سے اہم منصب عطا کریں گے، یہ اہم منصب غالباً عراق کی گورنری تھی لیکن ابن زبیر نے

---

[1] انساب ۱۹۶/۵

[2] انساب ۱۸۸/۵ استیعاب حاشیہ اصابہ ۳۰۳/۲

نہ صرف یہ کیا کہ سب سے اہم منصب نہیں عطا کیا بلکہ اس کی طرف سے بے اعتنائی برتی، ان کے خلیفہ بننے کے پانچ ماہ بعد تک وہ انتظار کرتا رہا لیکن ابن زبیر نے اس کو کوئی عہدہ نہیں دیا مجبور ہو کر اس نے اہل بیت کی تحریک چلانے کوفہ جانے کی ٹھانی اس کی کوفہ سے روانگی کے اسباب کے بارے میں دو روایتیں بیان کی گئی ہیں، طبری کے راوی کہتے ہیں کہ اس کو جب کوفہ کے شیعی بحران کا علم ہوا تو اپنے مقاصد کے لئے فضا سازگار تصور کر کے وہاں چلا گیا، مسعودی داصابہ کے راوی کہتے ہیں کہ وہ ابن زبیر کے نمایندہ کی حیثیت سے گیا تھا۔ مسعودی کے الفاظ یہ ہیں: "جب ابن زبیر نے کوفہ پر ابن مطیع کو گورنر مقرر کیا اور مختار کو نہیں کیا تو (بطور چال) مختار نے ابن زبیر سے کہا کہ میں کوفہ میں ایسے لوگوں سے واقف ہوں جن کا لیڈر اگر ایک مہربان معاملہ فہم شخص ہو جائے تو ان کے ذریعہ آپ کے لئے ایک ایسا لشکر تیار کر سکتا ہے جس سے آپ شامیوں پر فتح حاصل کر لیں گے، ابن زبیر نے پوچھا وہ لوگ کون ہیں؟ تو مختار نے کہا بنو ہاشم کے طرفدار (شیعہ) ابن زبیر نے کہا جاؤ تم ہی وہ شخص ہو جاؤ اور اس کو کوفہ بھیج دیا"[1]۔

انساب الاشراف بلاذری نے باختلاف رُواۃ یہ دونوں روایتیں الگ الگ نقل کی ہیں میرا خیال ہے کہ دونوں روایتیں صحیح ہیں واقعات میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی روایت اس کی روانگی کا سببِ اصلی ہے اور دوسری سببِ مصلحتی وہ یہ طے کر ہی چکا تھا کہ اہل بیت کی تحریک سے اس کو کامیابی حاصل کرنا ہے لیکن ابن زبیر سے اس کا اظہار کر کے اس کے لئے کوفہ جانا ممکن نہ تھا وہ باغی قرار دیا جاتا، اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیتے اس لئے اس کے لئے ضروری تھا کہ ابن زبیر کو سبز باغ دکھا کر اس کے خیر خواہ کی حیثیت اختیار کر کے اس پُرآشوب شہر میں جانے کی اجازت طلب کرتا، وہاں پہنچ کر اس نے اہل بیت کے انتقام و خلافت کی تحریک سے کوفہ پر قبضہ کیا اور ابن زبیر کے گورنر ابن مطیع کو نکال دیا (جیسا کہ پہلے مذکور ہوا) اب اس کی پالیسی یہ قرار پائی کہ جب تک ممکن ہو سکے، جب تک اس کی وفاداری اہل بیت اور شیعوں کی نظر میں

---

[1] مروج حاشیہ اصابہ ج ۶/۱۵ انساب الاشراف میں یہ دونوں روایتیں الگ الگ جگہ مذکور ہیں

مشتبہ نہ ہو وہ ابن زبیر کا وفادار، دوست یا کم از کم ماتحت بنا رہے گا، بنو اُمیہ اور آل زبیر کے مقابلہ میں وہ آخر الذکر کو دینی و خاندانی اعتبار سے شاید قابل ترجیح سمجھتا تھا اور شیعوں اور اہل بیت کی دشمنی کا مرکز بھی بنو امیہ تھے اس لئے ابن زبیر کی دوستی سے وہ اپنی ساری قوت بنو اُمیہ سے اہل بیت کی دشمنی نکالنے اور ان کی حکومت پر قبضہ کرنے پر صرف کرنا چاہتا تھا، اس کی نظر میں دشمن نمبر ایک بنو امیہ تھے۔

چنانچہ ابن مطیع کو نکالنے کے بعد اس نے متعدد خطوط ابن زبیر کو بھیجے جن میں شروع کے کئی خطوں کی صحیح ترتیب نہ سیاق سباق واضح نہیں ہے اور خطوط کی بجائے ان پر تلخیص خطوط کا اطلاق زیادہ برمحل ہے۔ پہلے خط کا خلاصہ یہ ہے "ابن مطیع نے آپ کی وفاداری ترک کرکے عبد الملک سے سازباز شروع کردی تھی آپ عبد الملک کے مقابلہ میں ہم کو زیادہ محبوب تھے اس لئے ہم نے اس کو نکالکر کوفہ کی حکومت پر قبضہ کرلیا[1]"

دوسرے خط کا مضمون یہ ہے "آپ کو میری خیر اندیشی کا اچھی طرح علم ہے، جس خلوص و شجاعت سے میں نے آپ کے دشمنوں سے جنگ کی تھی اس سے بھی آپ خوب واقف ہیں اور آپ کو وہ وعدے بھی یاد ہوں گے جن کو اس خدمت کے عوض پورا کرنے کا آپ نے ذمہ لیا تھا، پھر جب میں نے اپنا وعدہ اور عہد پورا کردیا اور اپنی ذمہ داریاں پوری کوشش سے پایۂ تکمیل کو پہنچادیں تو آپ نے بدعہدی کی اور اپنا وعدہ توڑ دیا اس کے نتیجہ میں آپ نے دیکھ لیا جو میں نے کیا تاہم اگر آپ اپنے عہد کو اب بھی پورا کردیں تو میں آپ کی اطاعت کے لئے تیار رہوں اگر آپ میرا بھلا چاہیں گے تو میں بھی آپ کا بھلا چاہوں گا[2]"

مختار کی وفاداری کی آزمائش کرنے کے لئے ابن زبیر نے ایک مخزومی سردار (عمر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام) کو گورنر کی حیثیت سے کوفہ بھیجا، مختار کے جاسوسوں نے جو مکہ اور مدینہ میں موجود تھے اس کارروائی کی اس کو اطلاع دی اور یہ بھی لکھا کہ نامزد گورنر کو سفر خرچ وغیرہ کے

---

[1] انساب ۵/۲۶۶ بیشتر تاریخوں میں اس خط کا جواب نہیں ملتا [2] یہ دونوں خط انساب الاشراف سے نقل کئے ہیں

لئے ابن زبیر نے صرف تیس[1] ہزار درہم منظور کئے ہیں یہ کافی پریشان کن خبر تھی، اگر گورنر کوفہ میں داخل ہو جاتا تو اس کی (مختار) پوزیشن سخت خطرہ میں پڑ جاتی، شیعوں کو ابن زبیر سے اس کی سازباز کا علم ہو جاتا اور اہل بیت کی وفاداری کا جادو جس سے اس نے ان کو مسحور کیا تھا ٹوٹ پھوٹ جاتا۔ اس نے آنے والی مصیبت سے چھٹکارا پانے کی ایک چال سوچی، اپنے عزیز زائدہ بن قدامہ کو ستر ہزار درہم دے کر جو اس رقم سے دوگنے تھے جو ابن زبیر نے اپنے نمائندہ کو سفر خرچ کے لئے دیئے تھے کہا: یہ ستر ہزار لو اور کوفہ سے دور صحرا میں مکہ کوفہ کی راہ پر اس کو جا پکڑو، اپنے عقب میں پانچ سو آہن پوش سواروں کا ایک رسالہ مسافر بن سعید کی کمان میں مخفی رکھو، پھر اس سے کہنا کہ یہ روپیہ جو تمہارے سفر خرچ سے دوگنا ہے قبول کرو، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم نے سفر پر تیس ہزار خرچ کئے ہیں ہم ان کا تاوان تم پر ڈالنا نہیں چاہتے (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بصورت واپسی ابن زبیر تاوان وصول کرلیں گے) یہ لو اور لوٹ جاؤ اگر وہ مان جائے تو خیر ورنہ عقب میں چھپا ہوا رسالہ اس کو دکھا دینا اور کہنا کہ ایسے ایسے سو رسالے اس کے پیچھے ہیں، ایسا ہی کیا گیا، پہلے نامزد گورنر نے کہا میں روپیہ نہیں لے سکتا، مجھے امیرالمومنین نے گورنر بنا کر بھیجا ہے اور میں ان کے حکم کی تعمیل کروں گا" لیکن جب زائدہ نے چھپا ہوا رسالہ بلایا تو نامزد گورنر ڈر گیا اور بولا اب تو بے شک میں معذور ہوں اور میرے لئے مناسب یہی ہے کہ لوٹ جاؤں' لاؤ روپیہ" روپیہ لے کر اس نے بصرہ کا راستہ لیا، ابن زبیر کو صورت دکھانے کی اس کو جرأت نہ ہوئی۔[1]

---

[1] پہلا خط صرف انساب الاشراف ۲۶۲/۵ نے مدائنی کی روایت سے نقل کیا دوسرا خط اور نامزد گورنر کا قصہ طبری اور انساب ۲۶۳/۵ دونوں میں موجود ہے دونوں کے راوی غالباً ایک ہیں طبری نے راویوں کے نام نہیں دیئے انساب نے لفظ "قالوا" پر اکتفا کیا ہے الفاظ روایت دونوں کے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ اندازہ ہوتا ہے کہ دونوں کے راوی ایک ہوں گے پہلے خط کا راوی مدائنی ہے اس نے تصریح کی ہے کہ پہلے خط کو پڑھ کر ابن زبیر نے گورنر کوفہ بھیجا تھا۔ اس کے برخلاف طبری کے راویوں کی رائے میں گورنر دوسرے خط کے بعد بھیجا گیا دونوں خطوں کے مضمون کے مقابلہ سے پہلے خط کے بعد آزمائش وفاداری کا اقدام زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے

نامزد گورنر کو دفع کرنے کے بعد مختار نے ابن زبیرؓ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ایک نئی چال سوچی جو بلی کے پنجہ کی طرح بظاہر نہایت بے ضرر لیکن بباطن نہایت پُر ضرر تھی عبدالملک بن مروان کی فوجیں مدینہ کے نزدیک وادی القریٰ کے نخلستانوں میں فروکش ہو چکی تھیں، اور حملہ کی تیاری میں مصروف تھیں، ابن زبیر کی فوجیں تعداد، ہتھیار اور صلاحیت کارکردگی کے اعتبار سے عبدالملک کی فوجوں سے اتنی ہی مختلف تھیں جتنا بنجر حجاز زرخیز شام سے، وہ ایک مضبوط ساتھی کے شدید محتاج تھے مختار نے لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابن مروان نے حجاز پر چڑھائی کر دی ہے اگر آپ پسند کریں تو میں فوج بھیج کر آپ کی مدد کروں۔" ابن زبیر نے جواب دیا: "اگر تم میرے وفادار ہو تو میں یہ ناپسند نہیں کروں گا۔ کہ تم ایک لشکر میرے ملک میں بھیج دو اور کوفہ کے لوگوں سے میری بیعت لے لو جب اس بیعت کی اطلاع مجھے ملے گی تب ہی میں تم کو سچا سمجھوں گا اور تمہارے ملک پر فوج کشی سے باز رہوں گا، تم جلد اپنا لشکر بھیجو اور اس کو ابن مروان کے مقابلہ کے لئے وادی القریٰ جہاں وہ فروکش ہے جانے کا حکم دو۔" مختار نے تین ہزار بہادروں کا ایک لشکر جس میں سات سو عربوں کے علاوہ سب موالی اور غلام تھے اپنے ایک وفادار ہمدانی سردار (شرحبیل بن ورس) کی قیادت میں وادی القریٰ کی بجائے سمت مدینہ روانہ کیا اور اس سے کہا کہ مدینہ پہنچ کر مجھے مطلع کرنا اور میرے احکامات کے منتظر رہنا، اسکیم یہ تھی کہ جب مدینہ پر قبضہ ہو جائے تو کوفہ سے مزید فوج کے ساتھ مدینہ کا ایک گورنر بھیجے گا اور ابن ورس کو ابن زبیر کا محاصرہ کرنے مکہ روانہ کر دے گا اور حجاز پر قابض ہو کر شام کے غنیم کا مقابلہ کرے گا ابن زبیرؓ جن کو معاویہ جیسے سیاسی دانا نے لومڑی کا لقب دیا تھا کب دھوکے میں آنے والے تھے، وہ مختار کی چالبازیوں سے خوب واقف تھے اور اس کی اسکیم کو تاڑ گئے تھے[1] انھوں نے مکہ سے عباس بن سہل کی کمان میں دو ہزار فوج مدینہ روانہ کی اور حکم دیا کہ راستہ میں جو عرب قبیلے ملیں ان کو جنگ میں شرکت کے لئے بلا لے۔ سپہ سالار کو ہدایت تھی کہ اگر مختار کی فوج اس کے احکامات

---

[1] طبری ۴۴۳/۲ مبرد نے کامل میں اس سے بہت مختلف واقعہ بیان کیا ہے۔ رغبۃ الامل ۲۰۶/۷

بجالائے تو خیر ورنہ کسی چال کے ذریعہ اس کو تباہ کر دے" ابن زبیر کی فوج مختار کی فوج سے رقیم میں ایک چشمہ ہے ملی عباس بن سہل نے ابن ورس سے تنہائی میں ملاقات کی اور کہا کہ "دشمن وادی القری میں حملہ کی تیاری کر رہا ہے میرے ساتھ چل کر اس کا مقابلہ کرو جیسا کہ ابن زبیر نے ہدایت کی ہے ابن ورس نے کہا مجھے مدینہ جانے کا حکم ہے وہاں پہنچ کر اپنے حاکم کو لکھوں گا اور ان کے حکم کے مطابق عمل کروں گا" ابن سہل اس صاحب کمانڈر کا باطن پاگیا، اس نے کہا بہت خوب آپ جیسا مناسب سمجھیں کیجئے" پھر اس نے ایک تباہ کن چال چلی، کچھ تحفے آٹا اور بکریاں ابن ورس کو تحفے میں بھیجیں اور یگانگت کا اظہار کیا، ابن ورس کا لشکر خوراک کی قلت کی وجہ سے بھوکوں مر رہا تھا، بکریاں اور آٹا پاکر فوجی بہت خوش ہوئے اور ہتھیار اتار کر بکریاں ذبح کرنے اور کھانا پکانے میں مصروف ہو گئے، ان کی عسکری تنظیم باقی نہ رہی اس وقت ابن سہل کے ایک ہزار بہادروں نے اچانک حملہ کر دیا ابن ورس کے غیر مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگ پڑے اور کاٹ دئے گئے، ابن ورس مارا گیا۔ مرنے سے پہلے وہ اپنے آدمیوں کو للکار کر کہتا تھا کہ اے خدائی فوجدارو آؤ ادھر آؤ میرے پاس آؤ، ان ناحق لڑنے والوں اور شیطان کے دوستوں کو قتل کرو بے شک تم ہدایت پر ہو یہ غدار ہیں نافرمان ہیں جو بچے ان میں سے اکثر بھوک پیاس سے راستہ میں مرگئے، معدودے چند تباہی کی خبر دینے کو نہ پہنچے، اس کا مختار پر جو اثر ہوا اور جس طرح اس نے اس کو ایک اول درجہ کی ڈپلومیٹک کامیابی میں بدلنے کی تدبیر کی ہم ابن الحنفیہ سے اس کے تعلقات کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

مختار نے ابن زبیر کی تالیف قلب اور اس کی ممکن سزا سے بچنے کی ایک چوتھی کوشش جو غالباً آخری کوشش تھی اور کی، وہ ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے ایک زبردست فوج بھیجنے کی تیاری میں مشغول تھا اور گو کہ وہ کھل کر ابن زبیر کے سامنے دشمن کی طرح نہ آتا تھا ابن زبیر اس کی طرف سے بدظن ہو گئے تھے اور مختار کو یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ مبادا وہ کوئی فوج اس کی سرکوبی کے لئے بھیج دیں۔ اور اس کو دو مورچوں پر لڑنا پڑے اس خطرہ کو وہ ابن زیاد سے نپٹنے تک اپنی

ڈپلومیسی سے ٹالنا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے ایک خط ابن زبیر کو لکھا جس کے بعض حصے تاریخ میں زندہ رہ گئے ہیں، میں نے کوفہ کو اپنا گھر بنا لیا ہے اگر آپ یہ گوارا کرلیں (یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کوفہ کا حکمراں ہوگیا ہے) اور دس لاکھ درہم کی مجھے منظوری دے دیں تو میں شام پر حملہ کردوں گا اور آپ کو اس مہم کی زحمت سے بچا لوں گا۔[۱] یہ خط پڑھ کر ابن زبیر آگ بگولا ہوگئے اور چیخ کر بولے "کب تک میں ثقیف کے اس جھوٹے سے مکر کرتا رہوں اور وہ مجھ سے مکر کرتا رہے گا" پھر ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے

"وہ ننگے کولھوں والا ہے جس کا تعلق ثمود جیسے حقیر قبیلہ سے ہے، وہ غلام ہے اور دعوی کرتا ہے کہ معزز قبیلہ بقدم سے میرا تعلق ہے"

انھوں نے ایک نہایت سخت خط مختار کو لکھا جس میں کہا کہ میں ایک درہم کی منظوری تم کو نہیں دے سکتا۔

اس خط کے بعد مختار کو یقین ہوگیا کہ مصالحت سے ابن زبیر کے ساتھ نباہ ممکن نہیں ہے اور مصالحتی یا ڈپلومیٹک طریقوں سے کوفہ کی حکومت ان سے لینا اتنا ہی مشکل ہے جتنا پتھر سے تیل نکالنا، اس کے علاوہ اب اس کی پوزیشن بھی مضبوط ہوگئی تھی، شام کا خطرہ بڑی حد تک ختم ہوگیا تھا، اس کے سپہ سالار ابن اشتر نے ابن زیاد کی ساٹھ ہزار فوجوں کے ٹکڑے کرکے اس کا سر اتار لیا تھا اب اس نے یہی مناسب سمجھا کہ ڈپلومیٹک وفاداری کا نقاب اتار کر تلوار سونتے ہوئے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ابن زبیر کے سامنے آکھڑا ہو، چنانچہ اس نے ابن زبیر کی مخالفت کا پروپگنڈا برملا شروع کردیا اور اپنی وفاداریاں کلیتہً اہل بیت کی طرف منتقل کردیں۔

اس مخالفانہ پالیسی کا مشاہدہ ہم اس طرز عمل میں کرچکے ہیں جو مختار نے ابن الحنفیہ کی حراست زمزم کے بعد اختیار کیا۔

(باقی آئندہ)

---

[۱] انساب ۵/۲۶۶

ابن الجوزی اور تاریخ نویسی

از

(جناب مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب)

(سابق پرنسپل عثمانیہ یونیورسٹی کالج و صدر حیدرآباد اکیڈمی)

جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی کے نام سے ڈیڑھ قرن پہلے ہر مذہب و ملت کا کم از کم شمالی ہند اور دکن کا طالب علم تقریباً اتنا ہی واقف ہوا کرتا تھا جتنا شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے نام سے اس لئے کہ ان کا ذکر گلستاں کی ایک حکایت میں بحیثیت استاد و مانعِ سماع کیا گیا ہے اور گلستاں و بوستاں مکتب کے ہر بچہ کی درسی کتابوں میں شامل تھے۔ لیکن صرف عربی داں جانتے تھے کہ ابن الجوزی کی وسعت و صحت معلومات کا عالم قرون وسطیٰ کے عرب ماہران علوم و حکمت میں بھی شاذ و نادر تھا۔

اس بلند پایہ محقق کا نسب نامہ ابن خلکان (۱۲۱۱ء - ۱۲۸۲ء) نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ تک بیسویں سلسلہ میں اس طرح پہنچایا ہے۔ ابوالفرج ابن ابی الحسن علی ابن محمد ابن علی ابن عبیداللہ ابن عبداللہ ابن حمادہ ابن احمد ابن محمد ابن جعفر الجوزی ابن عبداللہ ابن القاسم ابن النذر ابن القاسم ابن محمد ابن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن القاسم ابن محمد ابن ابوبکر صدیقؓ

الجوزی کا لقب شاید مشہور بندرگاہ و زرخیز خطۂ زمین الجوز سے منسوب ہے جو بقول ابن خلکان حلب اور البیرا (واقع بالائی فرات) کے مابین تھا یا معروف عام پھل الجوز سے جو اس زمانہ میں واسط میں بطور درہم استعمال ہوتا تھا۔

ابن الاثیر نے تاریخ ولادت ۵۱۰ھ (م ۱۱۱۶ء) بمقام بغداد بتائی ہے۔ دوسرے راویوں نے دو سال قبل (۵۰۸ھ م ۱۱۱۴ء یا ۱۱۱۵ء) بیان کی ہے۔ وفات بغداد ہی میں

۱۲ رمضان ۵۹۷ھ (م جون ۱۲۰۱ء) کو واقع ہوئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ۸۴ یا ۸۵ عیسوی سال سے زیادہ عمر پائی تھی۔

خود ابن الجوزی نے اپنی تصنیف لفتۃ الکبد فی نصیحۃ الولد میں اپنی زندگی کے حالات بیان کئے ہیں اور اپنے فرزند ابوالقاسم کو نصیحت کی ہے کہ باپ کی طرح اپنی عمر تحصیلِ علوم حکمت میں صرف کردے۔

ابن الجوزی کے والد بہت متمول تھے ان کو بہترین تعلیم دلوائی اور ان کی تربیت پر روپیہ خرچ کیا۔ مرتے وقت بہت دولت معہ دو مکان چھوڑی۔ ایک میں خود ابن الجوزی رہتے تھے دوسرا کرایہ پر دیا جاتا تھا۔ ابن الجوزی نے بعد کو ساری متروکہ جائیداد کتابوں کی خرید پر صرف کرکے دونوں مکان بھی بیچ ڈالے اور ان کا روپیہ خریدیٔ کتب پر صرف کیا۔

۷ برس کی عمر میں انھوں نے امام احمد ابن حنبلؒ کی مسند پر تقریریں سنیں، دو برس بعد اپنے استاد ابوالحسن علی ابن عبداللہ ابن نصر الزاغونی کی جماعتِ درس میں شریک ہوئے (جن کی وفات محرم ۵۲۷ھ میں واقع ہوئی اور جو سنواری تاریخ کی ایک کتاب کے مصنف تھے) ۵۵۴ھ م ۱۱۵۹ء میں معمر ابن عبدالواحد سے درس حاصل کئے۔ ان استادوں سے ابن الجوزی نے اپنی کم سنی میں دینیات اور دیگر علوم کی بہترین تعلیم پائی۔ اپنی ذاتی فصاحت کی وجہ سے اس وقت کے چوٹی کے علما میں ان کا شمار ہونے لگا بیس ہی سال کی عمر میں ان کی فصاحت اور خوش بیانی کا دور دور تک چرچا ہوا کرتا تھا۔ خلفاء بغداد، شہزادگان عالی تبار اور وزرار بنی عباس ان کی تقاریر سننے آتے تھے۔ بعض اوقات ان کے سامعین کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ جاتی تھی، اتنے بڑے مجمع کے لئے مسجد کا صحن یا مکان کیا کافی ہو سکتا تھا بغداد کی شاہراہوں اور میدانوں میں لوگوں کو جمع ہونا پڑتا تھا۔ مدینہ طیبہ میں جب وہ تقریر کرتے تو وہاں بھی شہر کے میدان میں سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس زمانہ میں اہل سنت والجماعت اور اہل تشیع میں اکثر مباحثے ہوا کرتے تھے۔ دونوں فرقوں کے لوگ (بحوالہ ابن خلکان) ابن الجوزی کے فیصلے پر آمادہ

ہو جاتے تھے۔ اپنی تصنیف کتاب القصاص والمذکرین اور قبل ازیں محولہ کتاب میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ ایک لاکھ سے زائد مسلمان ان کے اثر سے متقی بن گئے اور بیس ہزار منحرف شدہ پھر سے دین کی طرف لوٹ آئے۔ السبکی نے ان کی گرانقدر تصنیفات کے مطالعہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ابن الجوزی حنبلی مذہب کے پیرو تھے احادیث کی تحقیق میں بہت محنت کرتے تھے حتیٰ کہ امام غزالی کی احیاء العلوم الدین کی بعض حدیثوں کو ضعیف روایت پر مبنی بتایا۔ ان کی ایک کتاب الموضوعات بھی تیار کی آگے چل کر اسی قدر بلند پایہ کے ایک دوسرے مشہور عالم عبدالرحمٰن ابن ابوبکر السیوطی (وفات ۱۱ ۹ ھ م ۱۵۰۵ء) نے النقط البدیعات لکھ کر ابن الجوزی کے ترک کردہ احادیث کو صحیح ثابت کیا۔

اس طرح ابن الجوزی نے عبدالمغیث ابن زہیر الحربی کی کتاب فی فضائل یزید پر بھی اعتراضات کئے۔ گولڈزیہر (Goldziher) لکھتا ہے کہ ابن الجوزی حنبلی عقیدہ کی تائید میں تعصب سے طرفداری کرتے تھے۔ اسی تعصب میں انھوں نے عبدالکریم السمعانی مصنف کتاب الانساب (تاریخ وفات ۵۶۲ھ م ۱۱۶۷ء) پر اعتراضات کئے ابن الاثیر نے بھی ان کے حنبلی عقیدہ کی بیجا طرفداری کی شکایت کی ہے۔ حنبلی عقیدہ کی خوبیوں سے متعلق انھوں نے الباز الاشہب تصنیف کی۔

اپنی کتاب جامع المسانید والالقاب میں صرف امام احمد ابن حنبل، امام البخاری، مسلم اور الترمذی کو معتبر مانا ہے۔ النسائی اور ابن ماجہ کے پیش کردہ اسناد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی بنا پر حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ اکثر مصنفین کو ان کی رایوں سے اختلاف تھا۔

تقریر میں فصاحت و بلاغت کے علاوہ ان کی تصنیفات کی کثرت کی وجہ سے بھی دنیائے اسلام میں ان کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ زبان عربی میں کثیر التعداد کتب لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن اس خصوص میں السیوطی ہی کو ان کی برابری کا درجہ نصیب ہوا۔ خود ابن الجوزی نے

اپنی کتابوں کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ براکلمین (Brockalmann) اپنی تصنیف Geschichte der arabischen Litteratur میں ان کی ۱۸ کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ بہت سی کتابیں یقیناً دستبرد زمانہ سے تلف ہو گئی ہوں گی اتنے وسیع پیمانہ پر جو کام ہوا زیادہ تر تالیف ہی کی حیثیت کا ہو سکتا تھا کیونکہ انسانی معلومات کا کوئی شعبہ اس فہرست سے مرا نہ تھا لسانیات تاریخ، سیرت، دینیات (حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف، وعظ ونصیحت) طب، جغرافیہ وغیرہ اس میں شامل تھے۔

لیکن ان کی شہرت زیادہ تر کتب تاریخ علی الخصوص کتاب المنتظم وملتقط الملتزم فی اخبار الملوک والامم پر مبنی ہے۔ براکلمین نے ابن الجوزی کی مندرجہ ذیل کتب تاریخ کا بھی ذکر کیا ہے۔ الذہب المسبوک فی سیر الملوک، شذور العقود فی تاریخ العہود (جس میں انبیاء ... پیغمبر اور فرشتوں کا ذکر ہے) عجائب البدائع (تاریخی قصوں کا مجموعہ) تلقیح فہوم اہل الآثار فی مختصر السیر والاخبار اور عام سیر پر صفۃ الصفوۃ (ابونعیم کی حلیۃ الاولیاء کا خلاصہ) کتاب فی اخبار الاذکیاء الذین قویت فطنتہم وتنقد ذکاہم بقوت جوہریت عقولہم، کتاب الحمقاء والمغفلین، کتاب القصاص والمذکرین۔

کتاب المنتظم | سنواری ترتیب میں تاریخ عالم پر لکھی گئی ہے جس میں ابتداء عالم سے آنحضرت صلعم کی زندگی تک اور پھر خلیفہ بنی عباس المستضئی کے ۵۷۴ھ تک کے واقعات شامل ہیں۔ گویا مصنف کی وفات سے کچھ ہی وقت پہلے کتاب اختتام کو پہنچی۔ ابتداءً اس کی ۱۲ جلدیں تھیں بعد کے نقل نویسوں نے اس کو قبل اسلامی اور بعد اسلامی حصوں میں تقسیم کیا۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے ممالک مشرق ومغرب کے کتب خانوں میں موجود ہیں (مثلاً ایا صوفیہ، دمشق۔ برٹش میوزیم۔ گوتھا بوڈلین۔ پیرس۔ کیوپرلی زادہ۔ آشر افندی۔ قاہرہ۔ لائیڈن وغیرہ میں۔ معہذا اس کے کئی خلاصے بھی ہیں۔

کتاب المنتظم کا موضوع اور اسکی نوعیت | اس کتاب میں قدیم طریقہ تاریخ نویسی کے بموجب سنواری واقعات

بیان کئے گئے ہیں۔ حدیث کی کتابوں کی طرح راویوں کے اسناد پیش کئے گئے ہیں یہی طریقہ الطبری نے اخبار الرسل والملوک کے لکھنے میں اختیار کیا تھا۔ بعد کو آنے والے مورخوں (مثلاً عزالدین ابن الاثیر ۶۳۰ھ ۱۲۳۲ء) نے بھی یہی طریقہ جاری رکھا تھا۔

اہم اسلامی واقعات ابن الجوزی کی تصنیف میں الطبری کی تصنیف سے زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ علی الخصوص قرامطہ کے حالات اور بویہیہ سلاطین کی تاریخ جو ۳۲۲ھ سے شروع کر کے الکامل فی التاریخ مصنفہ ابن الاثیر سے زیادہ تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں خلفاء اسلام کے سوانح حیات بھی زیادہ تحقیق اور صراحت سے بیان کئے گئے ہیں خلیفہ کی تخت نشینی کے واقعات۔ اس کا نسب نامہ، حلیہ وغیرہ بھی بتایا گیا ہے۔ ایسے ممتاز مصنفوں کے حالات بھی ضبط تحریر کئے گئے ہیں۔ جن کی تصانیف دستبرد زمانہ سے تلف ہو گئیں اور جن کا پتہ الطبری اور ابن الاثیر کی تاریخوں میں نہیں چلتا۔ خالص سیاسی معلومات کے لئے الطبری کی تاریخ (جس میں ۳۰۲ھ تک کے کوائف درج ہیں) ابن الجوزی کے کتاب المنتظم سے زیادہ مفید ہے۔ اسی طرح بعد کے زمانہ کے لئے ابن الاثیر کی الکامل فی التاریخ بھی زیادہ مفید ہے۔

۲۷۳ھ کے واقعات کے ساتھ ابن الجوزی نے قرامطہ ان کے عقائد اور تاریخی حالات بیان کئے ہیں جو الطبری سے مختلف اور زیادہ قابل اعتماد ہیں اسی طرح بویہیہ سلاطین کے حالات ۳۲۲ھ کے آخر تک بڑی صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

ابن الجوزی کی کتاب میں اس امر کا بطور خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ موسمی تغیرات عجیب و غریب طبعی واقعات اور مناظر سماوی کا مصدقہ بیان قارئین کے سامنے پیش کیا جائے، دجلہ و فرات کی طغیانیاں، تند طوفانوں، بارشوں، وباؤں زلزلوں، دمدار تاروں، شہاب ثاقب کی بوچھاڑوں اور غیر معمولی شدید ساعقوں کی تفصیل بعض اوقات سیاسی واقعات سے بھی بڑھ کر لکھی گئی ہے۔ بغداد کے باشندے کی حیثیت سے شہر بغداد اور بصرہ کے حالات بہت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں نئی مساجد کی تعمیر سرکاری و غیر سرکاری عمارات

کی ترمیم بغداد بصرہ اور دیگر بلادِ اسلام کے انتظامی معاملات حج بیت اللہ کے قافلہ سالاروں عاملوں، قاضیوں، والیوں وغیرہ کے نام اور امتیازی حالات بھی ظاہر کئے گئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ مکہ مدینہ اور دمشق کے اعیان کا بھی ذکر شامل ہے۔

۷۵ھ کے سیاسی کوائف میں بیان کیا گیا ہے کہ عبدالملک بن مروان پہلا اموی خلیفہ پہلا حکمران تھا جس نے اپنے نام کا سکہ جاری کیا اس سے پہلے خالص اسلامی کوئی سکہ نہیں تھا سنواری واقعات میں سال زیر بحث میں انتقال کرنے والے خلفاء امراء و علماء کے سوانح حیات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے نام ابجد واری فہرست میں ترتیب دئے گئے ہیں۔ نام کے ساتھ کنیت اور لقب بھی شامل ہیں۔ ہر بیان مکمل اسناد کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تقریباً ہر صورت میں (ابو منصور عبدالرحمٰن ابن محمد القزاز یا ابوالفضل محمد ابن ناصر الحافظ السلامی کے حوالے درج ہیں چونکہ ان مشہور محدثین کی تصنیفات و تالیفات مفقود ہو گئی ہیں ابن الجوزی کی کتاب میں ان کے حوالے بڑی اہمیت رکھتے ہیں ابن الجوزی نے مشاہیر اسلام کے سوانح حیات بڑی تحقیق اور تفصیل سے لکھے ہیں ان کے وفات کی صحیح تاریخ مشخص کرنے میں بھی بڑی کوشش کی گئی ہے اگرچہ ابو الفرج الاصفہانی (قریب ۳۵۶ھ - ۹۶۷ء) کی کتاب الاغانی یا السمعانی کی کتاب الانساب اور شمس الدین احمد ابن محمد ابن خلکان (۱۲۱۱ء - ۱۲۸۲ء) کی وفیات الاعیان و ابناء ابناء الزمان سیرت کی مشہور مستند کتابیں ہیں ابن الجوزی کی کتاب المنتظم میں جو مواد اس قسم کا فراہم کیا گیا ہے بعض مستشرقین کی رائے میں متذکرہ بالا کتب پر بھی سبقت لے جاتا ہے اس لحاظ سے کتاب المنتظم کی باضابطہ ادارت بہت ضروری ہے اور وہ بہت مفید ثابت ہوگی اسی وجہ سے زمانہ مابعد کے مصنفین نے (مثلاً سبط ابو شامہ وغیرہ) ابن الجوزی کی بڑی مدح سرائی کی ہے

کتاب المنتظم کے ذرائع معلومات | ظاہر ہے کہ ایسی جامع کتاب لکھنے کے لئے ابن الجوزی کو بہت سے ماہران تاریخ کی تحریرات کا غائر مطالعہ کرنا پڑا ہوگا الطبری یا ابن الاثیر کی طرح وہ صرف اپنے ذریعہ

معلومات کا نام دینا ہی کافی نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ مکمل اسناد پیش کیا کرتے تھے اس زمانہ کے شہر بغداد کے ممتاز علماء سے ان کو اچھی واقفیت تھی اور وہ ان کی تصانیف کا غائر مطالعہ کرتے تھے ان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ ابو منصور عبدالرحمن ابن محمد القزاز تھے۔ الطبری کے بعد القزاز ہی کی معلومات سے انھوں نے سب سے زیادہ استفادہ کیا۔ افسوس کہ ایسے بلند پایہ عالم کا ذکر صرف الذہبی کی کتاب (سنواری تاریخ) کے خلاصہ منتقی العبر میں پایا جاتا ہے جس کا لکھنے والا ابو بکر ابن احمد ابن قاضی شہبہ (تاریخ وفات ۸۵۱ھ) ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ القزاز کی وفات ۵۳۵ھ (م ۱۱۴۰ ۔ ۱۱۴۱ء) میں واقع ہوئی اور وہ الخطیب البغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔ القزاز کے بعد ابن الجوزی ابو الفضل محمد ابن ناصر الحافظ السلامی کا حوالہ دیتے ہیں جو محدث العراق کے لقب سے مشہور تھے اور بقول الذہبی ۵۵۰ھ م ۱۱۵۵ء میں فوت ہوئے۔ ان کے بعد تیسرے درجہ میں ابو القاسم اسمٰعیل ابن احمد ابن السمرقندی کے حوالے دئے گئے ہیں جو ابن الجوزی کے ہم عصر تھے اور الذہبی کے بیان کے بموجب ۵۳۶ھ (م ۱۱۴۱ ۔ ۱۱۴۲ء) میں انتقال کر گئے وہ بھی الخطیب البغدادی کے شاگرد اور بلند پایہ محدث تھے۔

الخطیب البغدادی کا جن کے یہ نامور شاگرد تھے پورا نام ابو بکر احمد ابن علی ابن ثابت تھا۔ ان کی وفات کی تاریخ ۴۶۳ھ مطابق ۱۰۷۱ء بتائی گئی ہے۔ ابن الجوزی نے اپنی کتاب المنتظم میں خطیب البغدادی سے بھی کئی روایتیں منقول کی ہیں۔ مشاہیر بغداد کی وفات سے متعلق ابن الجوزی نے جو واقعات بیان کئے ہیں ظن غالب ہے کہ الخطیب البغدادی کی تاریخ بغداد سے اخذ کئے گئے ہیں۔

ابن الجوزی کا نواسا جو سبط ابن الجوزی کے لقب سے دنیائے علم میں مشہور ہے ایک بزرگ عالم کا تھا تاریخ ولادت ۱۱۸۶ء اور وفات ۱۲۵۶ء ہے۔ بغداد میں پیدا ہوا ابن الاثیر کا ہم عصر تھا۔ اپنے نانا کے نقش قدم پر اس نے کئی کتابیں لکھیں جن میں مرآۃ الزمان فی تاریخ

الایام از ابتدا ئے عالم تا ۵۷۴ھ ۱۱۷۹ء بہت مشہور ہے۔ اہل مغرب بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔
راقم الحروف کو قرون وسطی کے مظاہر فلکی کی تحقیق میں پروفیسر ڈی۔ السین مارگولیوتھ پروفیسر عربی جامعہ آکسفرڈ سے ایک عرصہ تک مراسلت اور تبادلہ خیال کا موقع ملا۔ چونکہ کتاب المنتظم میں سیاسی و عام تاریخی واقعات کے تذکروں کے ساتھ ان مظاہر کا بھی اکثر جگہ ذکر آیا ہے اور پروفیسر مارگولیوتھ کے ایک شریک ریسرچ ڈاکٹر جوزف سوموگی (Joseph Somogyi) ساکن بڈاپسٹ (Budapest) نے ابن الجوزی کی کتاب المنتظم پر ایک رسالہ جنرل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جنوری ۱۹۳۲ء میں شائع کیا تھا۔ پروفیسر موصوف نے اس رسالہ کی ایک کاپی میرے پاس تحفۃً روانہ کی۔ مصرحہ بالا مواد زیادہ اسی سے اخذ کیا گیا ہے۔
ڈاکٹر سوموگی صاحب عرب مورخین کو ایرانی داستان نویسوں کا شاگرد بتا کر تمہید میں لکھتے ہیں کہ عرب تاریخ نویسی سنواری واقعہ نگاری تک ہی محدود رہی اور ان کی کوشش زیادہ تر اسناد کی فراہمی اور تحقیق میں صرف ہوتی رہی۔ ممالک مغرب کے اکثر مستشرقین کی بھی یہی رائے ہے۔ افسوس کہ مسلم مورخین کی صداقت بیان اور محققانہ تلاش کی بہت کم لوگوں نے داد دی۔ مسلم ثقافت کے آخری دور میں بلند پایہ مسلم ماہران علم و حکمت کا فقدان اس کمی کو پورا نہ کر سکا۔ زمانہ حال کے ممالک مغرب کے مستشرقین اب قرون وسطی کے مسلم علماء کی قدر پہچاننے لگے ہیں۔ پرنسٹن (Princeton) یونیورسٹی کے پروفیسر سامی ادب فلپ کے ہٹی (Philip K. Hitti) اور ہسٹری آف سائنس کے ایڈیٹر ڈاکٹر جارج سارٹان Sarton وغیرہ مسلم محققین کے علمی خدمات کے نہ صرف معترف بلکہ مشکور بھی ہیں۔ مسلم مورخین کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی طرف کم لوگوں نے توجہ کی ہے ان کی راست گوئی ہے۔ اچھی بات ہو کہ بری انھوں نے عموماً بلا کم و کاست بیان کر دی۔ ان کا مطمح نظر ہمیشہ صداقت رہا۔ پالیسی کی خاطر انھوں نے واقعات کا رنگ بدل کر کبھی پیش نہیں کیا۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں کہ "مہذب" دنیا کو ابھی ان سے سیکھنے کی ضرورت ہے۔

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۱)

واقعات زندگی پر تبصرہ | تاریخ زوال سلطنت مغلیہ مؤلفہ ایچ جے لکھن میں تحریر ہے کہ ۱۷۶۱ میں ابدالی کابل کو واپس گیا اپنے واپسی کے وقت یہ انتظام کرتا گیا کہ مرزا جواں بخت کو امور سلطنت برائے نام سپرد کئے اور تمام نگرانی وانتظام سلطنت نجیب الدولہ کے ہاتھ میں چھوڑا اس سے بہتر اور کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔ مرزا جواں بخت ہوشیار اور نیک آدمی تھا اور امیر الامرار نجیب الدولہ ایک ایسا شخص تھا کہ دانائی اور ایمان داری میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا

دوندے خاں نے اپنے پرانے ساتھی و رفیق کی ہمیشہ مدد کی اور عمدہ اس سے برتاؤ کیا ایسا ہی طرز عمل شجاع الدولہ کے ساتھ اس کا تھا۔

اور ملہار راؤ ہلکر کو بھی راضی رکھا، یہ مرہٹہ اس قدر اس کا مطیع تھا کہ اس نے اپنے ملک والوں کی طرفداری چھوڑ کر پانی پت کی بربادی سے اس کو بچا لے گیا۔

امور سلطنت | نجیب الدولہ نے امور سلطنت کو نہایت قابلیت اور کامیابی کے ساتھ انجام دیا مرہٹوں کو دو آبے سے نکال دیا اور آگرہ میں صرف جاٹوں کا ایک قلعہ باقی رہ گیا۔

نجیب الدولہ کے آٹھ برس کے زمانۂ حکومت میں مرہٹے ہندوستان میں نظر نہ پڑتے تھے البتہ خفیف جھڑپیں رہیں۔

نجیب الدولہ مرہٹوں کے آخر تنازعے کے تصفیہ میں مشغول تھا کہ اس کو موت آگئی ہم پر فرض ہے کہ اس شخص نیک نہاد ایمان دار کی نسبت اپنی رائے لکھیں اور جو کچھ ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اس سے اس شخص کی لیاقت اور جرأت ظاہر ہوتی ہے۔ سلطنت کے واسطے اچھا ہوتا کہ اگر اس کے اولاد میں اس کی سی قابلیت ہوتی۔ نجیب الدولہ کی کارروائی اور طرز عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے اعلیٰ درجہ کا شخص امرائے ہندوستان میں تھا۔"

وفات | نجیب الدولہ مرض مزمن میں عرصہ سے مبتلا تھے مرض نے شدت پکڑی تبدیلِ آب و ہوا کے لئے علاقہ نجیب گڑھ جا کے سکونت اختیار کی غرضکہ ایک عرصہ تک بیمار رہ کر ۳۰ ستمبر ۱۷۷۰ء ہاپڑ کے مقام پر وفات پائی۔

"ناظم ملک بقا" ان کی تاریخ وفات ہے

رباعی

زمیں را شیوۂ شیون بپا شد ملک را گریۂ وندان نما شد

بداں قدوسیاں دادند ایں رمز نجیب الدولہ واصل باخدا شد
۱۱۸۴

نواب سید علی محمد خاں بہادر

نواب سید علی محمد خاں بہادر سردار داؤد خاں کے پسر متبنّیٰ رام پور ریاست کے بانی مبانی۔ سردار داؤد خاں کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی تمام سرداروں نے ان کی سرداری کو قبول کیا اور نواب دوندے خاں نے نواب عظمت اللہ حاکم مراد آباد سے داؤد خاں کی جائداد پر ان کو دخل دلوا دیا۔

نواب علی محمد خاں ایک اقبال مند شخص تھے دوندے خاں جیسے دلیر، جری اور مدبر کی سپہ سالاری میں بہت جلد ترقی کی مقبوضات میں اضافہ کیا پرگنہ منونا اور آنولہ قابل ذکر ہیں آنولہ کی فتح سے روہیلوں کی طاقت اور ثروت میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا نوابی ٹھاٹ جم گئے اور ایک وکیل کو دہلی بھیج کر وزیر الممالک قمر الدین خاں سے براہ راست آنولہ کی سند

حکومت بھی حاصل کی۔

دربار شاہی میں رسوخ کا ذریعہ یہ ہاتھ لگا کہ ان ایام میں افواج شاہی نے جالندھر میں سادات بارہہ پر چڑھائی کی اس میں یہ شریک رہے بعد فتح روہیلہ سردار علی محمد خاں کو اس کے صلہ میں زرمال گذاری سالانہ میں کسی قدر کمی خطاب نوابی اور نوبت وعلم وغیرہ عطا ہوئے دوندے خاں نے نواب کے عروج کی اس منزل پر اپنے حقیقی چچازاد بھائی حافظ رحمت خاں کو نواب سے دعوت دلوائی یہ مدبر اور عالی دماغ فرد تھے۔ یہ شاہ عالم خاں کے خلف الرشید تھے ہندوستان آئے اور نواب کے یہاں رفاقت اختیار کی ان کی وجہ سے روہیلوں کا مستقبل روشن نظر آنے لگا۔ ان روہیلہ سرداروں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے محمد شاہ خوف زدہ ہوا ادھر ایرانی امرار کے کہنے سے سنہ ۱۷۴۵ء میں راجہ ہرنند کھتری کو کٹھیر کے انتظام اور روہیلوں کی تادیب کے لئے مقرر کیا راجہ ہرنند پچاس ہزار فوج اور بڑے ساز و سامان سے براہ سنبھل مرادآباد میں داخل ہوا۔ دریائے ارل کے کنارے بیس ہزار روہیلہ فوج مقابلہ کو تیار ہوگئی ہراول سردار حافظ رحمت خاں اور میمنہ کے سردار دوندے خاں تھے گھمسان کی لڑائی ہوئی جنگ کا خاتمہ ہرنند اور اس کے لڑکے موتی لال کے قتل پر ہوا۔ (باقی آئندہ)

ایک ضروری تصحیح

مولوی نجم الدین صاحب نہیں مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی۔ برہان بابتہ اگست سنہ ۶۰ء "میں مصارف زکوٰۃ کے سلسلہ میں چند ضروری باتیں" کے عنوان سے جو سوال نامہ شائع ہوا ہے وہ مولوی نجم الدین صاحب اصلاحی کا نہیں بلکہ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کا ہے۔ ناظرین تصحیح کرلیں۔

مشرق و مغرب کی باہم آویزی

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

مشرق اور مغرب کے مابین کچھ مدت سے جو سرد تصادم، اعصابی جنگ یا پھر یوں کہئے کہ جو اختلاف رائے برپا ہے اس میں تخفیف رونما ہونے کی بجائے روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے اور اس مسئلہ کا تاریک ترین اور افسوسناک پہلو یہ ہے کہ کرۂ ارض کے ان دو حصوں کے تعلقات کو کشیدہ تر بنانے کا براہ راست یا بالواسطہ موجب وہ ادارہ ثابت ہو رہا ہے جسے بین الاقوامی تعلقات کو خوشگوار اور استوار بنانے کے لئے قایم کیا گیا تھا۔

کرۂ ارض کے مذکورہ بالا حصوں کے تعلقات کی کشیدگی کی تاریخ اور ادارہ اقوام متحدہ کے قیام کے روز اول ہی سے اس برافتدار یافتہ اقوام و ممالک کے ان منصوبوں کی داستان جو اس ادارہ امن و عافیت اور صلح و آشتی کے نام پر کمزور اور خصوصاً مشرق کی کمزور اقوام کو اقتصادی، معاشی اور سیاسی طور پر محکوم رکھنے کے لئے بنائے جاتے رہے ہیں بہت زیادہ طویل اور پیچیدہ ہے لیکن ماضی کو نظر انداز کرنے کے بعد بھی اگر صرف گذشتہ ماہ کے واقعات ہی کو سامنے رکھا جائے تو دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں اور وہ یہ کہ اول تو مغرب، مشرق کے متعلق اپنی قدیم حکمت عملی پر قایم ہے اور اب اسے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر یا پھر اس کی زیر حمایت کامیاب بنانا چاہتا ہے اور دوسرے یہ کہ مشرق اب مغرب کے حاکمانہ اور مستعمرانہ اقتدار کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور جاپان سے لے کر مصر تک جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ انہیں دو مختلف نظریات اور اقدامات کے مظہر ہیں۔

جاپان کا معاہدہ | مثال کے طور پر جاپان کے ساتھ معاہدہ صلح کے مسئلہ پر غور فرمایئے۔ دوسری

عالمگیر جنگ سے کچھ مدت قبل یہ ملک مشرق میں شہنشاہیت نا فسطائیت کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور جنگ کے زمانہ میں اس نے بھی فاشی جرمنی کی طرح مشرق میں اپنی عسکری قوت کا مظاہرہ کیا تھا اور اسی لئے جنگ کے بعد سے اس وقت تک اس پر برائے نام اتحادی افواج لیکن درحقیقت امریکی سرمایہ دار مسلط ہیں لیکن اب جاپان کے ساتھ معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے سان فرانسسکو میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے اور اگرچہ ابھی تک شرائط معاہدہ شائع نہیں کی گئیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ اس معاہدہ کے ذریعہ سے امریکہ جاپان میں اپنی فوجوں کو مقیم رکھ سکے گا۔ ارض جاپان اور اس کے گرد و نواح میں امریکہ کو بعض اہم عسکری اور فضائی مستقر حاصل ہو جائیں گے۔ امریکہ کے صنعتی سرمایہ داروں کے لئے جاپان میں داخلہ کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور امریکہ کی امداد سے جاپان پھر جارحانہ عسکریت کی راہ پر چلنے لگے گا۔

ہندوستان اور برما نے سان فرانسسکو کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا ہے چین کی عوامی جمہوریہ کو اس اجتماع میں شرکت کی دعوت ہی نہیں دی گئی۔ ویٹ کی نمایندگی کا حق فرانس کو دے دیا گیا ہے اور کوریا کے موجودہ حالات میں اس امر کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ امریکہ کے علاوہ کانفرنس میں کوئی اور اس کی نمایندگی کر سکے گا۔ اس طرح ایشیا کے ایک اہم ملک کے ساتھ معاہدۂ صلح کی تکمیل کے لئے جو کانفرنس ہو رہی ہے وہ ایشیائی آبادی کی اکثریت کی نمایندگی سے محروم ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں جس معاہدہ کی تکمیل کی جائے گی اسے نہ تو ایشیائی عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل ہو گی اور نہ وہ جاپان کے ہمسایہ ممالک نیز خود جاپان کے مفاد کے تحفظ کے اصول پر مبنی ہو گا اور اگر جنگ عظیم ثانی کے بعد ایشیا کے معدودے چند ممالک مغربی مستعمرین کی گرفت سے رسمی یا واقعی طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ تو اس معاہدہ کی بدولت ایشیا کا ایک اہم اور عسکری اہمیت کا حامل ملک امریکہ کا محکوم بھی ہو جائے گا۔

کوریا میں مذاکراتِ مصالحت | پھر گزشتہ ماہ کے ایک اور واقعہ پر غور فرمائیے۔ کوریا میں گزشتہ چودہ ماہ سے دنیا کی دو متضاد نظریات کی حامل قوتوں کے مابین جو تصادم ہو رہا ہے اگرچہ فی الحال اس کی حیثیت مقامی ہو کر رہ گئی ہے لیکن اس کے بین الاقوامی تشکل اختیار کر لینے کے امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور اگر کبھی یہ صورت حالات رونما ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس سے ایشیا کو شدید ترین مشکلات اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور اسی لئے بیشتر ایشیائی ممالک اس قضیہ کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کرا دینے کے خواہشمند ہیں لیکن گزشتہ جولائی سے ادارہ اقوام متحدہ کے نام پر امریکہ اور شمالی کوریا، نیز چینی رضاکاروں کے نمائندوں کے مابین کے سانگ میں جو مذاکرات ہو رہے ہیں انھیں صرف اس بناء پر ختم کر دیا گیا ہے کہ شمالی کوریا نے اتحادی افواج کے خلاف اس امر کی شکایت کی تھی کہ انھوں نے کیسانگ کے علاقہ میں شرائط مفاہمت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اتحادی افواج کے سپہ سالار اعظم جنرل رجوے اس شکایت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ تحقیقات بھی کرانا نہیں چاہتے گویا کہ وہ ایک شکایت کی تحقیقات کرانے سے انکار کر کے ایک ایسے بین الاقوامی ادارہ کے نام پر جس کے قیام کا بنیادی مقصد بقائے امن عالم ہے ایک ایسی جنگ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں جو تیسری عالمگیر جنگ کی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مستقبل قریب ہی میں کوریا کے مسئلہ میں کوئی مفاہمت نہ ہو سکی تو پھر جاپان کے ساتھ معاہدۂ صلح کے بعد اس میں غیر متوقع شدت پیدا ہو جائے گی۔

ایران اور برطانیہ

ایرانی تیل کا قضیہ | ایران میں اینگلو ایرانین آئل کمپنی، اور حکومت ایران کے مابین گزشتہ چند ماہ سے جو کشمکش جاری ہے وہ دراصل ایران اور برطانیہ کی براہ راست کشمکش کی حیثیت رکھتی ہے اس کمپنی کو ۱۹۰۹ء میں قائم کیا گیا تھا ۱۹۱۴ء میں برطانیہ اس کے بیشتر حصص کو خرید کر ۵۲ فی صدی کا مالک بن گیا تھا۔ اس کمپنی کے مختلف شعبوں میں کم و بیش ۶۵ ہزار افراد کام کرتے

ہیں اور کمپنی کا علاقہ جنوبی ایران میں عملاً ایک جداگانہ ریاست کی حیثیت رکھتا ہے اس میں شک نہیں کہ تیل برآمد کرنے کے اعتبار سے اس کمپنی کو بے حد اہمیت حاصل ہے لیکن یہ اہمیت تیل برآمد کرنے ہی تک محدود نہیں بلکہ برآمد شدہ تیل کو خلیج فارس اور بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل تک پہونچانے کے لئے جو پائپ لائنیں تعمیر کی گئی ہیں ان کی حفاظت کے لئے جنوبی ایران اور مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک کی سیاسی کشمکش میں اس کمپنی کو محوری حیثیت حاصل ہے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد سے چونکہ مشرق وسطیٰ میں ایک طرف تو امریکہ کا اثر و نفوذ ترقی کرتا جا رہا ہے اور دوسری طرف عرب ممالک کے عوام اور شمالی ایران کے باشندے سوویٹ روس سے بھی متاثر ہو رہے ہیں اور انھیں وجوہ کی بنا پر اب مشرق وسطیٰ میں برطانیہ کے حاکمانہ اقتدار کو پے در پے شدید صدمات پہنچ رہے ہیں۔ چنانچہ ایران میں تیل کے چشموں کو قومی ملکیت بنا دینے کی جو تحریک جاری ہے اس کے پس پردہ بھی یہی عناصر کام کر رہے ہیں اور حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ایران اور برطانیہ کے مابین تیل کے مسئلہ پر کوئی ایسا سمجھوتہ نہ ہو سکا جو ایران کے نقطۂ نظر سے اطمینان بخش ہو تو یہ تنازعہ نہ صرف طول ہی پکڑ جائے گا بلکہ اس کا شمار ان مسائل میں بھی ہونے لگے گا جو آج بین الاقوامی امن کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

نہر سویز مصر اور برطانیہ | نہر سویز کے علاقہ سے برطانوی افواج کے انخلا کا معاملہ گذشتہ چند سال سے مصر اور برطانیہ کے مابین باعث اختلاف بنا ہوا ہے اور مصر اس معاہدہ کو منسوخ کر دینے کا فیصلہ کر چکا ہے جو ۱۹۳۶ء میں دونوں ملکوں کے درمیان ہوا تھا لیکن یہاں اس معاہدہ کا تذکرہ مقصود نہیں بلکہ مقصد مصر اور برطانیہ کے اس نئے تنازعہ کو پیش کرنا ہے جس کے متعلق مجلس تحفظ کے اس تازہ ترین فیصلہ نے ایک بار پھر اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ پر قابو یافتہ گروہ اسے کس طرح اپنے استعماری مقاصد کے حصول کے

لئے استعمال کر رہا ہے۔

۱۹۴۸ء کے وسط میں فلسطین سے برطانوی انتداب کے ختم ہونے کے بعد جب یہود کی ریاست اسرائیل کا قیام عمل میں آیا تھا تو جن عرب ممالک نے اس ریاست پر یورش کی تھی ان میں مصر بھی شامل تھا اور اس وقت سے اب تک مصر اور اسرائیل کے مابین حالت جنگ قایم ہے اور اسی لئے حکومت مصر ان تمام بحری جہازوں کی تلاشی لیتی ہے جو نہر سوئیز سے گذر کر اسرائیل جاتے ہیں اور چونکہ اسرائیل اور عرب ممالک بالخصوص مصر اور اسرائیل کے تعلقات ابھی تک خوش گوار نہیں ہو سکے اور مغربی سیاست کی عیارانہ نوعیت کے پیش نظر یہ امر ناممکن نہیں کہ مغرب کے مستعمرین مشرق وسطے میں اپنا ایک مستقر قایم رکھنے کے لئے اسرائیل کو اسلحہ بہم پہونچانے کی کوشش کریں اس لئے مصر کی مذکورہ بالا احتیاطی تدبیر کو نامناسب اور غیر معقول بھی قرار نہیں دیا جا سکتا مگر مجلس تحفظ نے ایک قرار داد منظور کر کے مصر کو اسرائیل جانے والے جہازوں کی تلاشی لینے سے محترز رہنے کی ہدایت کی ہے اور مصر ہی نے نہیں بلکہ تمام عرب ممالک نے مجلس تحفظ کی اس قرار داد کو نظر انداز کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرح جہاں ادارہ اقوام متحدہ کے متعلق ایک مرتبہ پھر یہ حقیقت پیش نظر ہو گئی کہ اس کے تمام تر فیصلے ایک خاص زاویہ نظر کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان میں بین الاقوامی مفاد کو نہیں بلکہ ایک خاص گروہ کے مفاد کو سامنے رکھا جاتا ہے وہیں موجودہ بین الاقوامی کشمکش میں اضافہ کا ایک اور سبب بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ایران اور عرب ممالک میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں ان میں یہ امر خصوصیت کے ساتھ باعث اطمینان ہے کہ مشرق وسطیٰ کے عوام میں بھی سیاسی شعور پیدا ہوتا جا رہا ہے اور رفتہ رفتہ یہی شعور بلوغت کے مرحلہ میں پہنچ کر ایشیا ہی نہیں بلکہ پورے مشرق کی سلاسل محکومیت کو پارہ پارہ کر دینے کا موجب ثابت ہو سکے گا۔

ادبیات

پروانہ

(جناب الم مظفر نگری)

(۱)

عرشِ حیاتِ عشق کا اخترِ شعلہ گیں ہے تو
سازِ نوائے درد پر نغمۂ آتشیں ہے تو
منزلِ حسن کے قریب سالکِ جلوہ بیں ہے تو
چشمِ جہانِ شوق میں قابلِ آفریں ہے تو
شمع کی لو پہ دمبدم رقص یہ تیرا الحذر
ضبطِ وفا کو فخر ہو کیوں نہ ترے وجود پر

(۲)

گرچہ ہے نالۂ حزیں وردِ زبانِ عندلیب
قمری ہے شاخِ سرو پر صحنِ چمن میں غم نصیب
سمتِ قمر ہے کبک کا شوقِ صعود بھی عجیب
موجِ رواں ہے مضطرب ساحلِ بحر کے قریب
تیرا یہ وجد و رقصِ غم شعلوں کی گود میں مگر
آپ ہی اپنا ہے جواب شام سے لیکے تا سحر

(۳)

تیرا جمالِ سوز ہے تاروں میں روشنی نہیں
تیرا جنوں کا ہے سکوت پھولوں میں خامشی نہیں
تیری وفا ہے ضو فروش تابشیں مہر کی نہیں
تیرا مذاقِ درد ہے برق میں تھرتھری نہیں
بیخودِ جلوۂ ازل کیوں نہ ہو تیری ہر نظر
مثلِ کلیم غش میں ہے شمع کے طورِ حسن پر

(۴)

حاصلِ سوز ہے اگر تیرا کمالِ زندگی
میرا جگر بھی آشنا ذوقِ تپش سے ہے ابھی
دادطلب ہے شمع سے تیرا شعورِ بیخودی
میری خودی کو ہے مگر رازِ بقا سے آگہی
آ دلِ کائنات کو ذوقِ الم نواز دیں
بزم کو مثلِ شمعِ بزم حاصلِ سوز و ساز دیں

غزل

(جناب انور صابری)

فغاں بدوش و الم در کنار گذری ہے
جہاں جہاں نگہِ بے قرار گذری ہے

قفس نصیب اسیروں کے سامنے سے ابھی
مچل مچل کے نسیمِ بہار گذری ہے

تری نظر نے جسے بخشدی ہے دولتِ غم
وہ زندگی بخوشی سازگار گذری ہے

یہی فسانۂ طور و کلیم کا عنواں
جو اک نظر ترے جلوؤں پہ بار گذری ہے

تمام رات ستاروں کو نیند آ نہ سکی
سحر کے ساتھ شبِ انتظار گذری ہے

وہ ایک ساعتِ رنگیں جو تیرے ساتھ کٹی
نگاہ و دل کے لئے یادگار گذری ہے

کوئی تعلقِ خاطر تو ہے کہ تیری نظر
بچا کے مجھ سے نظر بار بار گذری ہے

مصیبتوں پہ بھی کرتے ہوئے گمانِ کرم
حیاتِ عشق بہر اعتبار گذری ہے

وہی غزل جو تھی گلدستۂ ادب انور
نگاہِ ناقدِ بدبیں میں خار گذری ہے

غزل

(جناب برج لال جگی رعنا بی۔اے)

اپنی ہستی کو محبت میں فنا کرتا ہوں میں
زندگی کو زندگی سے آشنا کرتا ہوں میں

لالۂ و گل کی طرح کرتا ہوں کانٹوں کو قبول
اس طرح طے راہِ تسلیم و رضا کرتا ہوں میں

اُنکا شیوہ ہے کہ ہر اک پر ستم کرتے رہیں
میری فطرت ہے کہ ہر اک سے وفا کرتا ہوں میں

زندگی کی تلخیوں میں بھی ہیں کیا شیرینیاں
مر رہا ہوں پھر بھی جینے کی دعا کرتا ہوں میں

ہے بہت نازک مزاجِ رحمتِ پروردگار
کچھ سمجھکر سوچ کر اک خطا کرتا ہوں میں

بخش کر ذوقِ نظر، ذوقِ تصور، ذوقِ دل
اہلِ عالم کو نئے جذبے عطا کرتا ہوں میں

اللہ اللہ اضطرابِ شوقِ منزل کے قریب
راہزن پر بھی گمانِ رہنما کرتا ہوں میں

سینچتا ہوں خون سے اپنے چمن زارِ وطن
آج رعناؔ زندگی کا حق ادا کرتا ہوں میں

تبصرے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی از جناب ڈاکٹر حمید اللہ سابق استاذ قانون جامعہ عثمانیہ دکن۔ تقطیع متوسط ضخامت ۴۰۸ صفحات۔ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد پانچ روپیے۔ ملنے کا پتہ:۔ ادارۂ اسلامیات نمبر ۱۹۰ انارکلی لاہور

یہ کتاب دراصل ان مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے جو فاضل مصنف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی کے پیش نظر وقتاً فوقتاً لکھتے اور مختلف رسائل میں شائع کراتے رہے ہیں اس طرح انھوں نے سیرت نبوی کے ایک خاص پہلو پر نظر ڈالی ہے اور حیات مقدسہ کا ایک نیا مگر نہایت اہم اور عظیم الشان خاکہ تیار کیا ہے جو معلومات افزا بھی ہے اور بصیرت افروز بھی جس میں روح کی تسکین کا سامان بھی ہے اور عقل وخرد کے لئے پیغام ہدایت بھی۔ شروع میں پس منظر کے طور پر فاضل مصنف نے مکہ معظمہ کی جغرافیائی اہمیت، عربوں کے طبعی خصائص۔ بعثت نبوی کے وقت دنیا کے عام حالات۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت۔ بچپن اور جوانی کے عام واقعات نزول وحی اور آغاز نبوت کا تذکرہ کیا ہے اور اس کے بعد کتاب کا اصل موضوع بحث شروع ہوتا ہے جس میں صلح حدیبیہ۔ فتح مکہ۔ اور ان کے اثرات ونتائج کا بیان ہے اور پھر آنحضرت کے مکتوبات اور عہد نبوی میں عربوں کے دوسرے ممالک سے سیاسی تعلقات اس عہد کی سیاسی دستاویزات اور بعثت نبوی کے وقت جو چند عالمگیر گتھیاں تھیں ان کا اسلامی حل۔ انسانیت کا اہم ترین چارٹر۔ یعنی خطبۂ حجۃ الوداع ان سب امور ومباحث کا تذکرہ وبیان ہے اس حصہ میں مکتوبات اور سیاسی دستاویزات کا باب اس لحاظ سے بہت قابل قدر ہے کہ اس میں فاضل مصنف نے اپنی ذاتی تحقیق وتفحص اور کاوش وتجسس سے بعض نہایت قیمتی معلومات بہم پہنچائی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب

نے یہ مقالات زیادہ تر غیر مسلموں کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا نقش قایم کرنے کے لئے لکھے تھے اسی بنا پر ان کا انداز بیان بعض بعض جگہ ایسا شوخ و بیباک ہو گیا جو کسی مسلمان کے لئے مشکل سے ہی قابل برداشت ہو سکتا ہے مثلاً صفحہ ۲۱ پر ان کی یہ تحریر کہ " یہ کہنا گستاخی کے لئے نہیں امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ آنحضرت ایک جو نیر گھرانے کے جو نیر فرد تھے " صفحہ ۲۰ پر ام المومنین حضرت خدیجہ سے متعلق یہ ریمارک کہ " تمول و تنعم کے باوجود اعتدال و عفاف کی زندگی نے وہ رعنائی باقی رکھی تھی جس کے باعث چراغ حسن کے پروانوں کی کمی نہ تھی پھر اسی سلسلہ میں آنحضرت کے سراپا کا ذکر کرتے ہوئے صفحہ ۴۷ پر یہ فقرہ " دوسری طرف ایک پچیس سالانہ جوان ہے مست شباب مگر شرمیلا " اس کے بعد قبل از نکاح آنحضرت اور حضرت خدیجہ کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے یہ جملہ کہ اور پھر یہاں دونوں کو لگی ہوئی ہے یہ اسے چاہتے ہیں اور وہ اسے اور اس سے بہتر کیا جوڑ ہو سکتا ہے " بیان میں اس بے احتیاطی کے ساتھ اس کا بھی افسوس ہے کہ لائق مصنف اگرچہ ہمارے ملک کے نامور محقق اسلامیات ہیں لیکن اس کے باوجود زیر تبصرہ کتاب میں انھوں نے بعض موضوع روایتوں کو بھی جگہ دے دی ہے۔ مثلاً صفحہ ۶۲ پر کلبی کی کتاب الاصنام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ " اسی موقع کا جز ہے کہ آنحضرت نے جاہلیت میں ایک بھوری بھیڑ قربانی دی تھی " صفحہ ۶۳ پر لکھتے ہیں۔ پھوپھیاں اتنی بضد ہوئیں کہ آنحضرت بھی (بوانہ نامی بت کی سالانہ تقریب میں جس کو ڈاکٹر صاحب زمانۂ جاہلیت کی جاترا کہتے ہیں) ساتھ جانے پر آمادہ ہوتے . . . . .

اور یہ سب نو عمری اور زمانۂ جاہلیت کا واقعہ ہے اور پھر لئے آیت ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان " علاوہ بریں پوری کتاب پڑھ جانے کے بعد دل و دماغ پر یہ اثر ضرور ہوتا ہے کہ آنحضرت غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے یعنی عبقری ([illegible]) تھے حالانکہ آنحضرت صرف اسی قدر نہیں بلکہ پیغمبر برحق تھے اور غیر مسلموں کو ان کے انداز فہم کے مطابق آج کل کی فلسفیانہ زبان میں سمجھانے کے لئے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آپ دل و دماغ کی غیر معمولی بیداری اور فکر و عمل کی حیثیت خود ہی کے اعتبار سے مافوق البشر یعنی ([illegible]) تھے۔ بہر حال ان چند باتوں سے قطع نظر پوری کتاب لائق مطالعہ ہے اور اس قابل ہے کہ انگریزی اور دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ

REGISTERED No E.P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلا کسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعاتِ ادارہ اور رسالہ "برہان" (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہو۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کراکر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مُرتّب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے، مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمائیے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت بہر مجلد عہہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان قیمت ہے مجلد ہے

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا پانچواں حصہ) قیمت ہے مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو از سر نو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ہے

غلامان اسلام اسی سے زیادہ غلامان اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت صہ مجلد ہے

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت ہے، مجلد معہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد ہے،

بُرہان

جلد بست و ہفتم — شمارہ نمبر ۴

اکتوبر ۱۹۵۱ء مطابق محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

اگر ایک شخص آپ کے پاس اپنی کوئی ضرورت اور حاجت لے کر آئے تو اس کی مدد کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ فوری طور پر اس کی ضرورت کو رفع کر دیں اس کو روپیہ کی ضرورت ہے آپ روپیہ دے دیں، اسے نوکری کی جستجو ہے اسے نوکری دلا دیں اسے مکان درکار ہے آپ مکان فراہم کر دیں۔ لیکن اس کے علاوہ مدد کی ایک دوسری صورت بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ اس شخص کے حالات کو اس طرح تبدیل کر دیں کہ پھر آئندہ کبھی اس کو اس ضرورت سے دوچار ہونے کی نوبت ہی نہ آئے اور وہ کسی کا دست نگر ہوئے بغیر خود اپنے بل بوتہ پر اپنی زندگی بسر کر سکے مثلاً ایک روپیہ کے ضرورت مند کو آپ کسی صنعت و حرفت کی تعلیم دلا دیں کہ پھر اسے نہ روپیہ مانگنے کی حاجت ہو اور نہ نوکری کی جستجو ہو اور اگر اسے مکان نہ ملتا ہو تو وہ خود اپنا مکان بنوا سکتا ہو۔ ظاہر ہے شخصی مدد کی ان دونوں صورتوں میں سے دوسری صورت بہت زیادہ موثر کارگر اور مدد کی بنیادی و افادی صورت ہے۔

آج کل ہند میں مسلمانوں کو جو معاملات پیش آ رہے ہیں ان میں حکومت اور کانگرس اور مسلمان زعما اور خاص طور پر جمعیۃ علمائے ہند کے اکابر مسلمانوں کی جو مدد کر رہے ہیں وہ زیادہ تر پہلی ہی قسم کی مدد ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء کی کوششوں کا جو ریکارڈ قایم ہوا ہے وہ نہایت عظیم الشان اور ہر طرح لائق تحسین و آفریں ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جن کی جائدادیں کسٹوڈین کے قبضہ سے واگذار ہو گئیں کتنے ہی مظلوم و ستم رسیدہ ہیں جن کو کسی نہ کسی شکل میں ان کی ستم رسیدگی کی داد مل گئی۔ کتنے بے روزگار ہیں جن کو روزگار اور بے گھروں کو ان کے گھر واپس مل گئے۔ لیکن مدد کی ان سب کچھ کامیاب مثالوں کے باوجود مسلمانوں میں اب تک اپنے اوپر اور دوسروں پر اعتماد کرنے کی وہ اسپرٹ پیدا نہیں ہو سکی ہے جو ایک قوم کی تعمیر میں سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے۔ اب تک شعوری یا نیم شعوری طور پر مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اپنے آبائی و اجدادی وطن کو اپنے لئے پردیس اور یہاں کے قدیم باشندوں کو اجنبی محسوس کرنے لگا ہے اور اس کے برخلاف پاکستان میں اسلام کے نام سے جو اسٹیٹ بنی ہے اس کو اپنی اسٹیٹ اور اس اسٹیٹ میں رہنے والوں کو اپنے

ہی لوگ " سمجھتا ہے۔ اس ذہنیت کا نتیجہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء کی باوادِ حکومت وکانگرس مسلمانوں کو ہند میں روکنے کی تمام کوششیں اپنی جگہ پر ! اور پاکستان میں عام بے روزگاری، پریشاں حالی، اور کس مپرسی کی داستانیں بھی " حرفِ نگفتہ شمار لب کو دکاں رسید" کی مصداق، لیکن اس سب باتوں کے باوجود پاکستان کو بھاگ نکلنے کا عقبی دروازہ کسی وقت سنسان نظر نہیں آتا جس کو جب اور جس طرح موقع ملتا ہے۔ چل کھڑا ہوتا ہے اور پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ ہے کہ اس طرح کے جانے والوں میں کوئی شخص اگر لیڈر قسم کا انسان ہوتا ہے تو اپنے "خیالی دار الحرم" میں پہنچ کر وہ ہند اور یہاں کی حکومت کی نسبت اس طرح کے بیانات شائع کرتا ہے جو خود ہند کے مسلمانوں کی پوزیشن کو مشتبہ کر دیتے اور خطرہ میں ڈال دیتے ہیں۔

یہ صورتِ حال ظاہر ہے کہ ہند کی حکومت کے لئے تو صبر آزما اور پریشانی کا باعث ہونی ہی چاہئے کیونکہ جب یہاں کے سربر آوردہ مسلمانوں کا معاملہ یہ ہوگا کہ آج وہ حلف وفاداری اٹھاتے ہیں اور کل پہلے ہوائی جہاز سے پاکستان کی راہ لیتے ہیں آج پارلیمنٹ میں گورنمنٹ کی حمایت میں بولتے ہیں اور اس کے دوسرے ہی دن اس ملک کو خیرآباد کہہ جاتے ہیں تو گورنمنٹ کے لئے یہ مشکل ہوگا کہ وہ کس پر اعتماد کرے اور کس پر نہ کرے۔ اس طرح اقلیت کے معاملات ہمیشہ حکومت اور اس کے کارکنوں کے لئے ناقابلِ حل معمہ بنے رہیں گے اور وہ کبھی صاف دل و دماغ کے ساتھ ان معاملات پر غور نہ کر سکے گی۔ لیکن اگر پاکستان گورنمنٹ کشمیر کو ہر قیمت پر حاصل کرنے کے جذبات سے الگ ہو کر ٹھنڈے دل و دماغ اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرے تو ناخواندہ مہمان کی حیثیت سے ہندی مسلمانوں کے پاکستان پہنچ جانے کی یہ صورت خود پاکستان گورنمنٹ کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہونی چاہئے کیونکہ اول تو یوں ہی پاکستان میں ابھی لاکھوں مہاجرین پڑے ہوتے ہیں جن کی آبادکاری کا اسے بندوبست کرنا ہے یہ لوگ وہاں پہنچ کر سوائے اس کے کہ بے گھروں اور بے روزگاروں کی تعداد میں اضافہ کریں اور کیا کر سکتے ہیں پھر پناہ گزینی کی زندگی (جیسا کہ ہند اور پاکستان میں اس کا تجربہ ہو رہا ہے) انسان میں غیر اخلاقی اور غیر ذمہ دارانہ افعال واعمال کی جرأت اور ان کے ارتکاب میں بے باکی و بے خوفی پیدا کر دیتی ہے اس بنا پر یہ نئے مہاجرین پاکستان پہنچ کر عناصر شر و فساد کی تقویت کا سامان ہوں گے جو ایک حکومت کے لئے گوارا نہ ہونا چاہئے، پاکستان گورنمنٹ کی مخالفت ابھی ہی کیا

کچھ کم پارٹیاں ہیں جو ان میں اضافہ کی اور ان کی تقویت کی ضرورت ہو بہر ان سب سے زیادہ اہم اور سوچنے
کی بات یہ ہے کہ اگر ہندی مسلمانوں کی تعداد پاکستان میں اسی طرح بڑھتی رہی تو اندیشہ ہے کہ آگے چل کر
صوبائی عصبیت جو اب بھی کچھ کم نہیں ہے ایک انتہائی ناگوار صورت اختیار کر جائے اور گورنمنٹ کو اس کا
سنبھالنا مشکل ہو جائے۔ علاوہ بریں اس کا اثر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے غیر مسلم باشندوں پر اس کے
ناگوار اثرات پڑیں اور وہ اضطراراً یا باختیار خود ان نوواردوں کے لئے جگہ خالی کر دیں اگر ایسا ہوا تو اس کا اثر
ہند کے باقی مسلمانوں پر پڑے گا اور انجام کار یہ ہو گا کہ ہند اور پاکستان دونوں پناہ گزینوں کی مشکلات اور ان
کے معاملات و مسائل کو حل کرنے ہی میں لگے رہیں گے اور دونوں کو کم از کم ایک نسل تک اس کا موقع نہیں
ملے گا کہ ملک کے دوسرے اہم اور تعمیری کاموں کی طرف یکسوئی کے ساتھ توجہ کریں، لازمی طور پر اس کا اثر
یہ بھی ہو گا کہ ملک میں گورنمنٹ کی مخالف پارٹیوں کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے پناہ گزینوں کی آڑ لے کر اپنا
پروپگنڈا کرنے کا موقع ملتا رہے گا اور حکومت کو کبھی عوام میں ہر دلعزیزی حاصل نہ ہو سکے گی۔

بہرحال یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے اثرات بہت دوررس ہو سکتے ہیں اور اس کا حل پیدا کرنا دونوں ہی حکومتوں
کا فرض ہے لیکن ہمیں یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ چونکہ تقسیم ہند کی بنیاد مطالبۂ پاکستان ہے اور پاکستان کے معنی ہی یہ تھے کہ
اس کے لئے ووٹ تو لئے جائیں غیر منقسم ہندوستان کے تمام مسلمانوں سے اور جب پاکستان کا تخیل وجود میں آجائے تو ہندوستان
میں اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کو انتہائی غیر موثر اقلیت کی شکل میں چھوڑ کر ان سے قطع تعلق کر لیا جائے اس بنا پر پاکستان گورنمنٹ
کا وہاں کے لوگوں کا اور وہاں کے اخبارات و جرائد کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ ہند گورنمنٹ کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا رشتہ
زیادہ سے زیادہ مضبوط کرنے کی کوشش کریں۔ ہند گورنمنٹ اگر اس راہ میں پاکستان کی طرف ایک بالشت بڑھے تو پاکستان کو دو
بالشت بڑھنا چاہیے۔ پاکستان کی اقلیت کے ساتھ صرف منصفانہ نہیں بلکہ فیاضانہ اور برادرانہ برتاؤ قولاً نہیں بلکہ عملاً ہونا چاہیے ملکی
اور غیر ملکی اخبارات میں ہند کی نسبت جو غلط اور گمراہ کن پروپگنڈا ہو رہا ہے اسے فوراً بند ہونا چاہیے اور احساس کمتری سے جو ہند
کی طرف سے حملہ کا خوف دلا کر وہاں جنگ کی سی فضا پیدا کر دی ہے حالانکہ ہند کے کسی گوشہ میں کہیں اس کا نام و نشان بھی نہیں
یہ انتہائی مضحکہ انگیز بھی ہے اور سخت تباہ کن بھی۔ اس کی فوری طور پر روک تھام ہونی چاہیے اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ
ضرورت ہے کہ یا تو جس طرح مشرقی اور مغربی بنگال میں پرمٹ سسٹم نہیں ہے اسی طرح پنجاب کے دونوں حصوں سے بھی یہ
سسٹم اٹھا دیا جائے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو ایک تاریخ مقرر کر کے اعلان کر دیا جائے کہ اس کے بعد ایک ملک سے دوسرے ملک
میں آکر بسنے والوں کو حقوق شہریت نہیں دئے جائیں گے البتہ ایک ملک کے لوگوں کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اس ملک کی قومیت
کو قائم رکھتے ہوئے دوسرے ملک میں ملازمت یا کاروبار کے سلسلہ میں قیام کر سکتے ہیں۔ دونوں حکومتوں نے اگر ایسا [illegible]

تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات)

(۲۱)

اس پر الشعبی نے کہا کہ میں نے ان میں سے کس کس سے علم حاصل کیا ہے؟ زکریا نے بطور مثال کے حارث اعور اور صعصعہ کا نام لیا حالانکہ اس گروہ کے یہ ممتاز لوگ تھے، لیکن شعبی نے ہر ایک کے متعلق اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اچھے خیالات ظاہر نہیں کئے، حارث اعور کے بارے میں کہا کہ حساب اور فرائض اگرچہ اسی شخص سے میں نے سیکھا ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص وسواس کے مرض میں گرفتار تھا، صعصعہ کے متعلق کہا کہ بڑا اچھا بولنے والا آدمی تھا لیکن دین کی سمجھ اس میں بھی نہ تھی شعبی کے اصلی الفاظ یہ ہیں۔

كان خطيباً ولم يكن بفقيه[1] وہ واعظ بڑا اچھا تھا لیکن فقیہ نہ تھا۔

[1] تذکرۃ الحفاظ

الذہبی نے اسی کے قریب الشعبی کے متعلق یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک دفعہ کہنے لگے کہ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کے شاگردوں و مستفیدوں کے سوا میں نے تو کسی کو فقیہ کبھی خیال نہیں کیا اس پر ایک شخص نے ٹوکتے ہوئے ان لوگوں کا نام لینا شروع کیا جو ابن مسعود کرم سے مستفید نہیں ہوئے تھے اور صرف حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت میں شریک ہو گئے تھے، اس فہرست میں بھی حارث، ابن ضبوہ، صعصعہ، رشید وغیرہ کا نام ہے اس وقت بھی الشعبی نے ہر ایک کے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار کیا جن کا ذکر زکریا سے کیا تھا بلکہ رشید الہجری

کا وہ قصہ یعنی مدینہ پہنچنے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے وفات کے بعد ملاقات کرنے کا قصہ اسی موقعہ پر بیان کیا تھا۔ تذکرۃ الحفاظ، لسان المیزان وغیرہ میں آپ کو ان چیزوں کی تفصیل مل سکتی ہے

بہرحال بادیۂ عرب کے مختلف گوشوں سے کوفہ کی چھاؤنی میں اس قسم کا ایک خاص طبقہ جو جمع ہو گیا جن کے ممتاز افراد کا میں نے ذکر کیا ان کے متعلق یہ سمجھنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ اسلام کو انھوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا، ان ہی لوگوں کے دوسرے حالات بھی ان ہی کتابوں میں ملتے ہیں جو ان کی راستبازی اور سرفروشی کی واضح شہادتوں پر مشتمل ہیں بلکہ آگے بڑھ کر میں تو یہاں تک کہنے کے لئے آمادہ ہوں کہ رشید ہجری کے اس قصہ کے سوا جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں ملاقات کا اس نے دعویٰ کیا ہے جو ظاہر ہے کہ بے اصل واقعہ ہے، اس کے سوا قصداً غلط بیانی کا انتساب بھی اگر کل کی طرف نہیں تو ان کے سرآوردہ افراد کی طرف مشکل ہے، مثلاً حارث اعور ہی ہیں آج ہی نہیں، الشعبی کے بعض بیانات میں ان کی طرف کذب کے انتساب کو پاکر اسی زمانہ میں بعض جلیل القدر بزرگوں نے اس پر اعتراض کیا تھا، حافظ ابن حجر نے تہذیب میں نقل کیا ہے کہ ابراہیم نخعی کے سامنے کسی نے شعبی کے اس دعویٰ کا جب ذکر کیا تو کہنے لگے کہ

اظن الشعبی عوقب بقولہ فی الحارث	میں خیال کرتا ہوں کہ الشعبی کو اسی کی سزا ملی جو
تہذیب ج ۲ ص ۱۲۶	حارث کے متعلق وہ کہتے تھے۔

اور ہے بھی یہی بات کہ حارث معمولی آدمی نہیں ہیں وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے تعلیمی حلقہ کے ممتاز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں حافظ ہی نے لکھا ہے کہ

تعلم الفرائض من علی ج ۲ ص ۱۴۶	فرائض کا علم حضرت علی ہی سے حارث نے سیکھا تھا

اور شعبی نے حارث ہی سے اس علم کو سیکھ کر کوفہ میں اس علم کی اشاعت کی، گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا میں فرائض کا علم جو پایا جاتا ہے شاید اس کی تعلیمی سند حارث ہی پر ختم ہوتی ہو، ابن سعد کے حوالے سے خود اسی کتاب میں کسی موقعہ پر میں نے بھی نقل کیا ہے کہ اپنے دستِ مبارک

سے لکھ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حارث کو وہ نوشتہ دیا تھا جس میں "علم کثیر" تھا۔

اور ایک حارث ہی کا یہ حال نہیں ہے، حارث تو شعبی کے استاد تھے۔ کوفہ کی اسی جماعت کی مشہور شخصیت جابر بن یزید الجعفی کی ہے شعبی سے ہم عصری کا تعلق تھا۔ رائے قائم کرنے والوں کی رائیں اس شخص کے متعلق بھی عجیب ہیں، ایک بڑا طبقہ جابر پر معترض ہے، لیکن جابر کے مداحوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ واللہ اعلم اصل واقعہ کیا ہے لیکن جہاں تک اس طبقہ کے حالات کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کردار سے زیادہ ان کا اصلی عیب یہ تھا کہ جعلی روایتوں کو صحیح حدیثوں سے جدا کرنے کا معیار یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان الفاظ میں جس کی تعبیر کی تھی کہ۔

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون — لوگوں سے وہی باتیں (یعنی حدیث کے متعلق) بیان کرو جنہیں لوگ جانتے پہچانتے ہوں، اور جن سے نامانوس ہوں انھیں چھوڑ دو۔

اس علوی معیار کے استعمال سے اپنی خاص قسم کی دماغی کیفیت کی وجہ سے وہ معذور تھے آخر خود سوچنا چاہیئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مواجہہ مبارک میں اور وہ بھی بحالت خطبہ بھری مجلس میں بے دھڑک

اشھد انک ملک الدابہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ دابہ تم ہی ہو۔

کہنے سے جو نہ جھجکتے ہوں اور اس قسم کے دوسرے رکیک وسخیف خیالات پر جنہیں اصرار ہو میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی عقلیت اس کا فیصلہ کیسے کر سکتی تھی کہ اسلامی تعلیمات سے مانوس وغیر مانوس باتیں کون سی ہیں ان کی اسی عقلی سادگی سے نفع اٹھانے والے نفع اٹھاتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے قدرتاً حضرت والا کے ساتھ ان کی عقیدت غیر معمولی طور پر جوں کہ بڑھی ہوئی تھی، حریفوں نے اسی کو ہتھکنڈا بنا لیا، حضرت کی طرف منسوب کر کے جس قسم کی باتیں چاہتے ان سے منوا لیتے تھے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ حارث اعور کے متعلق احمد بن صالح مصری کی طرف یہ قول جو منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کسی نے احمد کے سامنے

الشعبی کے اعتراض کا ذکر کیا تو جواب میں احمد نے کہا

لم یکن یکذب فی الحدیث انما کان کذبہ فی رائہ ص۱۲۱

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ حدیث کی روایت میں غلط بیانی سے کام لیتے تھے بلکہ رائے کی غلطی ان کی مراد ہے۔

تقریباً یہ وہی توجیہ ہے جسے میں پیش کر رہا ہوں کہ قصداً حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کرنے کی جرأت یہ لوگ نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے دوسرے دینی حالات سے اس کی تردید ہوتی ہے، البتہ ان لوگوں کی رائے یعنی عقاید و خیالات غلط تھے جن میں مبتلا ہو جانے کے بعد پھر صحیح و غیر صحیح روایتوں میں تمیز کی صلاحیت ہی آدمی میں باقی نہیں رہ سکتی آخر بادل سے حضرت علی کی آواز سننے کا جو انتظار کر سکتے ہوں، آپ ان سے کیا چیز نہیں منوا سکتے الشعبی ہی سے براہ راست ذہبی نے حارث کے متعلق جو یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ

فخشیت علی نفسی منہ الوسواس تذکرہ ص۱۶۱

مجھے اس شخص کے متعلق اس کا اندیشہ ہے کہ وہ وسواس کے مرض میں مبتلا تھے۔

اس سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے کہ شعبی کو حارث اعور کی عقلیت پر بھروسہ نہ تھا میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں ایک دوسری مثال سے بھی اس کو سمجھ سکتے ہیں مذکورہ بالا طبقہ کی ممتاز اور نمایاں شخصیتوں کی فہرست جو میں نے پیش کی ہے دیکھئے اسی میں ایک صاحب ہیں حبۃ العرنی جن کا بھی نام ہے ابن معین کے حوالہ سے لسان المیزان کا وہ فقرہ ابھی گذرا ہے جس میں دوسروں کے ساتھ حبہ کے متعلق ان کا یہ فیصلہ تھا کہ لا یساوی شیئاً (کسی چیز کے برابر نہیں ہے) لیکن اسی کے ساتھ حافظ ابن حجر نے ہی تہذیب میں سلمہ بن کہیل جیسی باوقار اور مستند بزرگ ہستی کی یہ چشم دید شہادت بھی نقل کی ہے۔

ما رأیتہ قط الا یقول سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر الا ان

میں نے کبھی اس کو نہیں دیکھا مگر اسی حال میں پایا کہ سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ کا ورد کر رہا ہو

یصلی او یحدثنا ص۱۶۶ ج ۳ تہذیب — البتہ نماز پڑھ رہے ہوں یا ہم لوگوں سے حدیث بیان کرتے ہوں ،

عقلاً اسی قسم کی شخصیت کے متعلق یہ خیال کہ قصداً وہ جعلی روایتیں بنا بنا کر حضرت علی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا کرتے تھے ، شاید صحیح نہیں ہو سکتا اور یہی سوال ہے کہ نقد رجال کے ائمہ آخر جبہ کی روایتوں کی ایک حبہ بھی قیمت جو نہیں لگاتے ۔ ابن معین ہی نہیں ، دوری جوزجانی ، نسائی ابن خراش اور ان کے سوا بھی اس راہ کے ارباب تحقیق کی یہی رائے نقل کی گئی ہے کہ حدیث میں وہ کچھ نہ تھے ۔ (دیکھئے تہذیب لفظ جبۃ العرنی ص۱۶۵ ج ۲) اور اب میں اسی سوال کا جواب دینا چاہتا ہوں ۔

واقعہ یہ ہے کہ عہد عثمانی کے آخری سالوں میں غلط اور بے سروپا بے بنیاد روایتوں کا سیلاب مسلمانوں میں بہادیا گیا تھا ۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جیسا کہ بہ تفصیل بتایا جا چکا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے ذاتی معلومات کی اشاعت سے اس طوفان کا مقابلہ مناسب خیال فرمایا ، اور اسی کے ساتھ صحیح اور غلط روایتوں کے جانچنے کا فطری اور عقلی معیار یعنی معروف و مانوس اور منکر و غیر مانوس باتوں میں تمیز کی جو کسوٹی مسلمانوں کو آپ نے عطا فرمائی اس کو دیکھ کر حریفوں کو دوسری چال سوجھی ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی زندگی کی حد تک تو خاموش رہے اور گو فتنہ کے سرغنوں کو بھی جہاں تک آپ سے ہو سکا ختم کر چکے تھے ۔ لیکن چند ہی دنوں کے بعد آپ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا ۔ حکومت کی باگ جن ہاتھوں میں چلی گئی ، سیاسی مہمات کی مشغولیت نے دوسری طرف متوجہ ہونے کا موقعہ ان کے لئے باقی نہ رکھا تھا ، چھپی دبی چنگاریاں فساد کی ملک کے مختلف گوشوں میں جو باقی رہ گئی تھیں ، ان کو بھڑکنے اور چمکنے کا ایک مغتنم موقعہ مل گیا ، واقعات بتلاتے ہیں کہ بقیۃ السیف افراد فتنہ پردازوں کے جو پوشیدہ تھے وہ پھر باہر نکل آئے ۔ جیسا کہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یہ لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فوجیوں میں گھلے ملے تھے وہ حضرت کی فوج اور آپ کے طرفداروں کے حالات سے بھی خوب واقف تھے جانتے تھے اور ان کی ذہنی اُفتاد

دماغی کیفیتوں کا ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت اچھا اور کافی تجربہ رکھتے تھے جیسا کہ معلوم ہے حضرت کے ساتھ دینے والوں میں غالب تعداد کوفہ کی چھاؤنی کے فوجیوں کی تھی کوفہ والوں میں عبداللہ بن مسعودؓ کے زمانہ کے جو لوگ تھے ان کو متاثر کرنا ان کے لئے آسان نہ تھا۔ البتہ بادیۂ عرب کے ان سادہ دل سپاہیوں میں کام کرنے کی کافی گنجائش نظر آئی، خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ اقدس سے جو زیادہ عقیدت رکھتے تھے اور ان کے مطلوب مخالفوں کی سیاسی کامیابیوں اور اپنی ناکامیوں سے جیسا کہ چاہئے تھا محزون و مغموم تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ امام برحق کے مقابلہ میں مخالف جماعت کیسے کامیاب ہو گئی۔ بہرحال اسی جماعت کے مختلف افراد کا انتخاب کیا گیا، اور کسی دوسرے کے نام سے نہیں، بلکہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر کے ان بے چاروں میں اپنی خود تراشیدہ روایتوں کی ترویج میں نفسیاتی اصول کے تحت جن میں وہ غیر معمولی مہارت رکھتے تھے بتدریج کوشش شروع کی۔ پھر زیادہ دن گذرنے نہ پاتے تھے کہ دیکھا گیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی واقعی روایت کردہ حدیثوں کے ساتھ مصنوعی اور جعلی روایتوں کا ایک انبار ان ہی لوگوں میں جمع ہو گیا جن کو اپنے اس عمل کے لئے فتنہ پردازوں کی اس ٹولی نے چنا تھا۔ خیال تو کیجئے کہ جابر بن یزید الجعفی جو تقریباً اسی زمانہ کا آدمی ہے یعنی الشعبی عکرمہ وغیرہ کا شاگرد ہے۔ ابتدا میں بے چارے کی دینی حالت غیر معمولی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بہتر تھی اچھے اچھے لوگ اس کے مداح تھے۔ سفیان ثوری، شعبہ، وکیع جیسے اکابر اس کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے، لیکن خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اسی آسیب زدہ جماعت سے اس کا تعلق ہو گیا کہتے ہیں کہ جابر کے استاد شعبی کو جب اس کی بھنک لگی تو بطور فہمائش کے اس کو سمجھایا بھی کہ جابر! دیکھ! میں خیال کر رہا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ کر مرے گا" (میزان ص۱۷۶ ج۱) مگر بد قسمت جابر فتنہ کا شکار ہو گیا اسی کے بعد یہ دعوی کرتے ہوئے کہ

انتقل العلم الذی کان فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی علی ثم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو علم تھا، وہ حضرت علی تک منتقل ہوا اور علی سے امام حسن

من علی الی الحسن ثم لم یزل حتی بلغ جعفراً میزان ص۱۵۲ ج۱ — یہ یوں ہی وہ منتقل ہوتا ہوا جعفر تک (یعنی اسی شخص تک پہونچا)

ان روایتوں کی تعداد جن کے متعلق جابر مدعی تھا کہ امام جعفر کے والد حضرت امام باقر رضی اللہ عنہ سے اس کو پہنچی ہیں جو کچھ بتاتا تھا خود اس کی زبان سے براہ راست سننے والوں کا بیان ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ

سمعت جابرا یقول عندی سبعون الف حدیث عن ابی جعفر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کلھا — میں نے سنا ہے جابر کہتا تھا کہ میرے پاس ستر ہزار ایسی روایتیں ہیں جو کل کی کل ابو جعفر (امام باقر علیہ السلام) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہونچیں

مقدمہ صحیح مسلم ص۱۳۵

مسلم کے اسی مقدمہ میں ایک روایت پچاس ہزار کی بھی ہے، امام ابوحنیفہ تک کے سامنے اس نے تیس ہزار روایتوں کا دعویٰ کیا تھا تہذیب میں ہے

ان عندہ ثلثین الف حدیث لم نظھرھا ص۴۷ ج۲ تہذیب — تیس ہزار روایتیں ایسی ہیں (جسے کہتا تھا) کہ اس نے (یعنی جابر) نے لوگوں پر ظاہر نہ کیا

واللہ اعلم بالصواب جابر کے یہ دعوے اس کے خود تراشیدہ دعوے تھے یا جس جماعت میں وہ شریک ہو گیا تھا یعنی جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابن حبان نے لکھا ہے کہ

کان سبائیا من اصحاب عبد اللہ بن سبا میزان ص۱۵۲ ج۱ — جابر دراصل سبائی تھا یعنی عبد اللہ بن سبا کے لوگوں میں سے تھا۔

ان لوگوں سے یہ چیزیں اس تک پہنچی تھیں، اس کے ابتدائی حالات جو بیان کئے گئے ہیں ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ قرین عقل وقیاس یہی ہے کہ جھوٹ کا یہ طومار دوسروں ہی سے اس

لے اسی مقصد کو کبھی ان الفاظ میں ادا کرتا کہ رسول اللہ نے حضرت علی کو بلایا، اور جو کچھ آپ کو خدا سے علم ملا تھا سب آپ کو سکھلایا حضرت علی نے امام حسن کو امام حسن نے امام حسین کو حسین نے بیٹے کو تا اینکہ امام جعفر صادق تک اس علم کو پہنچایا۔ ص۱۵۲ میزان ج۱

تک پہنچا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

میری غرض تو صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے پھیلانے والوں نے جھوٹ کے جس سمندر کو انڈیل دیا تھا، اس کا اندازہ آپ کو صرف اسی ایک قطرے سے ہو سکتا ہے، آخر جب ایک ایک آدمی اپنے پاس ستر ستر ہزار، پچاس پچاس ہزار روایتوں کا پشتارہ رکھتا ہو تو مجموعی طور پر ان روایتوں کی مقدار کیا ہوگی، جو حضرت والا کے اسم مبارک کی طرف منسوب کر کر کے اسی قسم کے مفتون لوگوں میں پھیلا دی گئی ہوں گی۔

انتہا یہ ہے کہ جیسے حضرت والا کی طرف سے تحریری شکل میں بعض روایتوں کی اشاعت عمل میں آئی تھی، ان لوگوں نے اس سے بھی نفع اٹھایا یعنی سینوں سے سینوں میں جو کچھ وہ منتقل کر رہے تھے وہ تو خیر کر ہی رہے تھے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نوشتوں کو دیکھ کر لکھ لکھ کر جعلی روایتوں کی کتابوں کو حضرت والا کے اسم گرامی کی طرف منسوب کر کے پھیلانے والے پھیلا رہے تھے امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں نقل کیا ہے کہ

اتی ابن عباس بکتاب فیہ قضاء علی فدعا بہ الا قدر واشار سفیان بذراعہ صفحہ ۱۲۹	ابن عباس کے سامنے ایک کتاب پیش ہوئی جس میں (کہا جاتا تھا) کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیصلے ہیں، حضرت ابن عباس نے اس کتاب کو لے کر مٹانا شروع کیا مگر اتنا سفیان نے ہاتھ کی طرف اشارہ کیا یعنی ایک ہاتھ کے برابر کتاب کو باقی رکھا۔

مگر ظاہر ہے کہ ابن عباس ہی جیسی ہستی اس کی جرأت کر سکتی تھی، بلکہ قاضی ابن ابی ملیکہ جو طائف

۱؎ آخر خود خیال کیجئے وکیع بن الجراح جیسے امام تک جس کے متعلق یہ کہتے ہوں کہ خواہ اور کسی چیز میں تم شک کرو لیکن جابر معتبر اور ثقہ آدمی ہے اس میں شک نہ کرنا چاہئے سفیان ثوری کی عقیدت کا حال ابتدا میں اسی کے متعلق اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ نقد رجال کے امام شعبہ نے جابر پر جب جرح کا ارادہ کیا تو سفیان نے کہلا بھیجا تھا کہ جابر پر اگر تم کلام کروگے تو میں پھر تم پر کلام کروں گا۔ ۱۲

کے قاضی تھے ان کے جس قصہ کا ذکر اسی مقدمہ میں امام مسلم نے کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ابن عباس کو ابن ابی ملیکہ نے لکھ بھیجا کہ آپ میری راہ نمائی کے لئے کوئی کتاب لکھ کر بھیج دیجئے حضرت ابن عباس نے اسی "قضائے علی" نامی کتاب کو منگوایا آپ نے چاہا کہ اسی کی نقل کر کے بھیج دوں، لیکن جب لکھنے بیٹھے تو راوی کا بیان ہے

یمر بہ الشیئ فیقول واللہ ماقضیٰ بھذا علی الا ان یکون قد ضل (۱)	ان کے سامنے کوئی بات آتی، تو فرماتے قسم ہے خدا کی نہ فیصلہ کیا علی نے یہ مگر یہ کہ وہ راہ سے بھٹک گئے

ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ قطعاً نہ تھا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف ضلالت اور بھٹک جانے کا العیاذ باللہ الزام لگا رہے تھے بلکہ اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے یہ دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جو اسلام کا منکر ہو گیا ہو، ظاہر ہے کہ مقصد اس قسم کے طرز بیان سے یہ ہوتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے یہ دین اسلام کا ایسا بدیہی اور واضح عقیدہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے کوئی اس دعویٰ کا مدعی نہیں ہو سکتا اسی طرح ابن عباس کا مقصد بھی مذکورہ بالا تعبیر سے محض ان جعلی اقوال کی نوعیت کا اظہار ہے یعنی ان کا مصنوعی ہونا اتنا واضح ہے کہ گمراہ ہوئے بغیر ایسا فیصلہ حضرت علی کر ہی نہیں سکتے، الغرض روایت کا وہی معیار جس سے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے روایات کی تنقید میں کام لینے کی ہدایت فرمائی تھی اور آپ سن چکے کہ ابن عباس نے بھی

فلا ناخذ الا ما نعرف	اب ہم نہیں قبول کرتے مگر ان ہی روایتوں کو جو جانی پہچانی مانوس ہیں۔

کے الفاظ سے اسی طریقہ کار کا اظہار بھی فرمایا تھا لیکن ظاہر ہے کہ ابن عباس ہونا تو خیر بڑی بات ہے جس قسم کی بصیرت اور پختہ نظری کثرت مشق اور مزاولت، نیز دوسرے اسباب کے تحت ان میں پیدا ہو گئی تھی یہ بات ہر کس و ناکس کو کیسے میسر آسکتی تھی نتیجہ وہی ہوا جو بد اندیشوں نے سوچا تھا، یہی نہیں کہ جھوٹ کا ایک سیلاب سارے اسلامی علاقوں میں پھیل گیا، عبدالملک بن مروان نے اپنے ایک مدنی خطبہ میں اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا تھا کہ

وقد سالت علینا احادیث من قبل هذا المشرق ولا نعرفها

المشرق (عراق وغیرہ جن میں کوفہ بصرہ وغیرہ لامحالہ تھے) وہاں سے حدیثوں کا ایسا سیلاب بہ کر ہماری طرف آگیا ہے جنہیں ہم نہیں پہچانتے۔

ابن سعد ص۱۲۳ ج۵

ظاہر ہے کہ "ھذا المشرق" سے عبدالملک کا اشارہ اسی مشرقی شمالی حصہ کی طرف تھا جہاں سے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا، شاید پہلے بھی اس کا کہیں ذکر آچکا ہے کہ یہ اُموی فرماں روا عبدالملک زمانہ تک علم حدیث کا طالب العلم رہ چکا تھا اور ممتاز و نمایاں طلبہ میں اس کا شمار تھا اس لئے اس کے قول کو میں نے نقل بھی کیا کہ اس وقت وہ بادشاہ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ حدیث کے ایک طالب العلم کی حیثیت سے گفتگو کر رہا تھا اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اس فتنہ کے نتائج و آثار کو کتنی دنوں تک اور کتنے دور دور فاصلوں پر لوگ محسوس کر رہے تھے۔

اور قصہ صرف اسی پر ختم ہو جاتا تو سمجھا جاتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے آخری سالوں میں جو مصیبت دراندازوں کے ہاتھوں حدیث کے اس علم پر نازل ہوئی تھی، یعنی وہی مصیبت جس کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جیسا کہ گذر چکا ترکنا الحدیث عنہ (یعنی رسول اللہؐ سے حدیثوں کی روایت کو ہم نے چھوڑ دیا) کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گویا یہی مصیبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد پھر واپس ہو گئی لیکن اس مصیبت کے مقابلہ کے لئے عوام کے لئے نہ سہی مگر خواص کے لئے تو لم نأخذ من الناس الا ما نعرف (ہم نہیں قبول کریں گے لوگوں سے مگر ان حدیثوں کو جنہیں ہم جانتے پہچانتے ہیں) کا معیار تو رہ گیا تھا۔

مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوفہ پہنچ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے جن معلومات اور مسموعات کی اشاعت کی طرف توجہ فرمائی تھی ظاہر ہے کہ وہ معمولی معلومات نہ تھے یوں بھی سوچنا چاہئے کہ حضرت علی جو آٹھ نو سال کی عمر سے آخر وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور بقول شخصے اسی وقت بظاہر علیحدہ ہوئے۔ جب دیکھا گیا کہ دفن کر کے روضۂ پاک سے وہ باہر نکل رہے ہیں اس دوامی رفاقت و استمراری معیت کے ساتھ ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

ان کے جو گوناگوں روابط تھے اور ان روابط کی وجہ سے نبوت کے متعلق معلومات کا جو قیمتی سرمایہ ان کے پاس جمع ہو گیا تھا خیال کرنے کی بات ہے کہ معلومات کا یہی سرمایہ جب وقفِ عام کر دیا گیا ہو تو اس غیر مترقبہ نعمت کی قدر و قیمت کا کوئی اندازہ ہو سکتا ہے بقول حافظ الدنیا شیخ ابن حجر کہ پیغمبر کے متعلق جس شخص کے معلومات کا یہ حال ہو کہ

هٰذه عائشة اخص ازواج النبي صلى الله عليه وسلم تقول لسائلها عن شئ من احوال النبي صلى الله عليه وسلم سل عليا تہذیب ج ۷ ص۳۳۸	یہ عائشہ صدیقہ جو رسول اللہ کی تمام بیویوں میں سب سے زیادہ خصوصیت رکھتی ہیں، جب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے متعلق کوئی کچھ دریافت کرتا تو فرماتیں کہ علی سے پوچھو

یہ آخری مہر توثیق اس علم کی وسعت کے متعلق ہو سکتی ہے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس تھا لیکن اس علم کا انجام بھی کیا ہوا؟ کسی دوسری جماعت کے آدمی نے نہیں بلکہ ایک ایسے شخص نے "جو اصحابِ علی" میں شمار ہوتے تھے ان ہی سے مشہور کوفی امام ابو اسحاق السبیعی نے براہ راست یہ شہادت سنی، امام مسلم ہی نے اپنے مقدمہ میں اس کو بھی نقل کیا ہے یعنی

عن ابي اسحاق قال لما احدثوا تلك الاشياء بعد علي قال رجل من اصحاب علي قاتلهم الله اى علم افسدوا ص۱۲	ابو اسحاق سے ان کا یہ بیان نقل کیا جاتا ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد جو نئی باتیں لوگوں نے پھیلائیں تو ایک شخص جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے صحبت یافتوں میں تھا کہا کرتا تھا کس علم کو ان لوگوں نے غارت کیا۔

جس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے جن معلومات کی اشاعت کو فہ پہنچ کر فرمائی تھی وہ ان جعلی اقوال اور خود تراشیدہ روایتوں کے ساتھ مخلوط ہو کر جنہیں مفسدوں کے اس گروہ نے حضرت والا کی طرف منسوب کر کے زبانی اور کتابی دونوں شکلوں میں پھیلا دیا تھا ان ہی میں گم ہو گئے یا شارح علامہ کے الفاظ میں مذکورہ قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

تقولوا علیہ الاباطیل واضافوا الیہ الروایات والاقاویل المفتعلۃ والمختلقۃ وخلطوہ بالحق فلم یتمیز ماھو صحیح عند مما اختلفوہ فتح الملہم ص ۱۲۹	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف جھوٹی گھڑی ہوئی خود ساختہ روایتیں ان لوگوں نے منسوب کیں، اور جو صحیح روایتیں تھیں اس حق کے ساتھ جھوٹ کو انھوں نے ملا دیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علی کی صحیح روایتوں اور ان کی جعلی روایتوں میں ایسا اشتباہ پیدا ہو گیا کہ دونوں گڈمڈ ہو گئے

اور میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ حق کی اشاعت باطل کے زور کو توڑنے کے لئے کی گئی تھی لیکن باطل والوں نے اسی اشاعتِ حق کو اباطیل اور خرافات کی ترویج کا ذریعہ بنالیا، اس کا تو انکار نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کوفہ پہنچ کر حضرت والا نے اپنے جدید معلومات کی اشاعت کی ہے پانچ سچی باتوں کے ساتھ پچاس جعلی روایتوں کا انتساب اسی لئے آسان ہو گیا ورنہ سرے سے حضرت کی طرف سے اگر کسی چیز کی اشاعت عمل میں نہ آتی تو شاید اتنی آسانی کے ساتھ اپنی مختلقہ و خود تراشیدہ من گھڑت روایتوں کے منوا لینے میں ان کو کامیابی نہیں ہوتی گویا شاعر کی وہی بات ایک حیثیت سے صادق آئی کہ

شد غلامے کہ آب جو آرد   آب جو آمد و غلام ببرد

ٹھیک اس کی مثال وہی ہے جس کا ذکر مورخین نے نحوی مسائل کے متعلق کیا ہے یعنی ابو الاسود دوئلی کو جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نحو کے چند بنیادی کلیات کی طرف جو رہنمائی فرمائی تھی ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الزجاجی کی امالی میں حضرت علی کے بتائے ہوئے یہ کلیات

نحو من عشرۃ اسطر ص ۳۳۲ ج ۲	تقریباً دس سطروں سے

سے زیادہ نہ تھے لیکن ابراہیم بن عقیل نے جو ابکری الکرمانی کی نسبت سے مشہور تھے ان حضرت نے دس سطروں کو دس ورقوں میں پھیلا کر سب کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب کر دیا اور اس کا نام "التعلیقہ" رکھ دیا تھا، ابن عساکر کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ ان ہی دس سطروں کو

جعل ھذا الشیخ ابراھیم قریبا من	انھیں شیخ ابراہیم نے ان ہی دس سطروں کو دس ورق

عشرۃ ادراق تاریخ دمشق ۳۱ ج۲۔ بنادئے۔

اور ایک ہی کیا زندگی کے کن کن شعبوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسم مبارک سے پھیلانے والوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں پھیلایا ہے جس کی داستان طویل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت کے بعد کا یہ حملہ اس حملہ سے کہیں زیادہ تباہ کن اور زیادہ سخت تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں علم حدیث پر کیا گیا تھا، ایسی گہری اشتباہی تاریکیاں پھیلا دی گئیں کہ حق و باطل کے امتیاز کی کوئی شکل باقی نہ رہی تھی اور قریب تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس علم کا جہاز غرقاب ہی ہو جاوے، لے دے کر روایت کا وہی ایک معیار رہ گیا تھا، لیکن بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہر شخص میں اس کے استعمال کا صحیح سلیقہ ہونا آسان نہیں ہے اور دشواری اسی پر پہنچ کر ختم نہیں ہو گئی تھی، اس سے بھی بہت زیادہ پیچیدہ مسئلہ دوسرا تھا، اور اب اسی کی میں تفصیل کرنا چاہتا ہوں اور یہ مسئلہ بجائے خود جتنا بھی دشوار ہو لیکن درحقیقت ہر کلی ضابطہ کی یہ عام دشواری ہے، مشق و مزاولت، تکرار و کثرت، تجربہ سے پیدا ہونے والی بصیرت و حذاقت، سلیقہ و ملکہ کی ضرورت جیسے درایت کے اس معیار کے استعمال میں پیش آتی ہے بجنسہٖ ان ہی امور کی ضرورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب کسی فن کے جزئیات پر کلیات کو منطبق کر کے نتیجہ تک لوگ پہنچنا چاہتے ہیں۔ طب ہی کو لیجئے محقق امراض کے کلی علامات و آثار اسباب خواص کے جان لینے کے ساتھ ہی کیا آدمی طبیب حاذق بن جاتا ہے الغرض ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

اس قسم کی تمام چیزوں کا عام قاعدہ ہے اسی میں درائیت اور عقل کے وہ قوانین بھی شریک ہیں جن سے روایات کی تنقید و تنقیح یا چھان بین جانچ پڑتال میں کام لیا جاتا ہے، اصطلاحاً ان ہی قوانین کا نام "معیار درایت" رکھ دیا گیا ہے، پس مسئلہ اگر عام روایتوں اور خبروں کا ہوتا تو اس پر قابو پا لینے میں چنداں دشواری پیش نہ آتی، لیکن یہاں سوال روایتوں کے اس خاص ذخیرے کے متعلق ہے جسے کسی دین یا مذہب کی پشت پناہی حاصل ہو گئی ہو۔

یوں کہنے کے لئے جس کے جی میں آئے جو کچھ چاہے کہہ دے لیکن روایت کا یہ غریب معیار ان مذہبی روایتوں کے رد و قبول کے لئے اگر کافی ہوتا تو آج دنیا کے اکثر مذاہب وادیان کی میتھو تھالوجی یا دیومالا یا اساطیر الاولین جیسے خرافاتی اوہام کے ان پشتاروں سے بھلی اور دینی نظر نہ آتی، خرافات اور اوہام کا وہی پشتارہ جس کی بدولت آج مذاہب وادیان دیوار قہقہہ یا اضحوکۃ اطفال بنے ہوئے ہیں۔

لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مذہب کی طرف منسوب ہو جانے کے ساتھ ہی، روایتوں کے اس ذخیرے میں ہمیشہ ایک خاص قسم کا تقدس پیدا ہو جاتا تھا، ایسا تقدس جس کے بعد پوچھنے والوں کے لئے یہ پوچھنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی تھی کہ آخر ان کے منسوب کرنے والے کون لوگ ہیں، انھوں نے مذہب کی طرف ان روایتوں کو کس بنیاد پر منسوب کیا؟ کب منسوب کیا؟ کیوں منسوب کیا؟ بس اتنی بات کہ مذہب میں یوں ہی آیا ہے، مذہب یہی کہتا ہے، مذہبی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے، مذہب کے علما یہی کہتے ہیں، یا اور اسی قسم کے چند گنے چنے ڈھلے ڈھلائے فقروں میں اتنا زور رکھا گیا کہ منہ اور زبان ہی نہیں بلکہ دلوں اور دماغوں پر خاموشی طاری ہو جاتی تھی، ان کے مقابلہ میں کچھ کہنا تو خیر بڑی بات تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کچھ سوچنا بھی گویا جرم بن جاتا تھا باقی ان روایتوں کی راہ سے مذہب کے عقائد و مسلمات میں جو چیزیں شریک ہوتی رہتی تھیں، ایک تو مذہبی روایات کا مقدس غلاف ان پر چڑھا ہوا تھا، وہی دھمکی بن کر ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا تھا، جو کسی قسم کا سوال ان کے متعلق کرنا چاہتے تھے، اور دوسری بات یہ تھی کہ مذہبی روایات کے اس غلاف سے نکل کر ایک ایسے عالم میں پہنچ جاتی تھیں، جہاں حواس کے ہاتھ کوتاہ، اور عقل کا چراغ گل ہو جاتا تھا، یعنی غیب کے اس عالم میں داخل ہو جاتی تھیں جس کا مذہب عالم کے اس محسوس نظام میں تنہا سفیر اور ترجمان ہے اور اثبت کے معیار پر رکھ کر غیب میں شریک ہو جانے والے ان عقائد و مسلمات کے پرکھنے اور جانچنے کی شکل ہی کیا تھی؟ غیب سے مذاہب کا جو جوہری تعلق ہے اس سے قطع نظر کر کے اگر ان کی تنقید میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جاتا جس سے دنیا کے عام حوادث و واقعات کی خبروں کی چھان بین میں کام لیا جاتا ہے تو غیب سے بے تعلق ہو جانے کے بعد مذہب مذہب ہی باقی نہیں رہتا اسی کا نتیجہ ہے کہ مذہبی حقائق اور دین کے ضمنی امور کی جانچ پڑتال میں جن لوگوں نے یہ راہ جس زمانہ میں بھی

اختیار کی ہے۔ آخری انجام ان کی کوششوں کا یہی ہوا ہے کہ مذہب چند بے جان مادی رسوم کا صرف ایک ایسا خشک مجموعہ بن کر رہ گیا ہے کہ غیر تو غیر خود تنقید کرنے والوں کے لئے بھی اس نام نہاد مذہب میں کوئی دل آویزی اور دل چسپی باقی نہیں رہی ہے، اس قسم کی کوششوں کا پہلے بھی ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے اور آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی انجام ان کا ہو رہا ہے۔

اور مذہب کے اس غیبی تعلق کو زندہ و تر و تازہ رکھتے ہوئے درایت کے اس معیار کو مذہبی روایات اور ان کے مشتملات کی تنقید کے لئے جنہوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے ہیں اٹھانے کے ساتھ ہی ان کو خود بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اچٹ جانے والے ایک اوچھے ہتھیار سے زیادہ کوئی کام وہ انجام نہیں دے سکا ہے اس کا اقرار کیا جائے یا نہ کیا جائے لیکن ہوتا یہی ہے اور واقعہ کی جو صورت مذہب میں ہے اس کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔ دنیا کے سارے مذاہب و ادیان کا خزانہ اس قسم کے خرافات سے جو اٹا ہوا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ درایت کے اس معیار سے وہ ناواقف تھے میرے خیال میں یہ واقعہ کا انکار ہو گا تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے بلکہ اجمالاً اتنا اشارہ کافی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے خرافاتی مذاہب بھی جن خرافات سے جن کے دامن بھرے ہوئے ہوئے ہیں ان کے ماننے والوں نے دنیا کے حوادث و واقعات کی تحقیق و تنقیح درایت کے اسی معیار کی مدد سے کی ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک طرف ان کا مذہب صرف خرافات کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے تو دوسری طرف ایسے بے شمار علوم و فنون کے دھانے نظر آتے ہیں جن میں حق کو باطل سے صحیح کو غلط سے درست کو نادرست سے الگ کرنے کی کامیاب کوششیں کی گئی ہیں۔ بھلا ان ہی لوگوں کے متعلق کسی حیثیت سے بھی یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ واقعات کی تنقیح میں درایت کے اس معیار سے کام لینا وہ نہیں جانتے تھے یا اس معیار سے انھوں نے کام نہیں لیا تھا؟ نہیں بلکہ قصہ خلاصہ یہ ہے کہ درایت کا یہ معیار بجائے خود جتنا بھی اہم ہو لیکن زیادہ تر اس کی اہمیت کا تعلق دنیا کے عام حوادث و واقعات سے ہے، بلا شبہ ان کی متعلقہ خبروں کی تنقید میں اس کی گرفت سخت ہوتی ہے لیکن بات جب غیب میں چلی جاتی ہے تو جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت ایک معمولی اوچھے ہتھیار سے زیادہ درایت کے اس معیار کی وقعت باقی نہیں رہتی اسی لئے مذہبی روایات جو بہر حال غیبی تعلقات کا سہارا لئے رہتی

ہیں ان کی تنقید و تنقیح میں یہ تو غلط ہے کہ سرے سے اس معیار کو استعمال ہی نہیں کرنا چاہئے میں بتا چکا ہوں کہ ہمارے محدثین نے انتہائی فراخ چشمیوں کے ساتھ حدیثوں کی تنقید میں اس سے کام لیا ہے اور کام لینے کی ہدایت کی ہے اور محدثین کیا آپ سن چکے کہ خود سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی نے اس کی تعلیم بھی دی تھی، بلکہ بعض روایتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی اس معیار کے استعمال کی ہدایت فرمائی گئی ہے، آگے بڑھ کر کوئی چاہے تو قرآن میں بھی اس کے اشارے پا سکتا ہے[1]۔

---

[1] حافظ ابو عمر بن عبد البر کی کتاب جامع العلم میں اور الخطیب کے کفایہ میں، نیز دوسری کتابوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض ایسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں جن کا حاصل یہی ہے کہ مسلمان اپنے احساسات سے مانوس جن روایتوں کو پائیں تو ان کو قبول کرنا چاہئے اور جن میں ان کے احساسات اجنبیت محسوس کریں ان کو رد کر دینا چاہئے الفاظ یہ نقل کئے جاتے ہیں اذا سمعتم الحدیث عنی تعرفہ قلوبکم وتلین لہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم قریب فانا اولاکم بہ واذا سمعتم الحدیث عنی تنکرہ قلوبکم وتنفر منہ اشعارکم وابشارکم وترون انہ منکم بعید فانا ابعدکم منہ (دیکھو کفایہ ص ۴۳۰) یعنی جب میری طرف منسوب کر کے حدیث بیان کی جائے تو تمہارے دل جسے پہچانتے ہوں اور تمہارے بال اور کھال جس کے لئے نرم پڑ جائیں اور پاؤ کہ وہ تم سے قریب ہے تو اس حدیث کے متعلق سمجھو میں تم سے قریب ہوں اور اس کے برخلاف پاؤ تو میں اس حدیث سے دور ہوں مگر ظاہر ہے کہ ان احساسات سے مقصود مسلمانوں کے وہی احساسات ہیں جو قرآن کے زیر اثر ان میں پیدا ہوتے ہیں جس کی تعبیر میں قرآنی عقلیت یا ایمانی ذہنیت سے کرتا ہوں۔ باقی دین باختوں کی وہ عقلیت جس سے قرآنی تعلیمات بھی بسا اوقات اچٹ جاتے ہیں ان کو دینی روایات کی تنقید کا جو معیار بنائے گا وہ حدیث تو حدیث شاید بیسیوں قرآنی آیات کو قرآن سے العیاذ باللہ نکالنے پر مجبور ہوگا بہر حال مذکورہ بالا روایت اگر صحیح ہے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روایت کے اسی معیار کو استعمال کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح قرآن میں امن اور خوف کی خبروں کے متعلق جو حکم دیا گیا ہے کہ عوام ان کی اشاعت نہ کریں بلکہ رسول یا رسول نہ ہوں تو مسلمانوں میں امر اور حکم کا اختیار جن لوگوں کو ہو پہنچا دیں، اور اس کے بعد یہ ارشاد ہوا ہے کہ یہی لوگ استنباط سے کام لیں گے یعنی صحیح اجزا کو غلط اجزا سے جدا کر لیں گے (دیکھو سورۂ نساء) کیا استنباط کا یہ عمل اصول درایت ہی کے استعمال کی تعبیر نہیں ہے ۱۲

توراۃ کے دس احکام
اور
قرآن کے دس احکام

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ)

۴

میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ مسلمانوں کو بھی چونکا دیا گیا ہے کہ جیسے یہود کو احکام عشرہ سپرد کئے گئے تھے اسی طرح تمہارے حوالے بھی قرآن کے احکام عشرہ کئے جاتے ہیں لیکن اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان احکام کے ساتھ زندگی کا حقیقی تعلق اسی وقت تک باقی رہ سکتا ہے جب تک "الآخرۃ" کا یقین تمہارے اندر صحیح معنوں میں زندہ رہے گا لیکن جس حد تک آخرت کا یقین مردہ، یا نیم مردہ ہوتا چلا جائے گا اسی حد تک دین کی حقیقی روح توحید سے بھی تم دور ہوتے چلے جاؤ گے یہود پر یہ حادثہ گزر چکا ہے۔ تاریخی نمونہ تمہارے سامنے ہے، چاہئے کہ اس نمونہ سے عبرت و بصیرت کا سبق حاصل کیا جائے۔

اور یہ بھی یہی بات، خالق کائنات ہی کو الٰہ بنا کر اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرنے کی ہمت تو اسی میں پیدا ہو سکتی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ زندگی صرف گہوارہ اور قبر کے درمیانی وقفوں کے اندر محدود ہو کر ختم نہیں ہو جاتی، ورنہ جس کے حوصلہ میں اسی محدود وقفہ کے سوا زندگی کے تصور کی گنجائش ہی نہیں ہے وہ اس وقت تک تو ممکن ہے کہ خالق کائنات ہی کو الٰہ بنا کر پوجتا رہے اور اسی کے در پر ڈٹا رہے جب تک کہ اس کی آرزوؤں کی تکمیل کا سامان قدرت کی طرف سے مہیا ہوتا رہے گا۔ لیکن جاہل ناعاقبت اندیش انسان کی طرف سے خدا کے دربار میں ایسی آرزو کے پیش کرنے کا سلسلہ جب شروع ہوا جو خود آرزو کرنے والے کے لئے بالآخر نقصان رساں ہو، ظاہر ہے کہ ایسی صورتوں میں بندوں پر جو سب سے زیادہ مہربان ہے

. . . .

. . . . اپنے علم کو آرزو کرنے والے کے جہل و نادانی کا تابع کیسے بنا سکتا ہے؟ یہی وقت تو ہے جب الآخرت پر یقین رکھنے والے تو اللہ ہی کی ڈیوڑھی پر دھونی رمائے پڑے رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ زندگی مادر و قبر کے دو پاٹوں کے درمیان ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اس آسمان و زمین کے آگے اور بھی آسمانوں اور زمینوں کا وسیع نظام ہے۔

خود ہمارے نفع کے لئے اور کسی نقصان سے بچانے کے لئے پروردگار کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس منزل میں ہماری جاہلانہ آرزو پوری نہ ہو، لیکن زندگی اسی منزل تک محدود کب ہے جو چیز یہاں نہیں ملی کہیں اور ملے گی۔

مگر وہ غریب کیا کرے جو موجودہ زندگی کے محدود وقفہ سے زیادہ زندگی کے تصور کی صلاحیت ہی اپنے اندر سے کھو چکا ہے بجز اس کے کہ اس دربار میں نہیں ملا تو کسی اور در پر ہاتھ پھیلایا جائے یہی شرک کی بنیاد ہے جس پر اوہام و خیالات کی بھول بھلیاں بنتی چلی جاتی ہیں اور ان دیکھی باتوں میں آدمی کی وہمی کاریگریاں ان دیکھی باتوں کا اضافہ کرتی چلی جاتی ہیں، جن میں ایک دلچسپ لطیفہ وہ بھی ہے کہ خدا کے دربار میں مردو عیاذنا کے ساتھ نسوانی علامات رکھنے والی دیویوں کا بھی مشرکانہ ذہنیت رکھنے والوں کو مختلف زمانوں میں نظر آیا ہے حتیٰ کہ آپ پڑھ چکے کہ یہود جیسی دینی قوم بھی مشرکوں کے اس انتزاعی وہم کے شکار ہونے سے محفوظ نہ رہ سکی۔ اس موقعہ پر قرآن نے عقیدہ شرک پر تنقید کرتے ہوئے منجملہ اور باتوں کے دیویوں کے مشرکانہ وہم کا بھی ذکر کرتے ہوئے اسے "قول عظیم" یعنی بڑی بات قرار دیا ہے" اللہ اللہ خدائے قدوس کو ان دیوانوں نے شاید اردو کا وہ شاعر فرض کر لیا جس نے اپنی سب سے بڑی آرزو۔

حسینوں کی بھری محفل ہو ہم ہوں

کو قرار دے رکھا تھا۔

اسی سلسلہ میں حد سے زیادہ سادہ لیکن دل آویز پیرایہ میں سمجھایا گیا ہے کہ یہ ساری مصیبت اپنے سر مشرکوں نے صرف اس لئے لی ہے کہ بلا وجہ یہ سمجھ بیٹھے کہ "موجودہ زندگی" کے دائرہ سے باہر زندگی کا

تصوروں کے احساسات کے لئے ناقابل برداشت یا ناممکن ہے قرآن نے پوچھا ہے کہ زندگی سے جو محروم تھا جب اپنے آپ کو وہ خود زندہ پا رہا ہے اور صبح و شام دیکھ رہا ہے کہ جو زندہ نہ تھے وہ مسلسل زندگی پا کر کھڑے ہو رہے ہیں چل رہے ہیں پھر رہے ہیں آخر ان کھلے کھلے مشاہدات سے برتے ہوئے وہ اسی دیکھے بھالے واقعہ یعنی زندگی سے محرومی کے بعد زندہ ہونے کو اپنے لئے ناقابل برداشت خیال کیوں ٹھہرا رہا ہے آخرت کے منکروں کا یہ سوال کہ من یعیدنا (یعنی دوبارہ کون جلائے گا) اسی کا جواب اس موقع پر بھی قل الذی فطرکم اول مرۃ (یعنی کہ وہی جلائے گا جس نے پہلی دفعہ تمہیں پیدا کیا) جو دیا گیا ہے اور دوسرے الفاظ میں یہی جواب قرآن کے مختلف مقامات میں جو پایا جاتا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ جانی پہچانی ہوئی حقیقت جس کا تجربہ و مشاہدہ شب و روز ہم میں ہر ایک خود اپنے متعلق بھی اور دوسروں کے متعلق بھی کر رہا ہے جب کہا جاتا ہے کہ یہی صورت پھر تمہارے سامنے پیش ہوگی تو اسے وہ تعجب سے کیوں دیکھتا ہے۔

پھر مسلمانوں کو اس کی فہمائش کرتے ہوئے کہ نہ ماننے والوں کو نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہئے گویا تفہیم کا جو سادہ طریقہ ایمان بالآخرت کے متعلق اختیار کیا گیا اشارہ کیا گیا ہے کہ اسی مثال کو ان مواقع میں چاہئے کہ مسلمان اپنے لئے نمونہ بنائیں قرآنی الفاظ قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن (یعنی کہہ دو میرے بندوں سے کہ بولا کریں اچھی باتیں) بظاہر شاید اسی طرز عمل کی طرف ان سے اشارہ کیا گیا ہے۔ الحاصل خواہ مخواہ دلوں میں نفرت پیدا کرنے والی تقریروں سے بجائے قریب کرنے کے لوگوں کو پھٹکانا نہ چاہئے۔ حتیٰ کہ اس قسم کا فیصلہ کہ خدا کس پر رحم کرے گا، اور کسے سزا دے گا۔ کسی خاص قوم یا شخصیت کے لئے ایسے مواقع پر بجائے مفید ہونے کے مضر ہی ہوتا ہے[1] یا اپنے بزرگوں اور پیشواؤں کو دوسری قوموں کے بزرگوں سے ناپ تول کر ان کی تحقیر و تذلیل کا شیوہ بھی غلط شیوہ ہے فرمایا گیا ہے کہ اور تو اور خود پیغمبروں اور نبیوں میں بھی بعض کو بعض پر فضیلت بخشی گئی ہے یہودیوں کے پیغمبر حکمران حضرت داؤد علیہ السلام کا نام

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر نے علاوہ دوسری وصیتوں کے ایک وصیت یہ بھی فرمائی ہے کہ جس کے خاتمہ کا علم نہ ہو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اس کی ذات سے عداوت نہ رکھنی چاہئے ہاں برے افعال خواہ مسلم کے ہوں یا غیر مسلم کے قابل نفرت ہیں فتوحات ج ۲ ص ۵۸۳

بطور مثال کے لیا گیا ہے کہ زبیر کی دل دوز دعاؤں کی نعمت سے ان کو سرفرازی بخشی گئی تھی۔ حاصل جس کا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی کشادہ دلی، فراخ چشمی کے ساتھ دوسرے اقوام و امم کے بزرگوں کے فضائل کا مسلمانوں کو اعتراف کرنا چاہئے قوموں سے قریب ہونے کا گر یہی ہے۔

پھر شرک ہی کی طرف توجہ کرتے ہوئے سمجھایا گیا ہے کہ یہاں آرزو پوری نہ ہوئی تو وہاں ہوگی۔ تم خود بتاؤ کہ کیا اس مقصد میں لوگ کامیاب ہوتے۔ لاکھوں در در بھٹکنے اور در در کی ٹھوکریں کھانے والوں میں بھی کتنے ہیں جو سارے پاپڑ بیلنے کے بعد بھی یہ کہنے والے ہی کہیں گے کہ نہ ان کے دکھ ہی کا ازالہ ہوا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہوئی ہے اور اسی کا اظہار کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا جن کو تم نے معبود بنا لیا ہے ان میں خود تراشیدہ اور باطل ہستیاں یعنی ملائکہ فرشتے یا بزرگوں کی روحیں جو بساط قرب سے بہت زیادہ نزدیک ہیں لیکن باوجود اس قرب کے دعاؤں سے وہ خود مستغنی نہیں ہیں، خدا کی رحمت کے سوا ان کا بھی سرمایہ اور کچھ نہیں ہے۔ وہ بھی اسی جستجو میں رہتے ہیں کہ حق تعالیٰ جن باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان ہی کو وسیلہ بنا کر ان کی رضامندی حاصل کی جائے۔ ایسی صورت میں تم ان ہی کا طریقہ کیوں اختیار نہیں کرتے لیکن بجائے اس کے تم ان کو پوج کر خدا سے بھی دور ہو رہے ہو اور ان بزرگوں سے بھی۔

پھر یہی آلاخرۃ کا ایمان ویقین جس کی محرومی نے شرک کو پیدا کیا اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ اطلاع دی گئی ہے کہ یہ ساری آبادیاں جو آج کرۂ زمین پر نظر آرہی ہیں، بہرحال فنا ہو کر رہیں گی خواہ سزا دے کر قدرت ان کو ختم کرے یا فنا کا عام قانون ان کو نابید کرے لیکن ہے بہرصورت یہ مقررہ فیصلہ اور مسطور کتاب۔ اگر موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو، تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ عالم کا یہ سارا نظام لاحاصل اور بے نتیجہ ہو کر رہ گیا اور اچھے برے ظالم و مظلوم سب ہی برابر ہوگئے۔

اس موقعہ پر یہ سوال دلوں میں اگر پیدا ہو، کہ ایسی سیدھی سادی دل نشین، عقل گیر باتیں جن سے آدمی کی فطرت، اس کے اندرونی احساسات سب کے سب مطمئن ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی نہ ماننے والوں کا اصرار ان کے انکار ہی پر کیوں باقی رہا آپ چاہیں تو اس سوال کا جواب ان آیتوں میں پا سکتے ہیں جن میں اطلاع دی گئی ہے کہ نہ ماننے والوں نے تو ان سے بھی زیادہ روشن آیات اور نشانیوں کو دیکھ کر۔

انکار ہی پر اصرار کیا، مثلاً وہ مشہور تاریخی واقعہ یاد دلایا گیا، جب خدا کے پیغمبر نے پتھر سے سب کے سامنے زندہ جیتی جاگتی اونٹنی کو نکال کر دکھاتے ہوئے یہ ثابت کر دیا کہ سب سے بڑی قدرت والے خدا کا وہ نمائندہ ہے لیکن جو طے کئے ہوئے تھے کہ ہم نہ مانیں گے، انھوں نے اس آیۃ مبصرہ (آنکھیں کھول دینے والی نشانی) کو بھی دیکھ کر پیغمبر کو خدا کا نمائندہ اور پیغام پہنچانے والا نہ مانا، اور یہ تو قدیم عرب کے ماقبل التاریخ دور کا ایک واقعہ تھا۔ قرآن جن لوگوں میں نازل ہو رہا تھا ان ہی کو دھمکیاں دی گئیں تم گھیر لئے جاؤ گے قرآن جن پر نازل ہو رہا تھا ان کو خواب دکھایا گیا کہ جس شہر سے تم کو نکالا گیا ہے اسی شہر میں تمہارا شاندار فاتحانہ داخلہ ہوگا، اور قرآن ہی میں اطلاع دی گئی، کہ جس شجر (درخت کو) قرآن میں گندہ اور خبیث قرار دیا گیا ہے جس سے گھن آتی ہے یعنی شرک و کفر کی باتیں اس ملعون و خبیث درخت کو اکھاڑ دیا جائے گا۔ اور یہ ساری دھمکیاں اسی پیغمبر کی طرف سے پیش ہوئیں جن کے متعلق سننے والوں کا یہ دوامی تجربہ تھا کہ جو بات وہ کہتے ہیں وہ پوری ہوتی ہے اور جو اطلاع دیتے ہیں کبھی غلط نہیں ہوتی مگر بایں ہمہ ان دھمکیوں سے بجائے ڈرنے کے سننے والوں کی طغیانیوں اور سرکشیوں ہی میں اضافہ ہو گیا ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک دلچسپ سوال اس مقام کا ہے لیکن کسی رنگین و منور شکولا سے پاک آنکھیں اگر نہ دیکھیں تو بے شک یہ بات محلِ حیرت ہو سکتی ہے لیکن ایسی نگاہیں جو آنکھ کی بینائی سے ماؤف ہوں ان کے نہ سوجھنے پر تعجب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

اب دیکھئے، سوال تو آپ کے دل میں پیدا ہوا، اور چاہئے تو اس کے جواب کو شیطان اور آدم کے اس قصے سے آپ سمجھ سکتے ہیں جس کا خاص الفاظ میں یہاں بھی اعادہ کیا گیا ہے حاصل جس کا یہی ہے کہ غیر اللہ کے بھروسہ اور اعتماد کی آلائش جس دل میں باقی رہ جاتی ہے۔ اس کے اندر اسی آلائش کی راہ سے شیطان گھس جاتا ہے اور سارے عقلی احساسات پر شیطان مسلط ہو کر صحیح حقائق کی یافت سے ان کو محروم کر دیتا ہے اور یہی جواب ہے اس سوال کا کہ اتنی کھلی کھلی واضح باتیں آخر انکار کرنے والوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی ہیں۔ قصہ کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ — میرے بندوں پر تیرا (اے شیطان) بس نہیں

(کوئی بڑی بات نہیں) وَکِیلًا — چل سکتا، اور تیرا رب ان کی پشت پناہی کے لئے کافی ہے۔

الغرض حق تعالیٰ کی بندگی، خالص بندگی کے دائرہ سے باہر ہونے کی یہ قدرتی سزا مقرر کی گئی ہے کہ شیطان کو مسلط ہو جانے کا حکم باہر ہو جانے والوں پر دے دیا جاتا ہے اور اسی باطنی سزا کا یہ اثر کہ حق و صداقت کے سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ان لوگوں میں باقی نہیں رہتی۔

رہا یہ خیال کہ اسباب کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی موجودہ زمینی زندگی میں غیر اللہ کے بھروسے اور اعتماد کی آلائشوں سے دلوں کو پاک و صاف رکھنے میں کیا آدمی کامیاب ہو سکتا ہے؟ اس کو سمجھاتے ہوئے پہلے تو یاد دلایا گیا ہے کہ اسی زندگی میں بسا اوقات ایسی گھڑیاں بھی گذرتی ہیں کہ قدرتاً خالق کے سوا کسی دوسرے بھروسے کا شائبہ بھی دلوں میں باقی نہیں رہتا۔ مثال میں دریائی سفر کے اس حادثے کو پیش کیا گیا ہے، جب جہاز کسی ایسے خطرے میں پھنس جاتا ہے، جب

ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ — کھو گیا وہ سب جسے تم پکارتے تھے اللہ کے سوا

اس تجربہ کے سوا بتایا گیا ہے کہ اسبابِ حق پر عام حالات میں بھروسہ کرنے کا آدمی عادی ہے اور ان کو نہ پاکر گھبرانے لگتا ہے۔ ان اسباب کے متعلق یہ حکیمانہ فہم عطا فرمایا گیا ہے، کہ غور کرو گے تو عادت اور مزاج کے سوا غیر اللہ کے اس اعتماد کے پیچھے نہیں اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ آخر دیکھئے سمندر میں بے اطمینانی کی جس کیفیت کو ہم اپنے اندر پاتے ہیں زمین پر پہونچ جانے کے بعد یہ کیفیت ہمارے دل میں کیوں باقی نہیں رہتی بظاہر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ زمین تو ایک ٹھوس اور کثیف مادہ ہے جس پر پہنچنے کے بعد ڈوب جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

لیکن خشکی اور تری۔ یا زمین اور سمندر کے درمیان یہ فرق و امتیاز جسے ہم محسوس کرتے ہیں۔ کیا کوئی واقعہ ہے کیا درحقیقت زمین پر پہنچ جانے کے بعد اطمینان و عافیت کی واقعی ضمانت آدمی کو مل جاتی ہے۔

اس موقعہ پر قرآن نے سمجھایا ہے کہ آئے دن زمین پر بھی تم دیکھتے رہتے ہو کہ زلزلہ کے حوادث

پیش آتے رہتے ہیں اس وقت زمین بھی چیزوں کو اسی طرح نگلنے لگتی ہے جیسے سمندر کا پانی اپنی سطح پر بہنے والی چیزوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ یا یہی زمین ہوتی ہے۔ آدمی اس پر چلتا پھرتا رہتا ہے، اچانک اسی ہوا اور فضا سے اُولوں کی شکل میں سنگریزوں کی بارش ہونے لگتی ہے، قدرت پانی اور ہوا سے مرکب بخارات میں اتنی سختی اور صلابت پیدا کر دیتی ہے کہ ان کی چوٹ سے آدمی اسی حد تک متاثر ہوتا ہے، جس حد تک پتھر اور سنگریزوں سے ہو سکتا ہے۔ کھوپڑی چور چور ہو جاتی ہے اگر اتفاقاً کسی کھلے میدان میں اولوں کی بارش کے اندر آدمی پھنس جاتا ہے پھر سمندر اور دریا میں بے اطمینانی اور زمین پر اطمینان کی کیفیت کی توجیہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ صرف عادت کا یہ کرشمہ ہے میری سمجھ میں تو قرآن کے ان الفاظ سے یہی آتا ہے یعنی فرمایا گیا ہے کہ

أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا	کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ خشکی کے کنارے کے ساتھ تم ہیں دھنسا دیا جائے یا تم پر اولوں کی بارش بھیج دی جائے پھر اس وقت نہ پاؤ گے تم اپنے لئے وکیل اور ٹھیک

بلکہ اس سے آگے بھی اگر سوچا جائے، تو زندگی کے یہ تجربات یہ بتا سکتے ہیں کہ اپنے اندر آدمی لاکھ اقتدار و اختیار محسوس کرتا ہو لیکن اس اقتدار و اختیار پر کب اسے اختیار رہے، وہ خشکی پر اطمینان کی اور سمندر و دریا میں پہنچ کر بے اطمینانی کی کیفیت اپنے اندر پاتا بھی ہو لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ حالات پھر سمندر کے سفر پر اس کو مجبور کر کے پھر اسی بے اطمینانی کا شکار اسے نہ بنا دیں گے، بس عادت کے

---

[۱] مراد اشارہ "حاصب" کے لفظ کی طرف ہے، عام طور پر ارباب تفسیر اس کا ترجمہ سنگریزوں یا پتھروں وغیرہ جیسے الفاظ سے کرتے ہیں لیکن جب عربی زبان میں اولوں کو بھی حاصب کہتے ہیں تو جہاں تک میرا خیال ہے حاصب سے اولے اگر مراد لئے جائیں تو عام طور پر پیش آنے والے حوادث سے یہ تفسیر زیادہ قریب ہوگی فرزدق کا شعر ؎

مستقبلین جبال الشام تضربنا ۔۔۔ بحاصب کندیف القطن منثور

اہل لغت نے حاصب کا لفظ جو اس شعر میں ہے اس سے اولے ہی مراد لئے ہیں ۱۲

قانون کے تحت باہر میں اطمینان کی ضمانت بھی حاصل کر لی جائے لیکن اندر کے اقتضاؤں کا کیا کریں جو مجبور کر کے اطمینان کی حالت سے نکال کر بے اطمینانی کے ماحول میں اس کو دھکیل دیا کرتے ہیں قرآنی الفاظ

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى — کیا تم بے خوف ہو کہ پھر اسی سمندر میں خدا تمہیں دوبارہ

فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ — واپس کرے اور بھیج دے پھر تم پر کوئی طوفانی ہوا

فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ — پھر تمہاری ناشکری کی سزا میں تمہیں اسی سمندر میں

عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا" — ڈبو دے پھر نہ پاؤ اپنے لئے پیروکار ہمارے مقابلہ میں

ان میں غور کرنے سے آپ بھی اسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ جن اسباب پر بھروسہ کر کے اطمینان کی سانس لینے کا آدمی عادی ہے یہ سارا قصہ صرف عدم فکر و تامل کا نتیجہ ہے اور اطمینان وسکون کا حقیقی سرچشمہ حق تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے، اسی کی ذات اور اسی کا ارادہ ہے، جس کے قبضہ اقتدار میں وہ سب کچھ ہے جو ہمارے باہر ہے اور وہ سب کچھ جو ہمارے اندر ہے یہی واقعہ کہ جو سمجھتے ہیں وہ بھی جو نہیں سمجھتے ہیں وہ بھی ہر ایک کی ٹیک، حق تعالیٰ کی ذات مبارک ہے اسی واقعہ کے احساس کو اپنے اندر پیدا کرنا اور اسی احساس کو مسلسل اپنے اندر زندہ اور بیدار رکھنا، یقین کی یہی کیفیت آدمی کو "عبادی" (میرے بندوں) یعنی حق تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والے پر امتیاز، مخلص بندوں کے دائرے میں داخل کر دیتا ہے وعدہ کیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ کو بھی اسپنا وکیل بنا ہوا ہر حال میں پائیں گے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا

آگے اسی حقیقت کا پہلے کائنات کے ایک کھلے مشاہدے کی روشنی میں نظارہ کرایا گیا ہے یعنی آدمزاد دیکھنے میں تین ساڑھے تین ہاتھ کا ڈھانچہ ہڈیوں کا ایسا ڈھانچہ نظر آتا ہے جس پر نرم نرم گوشت نازک پوست کا غلاف مڑھ دیا گیا ہے۔ اس غلاف کی بال اور اون وغیرہ سے حفاظت بھی نہیں کی گئی ہے حد سے زیادہ نازک کہ کانٹے کی ہلکی سی نوک کی چبھن بھی آدمی برداشت نہیں کر سکتا لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھا جا رہا ہے کہ یہی ضعیف و نزار، کمزور و ناتواں وجود کائنات کے دیو ہیکل، فیل پیکر ہستیوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہے، پہاڑوں کو توڑ رہا ہے، سمندر کے جگر کو چاک کر رہا ہے، اونٹوں کی نتھنوں

میں نکیل ڈالے ہوتے ، سانڈوں کو سدھائے ہوئے ، ہاتھیوں کو دباتے ہوتے ، جہاں جی چاہتا ہے ان سب کو لئے پھرتا ہے ۔ الغرض جمادات ونباتات وحیوانات میں ایسا مشکل ہی سے کوئی ہوگا جس پر اس کی کھلی کھلی برتری قایم نہیں ہے بتایا جائے کہ کفی باللہ وکیلا (اللہ انسان کے لئے وکیل بن کر کافی ہوگیا ہے) اس کے سوا اس مشاہدے کی اور کیا توجیہ کی جاسکتی ہے ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا

اور عزت بخشی ہم نے آدم کو اور چڑھادیا اس کو ہم نے خشکی وتری پر اور ستھری چیزوں کی روزی عطا کی ہم نے اسے اور برتری بخشی اسے ایسی بہت سی چیزوں پر جسے ہم نے پیدا کیا خوب اچھی طرح برتری ۔

اگر ان قرآنی الفاظ میں "کفی باللہ وکیلا" کا تماشا مجھے نظر آرہا ہے تو اس تماشے میں کیا میں تنہا ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ اس روح پرور، جاں فزا نظارے کے بعد بھی غیر اللہ کے اعتماد کا اور بھروسہ کا کانٹا آدمی کے دل سے اگر نہ نکلے تو اندھے کے سوا اسے اور کیا سمجھا جائے اور نابینائی کی یہی کیفیت اس زندگی سے منتقل ہوکر دوسری زندگی میں اس کے ساتھ رہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے اور اسباب کے اس جنگل میں اصل حقیقت کے پالینے میں کامیاب ہوکر اپنے ساتھ دوسروں تک یہی حقیقت کے اس علم کو پہنچاتا رہا اگر اس وقت جب تقطعت بھم الاسباب (توڑ چھوڑ دئے جائیں گے اسباب کے سلسلے) اور اشرقت الارض بنور ربھا اور جگمگا اٹھے گی دنیا اپنے حقیقی پروردگار کی روشنی سے) کا نظارہ سامنے آئے گا تو جو کچھ انھوں نے دنیا میں سمجھا اور پڑھا تھا اور اسی علم کے مطابق زندگی گذاری تھی ، ان کی مسرت کا کون اندازہ کرسکتا ہے ان ہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہ جب وہ دن آئے گا تو لوگوں کو اپنے اپنے پیشواؤں کے ساتھ بلایا جائے گا پھر جو اس دنیا میں اندھے بن کر جیتے رہے وہ اپنے آپ کو اندھا ، بہت زیادہ اندھا پائیں گے اور جن پر حقیقت خود کھلی یا ان کے پیشواؤں نے حقیقت ان پر کھولی تھی وہ واقعہ کے مطابق اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور دیکھیں گے کہ بال برابر بھی تو حقیقت سے ان کا علم متجاوز نہیں ہوا تھا ۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اس کے بعد پھر "کفی باللہ وکیلا" یعنی وکالت وکارسازی کے لئے اللہ ہی کافی ہے اسی حقیقت کی تائید ایک کائناتی مشاہدہ یعنی بنی آدم کی عام برتری کے تماشے کو دکھا کر جو کی گئی تھی، اسی سلسلہ میں نزولِ قرآن کے زمانہ میں جو تاریخ بن رہی تھی اسی تاریخ کا ایک ورق پیش کر کے بتایا جا رہا ہے کہ پڑھنا چاہو تو اس میں بھی "کفی باللہ وکیلا" کی تجلیوں کے سوا دیکھو کچھ اور نظر آ رہا ہے؟

مطلب یہ ہے کہ قرآن کو لے کر جس وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین عرب میں کھڑے ہوتے، کون نہیں جانتا کہ تنہا کھڑے ہوئے تھے۔ بہ تدریج ساتھ دینے والوں نے کچھ ساتھ بھی دیا تو ان کی تعداد ان لوگوں کے مقابلہ میں کیا تھی جو قرآن کو خدا کا پیغام ماننا نہیں چاہتے تھے پھر ان نہ ماننے والوں کی طرف سے اس کی بھی کوشش کی گئی کہ قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا دیا جائے، اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تب چاہا گیا کہ اس قرآن کے پیش کرنے والے ہی کو اپنے علاقہ سے سرکا دیا جائے۔

مگر جن کے پاس سب کچھ تھا، وہی ناکام ہوئے، اور سمجھا جاتا تھا کہ جس کے پاس کچھ نہیں ہے دیکھا گیا کہ اسی کے گیت گانے والوں اور اس کی مدح و ستائش کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے اور ترقی کرتے ہوئے وہ ہر دلعزیزی اور محبوبیت عامہ کے اسی مقام تک پہنچ گیا کہ چاہا جائے تو محمودیت کے جس مقام عالی پر جسے کل دیکھا جائے گا وہی "مقام محمود" پر آج بھی کھڑا نظر آ رہا ہے، نہ ماننے والے اس کی ہجو کرتے تھے چاہتے تھے کہ اس کی مذمت سے دنیا کے کانوں کو بھر دیں لیکن روز بروز اسی کی تعریف کرنے والوں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی، اور کون کہہ سکتا ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا "قریب ہے کہ کھڑا کرے تیرا رب تجھ کو "مقام محمود" پر"

کی جو پیشگوئی کی گئی تھی وہ اس دنیا میں بھی اسی طرح پوری ہوئی کہ عرب تو عرب زمین کے کرہ کا شاید ہی کوئی خطہ ہوگا جہاں اس کی ستائش کرنے والے اور اس کی نعت پڑھنے والوں کی کافی جماعت نہ پائی جاتی ہو اور حق کے مقابلہ میں باطل کی جس رسوائی کی خبر

قل جاء الحق وزهق الباطل ان — بول کہ حق آگیا اور جھوٹ مٹ گیا، اور جھوٹ مٹنے

۱۰۔ الباطل کان زھوقا ۔ ہی والا تھا

عرب کی حد تک تو نزول قرآن ہی کے زمانہ میں یہ خبر واقعہ بن چکی تھی۔ اور یوں تاریخ نے پھر ریکارڈ کیا کہ اللہ کے سوا اسباب کے اندر جو بھروسہ اور اعتماد کی توقیں تلاش کر رہے ہیں انھوں نے نہ دنیا ہی کو سمجھا، اور جس قانون کے تحت یہ دنیا چل رہی ہے، اس قانون کی بھی صحیح یافت ان کو نہ ہوئی۔

ذیلی طور پر اسی تاریخی شہادت کے اندر اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن کے نام سے جن لاہوتی علوم، لازوال معارف و حقائق کو وقفِ عام کیا گیا ہے اور ہر کس و ناکس کی دسترس میں آج نظر آ رہا ہے ان کی یہ عمومیت کسی کو دھوکہ میں نہ ڈالے واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے پہنچانے کے لئے انھیں جیسی سیرت والی ہستی کا انتخاب قدرت کی طرف سے کیا گیا تھا خود اس پر عمل تو خیر کیا کرتے لیکن اس کے قریب ہو گئے تھے کہ تھوڑی بہت "شئی قلیل" کی حد تک ان لوگوں کی رعایت کی جائے جو قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا دینا چاہتے تھے مگر قدرت نے اس ارادے کے قریب ہونے میں بھی خود مزاحمت کی جس کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ وسوسہ ہی بن کر رعایت کا یہ ہلکا سا خیال بھی رہ گیا۔ پھر اطلاع دی گئی ہے کہ اس "شئے قلیل" پر عمل تو عمل اس خیال کے نزدیک بھی خدانخواستہ اگر پیغمبر ہو جاتے تو ضعف الحیوٰۃ و ضعف الممات" کی سزا ان کو چکھائی جاتی یعنی اس جرم کی سزا دوسروں کو جو مل سکتی تھی اسی سزا کو ڈبل اور دوگنا کر کے قدرت ان کو چکھاتی اور یہ پیغمبر کے بلند رتبہ کا اقتضا ہے کہ "نزدیکاں را بیش بود حیرانی" کہنے والے نے اسی لئے تو کہا ہے کہ جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے کیسی وزیر کی ہلکی سی لغزش بھی یقیناً ایک عامی آدمی کے بدترین جرم سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ پیغمبر کے غیر معمولی احترام کی جو روح دھمکی کے ان الفاظ میں پوشیدہ ہے، شاید اس کے سوا اس کے اظہار کی کوئی دوسری صورت ہو بھی نہیں سکتی تھی، کوئی بڑی رعایت نہیں، بلکہ رعایت کے "شئے قلیل" بلکے سے خیال اور خیال بھی نہیں بلکہ اس خیال سے صرف نزدیکی پر غیر معمولی دھمکی کے ان الفاظ سے خود قرآن کی اہمیت کو جس طرح واشگاف کیا گیا ہے اور ایک ہی فقرے کے چند الفاظ میں قرآن اور قرآن کے پہنچانے والی کی رفعت و عظمت کی جو تصویر پیش کی گئی ہے قرآنی تعبیروں کے بھی

وہ پہلو ہیں جن کو اعجاز کے سوا اور کچھ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

قرآن ہی سے پیغمبر کو ہٹا لینے کی کوشش کا ذکر جن الفاظ میں کیا گیا ہے۔ یہ نتیجے تو ان سے پیدا ہوتے ہیں باقی نہ ماننے والوں نے جب یہ ارادہ کیا کہ پیغمبر قرآن سے اگر نہیں ہٹتے تو ملک بدر کر کے پیغمبر ہی کو اپنے سامنے سے ہٹا دیا جائے تو اس کا نتیجہ جو کچھ دیکھا گیا اسے تو خیر قیامت تک پیدا ہونے والے دیکھتے اور سنتے رہیں گے لیکن ماسوا اس کے ملک بدر کرنے کے اس ارادے کے مقابلہ میں پیغمبر کو جس عمل کی تلقین اس خاص موقعہ پر کی گئی تھی وہ آج کل کے مسلمانوں کی خاص توجہ کا مستحق ہے۔

پڑھئے قرآن میں پیغمبر کو ملک بدر اور جلا وطن کرنے کا ارادہ جب نہ ماننے والوں کی طرف سے کیا گیا تو پیغمبر کو حکم دیا گیا؟ کیا کانفرنس بلائی جائے اخبار نکالے جائیں تقریریں کی جائیں ریزولیوشن پاس کئے جائیں۔ صدائے احتجاج بلند کی جائے۔ نان کو اپریشن کی دھمکی دی جائے۔ سنئے، میں ترجمہ قرآن کے الفاظ کا کر دیتا ہوں

"اور قریب تھا کہ تجھے اس سرزمین میں دق کرتے رہیں، تا کہ نکال دیں تجھے اس سے اور تب نہ ٹھیریں گے تیری مخالفت میں مگر تھوڑے یہ دستور ہے ان لوگوں کا جنہیں ہم نے رسول بنا کر تجھ سے پہلے بھیجا اور ہمارے دستور میں تم تغیر و تبدل نہ پاؤ گے"

ان الفاظ میں تو ان کے اس ارادے کی اطلاع دی گئی جب انھوں نے چاہا کہ پیغمبر ہی کو سامنے سے ہٹا دیا جائے اب سنئے اس کے بعد فرمایا جاتا ہے

"تم نماز قایم کرتے ہو آفتاب کے ڈھلنے کے وقت سے رات کی تاریکی تک، اور (پڑھو) فجر کے قرآن کو بلاشبہ فجر کا قرآن مشہود ہے"

"مشہود" ہونے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ نماز میں جو چیزیں حاضر ہو سکتی ہیں، فجر کی نماز سب کا شہود و حضور ہوتا ہے اس میں خود نمازیوں کے قلوب اور ملائکہ دن اور رات کی نمازوں میں جن کی حضوری کی خبر حدیثوں میں دی گئی ہے الغرض سب کی حضوری کا وقت ہوتا ہے۔

بہر حال ان الفاظ میں ظہر اور رات کی تاریکی کے درمیان عصر اور مغرب کا وقت بھی آجاتا ہے۔ یا نچویں

نمازِ فجر کی ہے۔ اور صرف یہی نہیں آگے ہے۔

اور رات کے حصہ میں بھی تہجد ادا کر تیرے لئے یہ ایک زائد (کام) ہے۔

الغرض ملک بدر کرنے کا ارادہ پیغمبر کے متعلق جب کہا گیا تھا تو جیسا کہ ہر قرآن پڑھنے والا جانتا ہے اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس الی غسق اللیل وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشہوداً ومن اللیل فتہجد بہ نافلۃ لک کا حکم دیا گیا تھا اور اسی کے بعد بشارت دی گئی تھی کہ محمودیت کے مقام تک توقع کرنی چاہئے کہ تمہارا مالک نہیں پہنچا دے لن تجد لسنۃ اللہ تحویلاً اور "نہ بدلنے والا دستور" قرار دیتے ہوئے قرآن میں یہ جو کچھ کہا گیا ہے کیا صرف اس لئے کہا گیا تھا کہ پڑھنے والے پڑھ لیا کریں؟

اللہ ہی کو سب سے بڑا یقین کرتے ہوئے جو نمازوں میں داخل ہوتے ہیں، اور "السلام علیکم" کہتے ہوئے، نمازوں سے اس طرح نکلتے ہیں، کہ گویا کہیں گئے ہوئے تھے اور وہاں سے واپس ہوتے ہیں۔ اس طریقے سے نماز پڑھنے والے کاش! غور کرتے اس دعا کے الفاظ پر جو نمازوں کے مذکورۂ بالا حکم کے بعد سکھائی گئی ہے ترجمہ جس کا یہ ہے۔

اے پروردگار! مجھے داخل کر راستی کے داخلہ کے ساتھ اور باہر نکال راستی کے باہر نکالنے کے ساتھ اور میرے لئے مقرر فرما اپنے حضور سے ایسی غالب آنے والی قوت جو میری مددگار ہو۔

یعنی ربّ ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً۔ کی مشہور دعا کو سوچا جاتا اور سمجھا جاتا کہ غلبہ بخشنے والی قوت کے حاصل کرنے

لہ جیسا کہ قاعدہ ہے ہمارے مفسرین نے دخول وخروج کے سلسلہ میں مکہ مدینہ قبر آخرت کے ساتھ ان پاؤں کا بھی ذکر کیا ہے کہ مشرکوں کے درمیان سے خروج اور مقام امن میں دخول وغیرہ بیسیوں چیزیں تفسیر کی کتابوں میں ملتی ہیں لیکن ان سارے احتمالات میں اس کا تذکرہ کسی نے نہیں کیا جس پر چاہئے تھا کہ سب سے پہلے نظر جاتی آخر نماز اور نماز کے اوقات کے بعد اس دعا کو جب ہم پاتے ہیں تو کیوں نہ سمجھیں کہ اللہ ہی کو سب سے بڑا قرار دے کر نمازی نماز میں جب داخل ہوتا ہے اور سورۂ فاتحہ کی شکل میں اپنی درخواست بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے پھر قرآن کے کسی حصہ کو پڑھ کر اپنی درخواست کا جواب پاتا ہے۔ پھر اپنے مالک کے سامنے جھکتا اور اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

کا قرآنی طریقہ کیا ہے جس کے بعد خبر دی گئی ہے کہ سچ آجاتا ہے اور جھوٹ مٹ جاتا ہے اور جھوٹ تو مٹنے ہی کے لئے ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قدموں پر سر ڈالتا ہے۔ دربار کی حضوری کی سی کیفیت سامنے آتی ہے جیسے دربار میں لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ جاتے ہیں وہ بھی بیٹھتا ہے صاحب دربار یعنی حق تعالیٰ کے سامنے تحیات وسلام کو پیش کرتا ہے اس دربار میں رسائی جس ذات کے طفیل میں میسر آئی ان کو سلام کرتا ہے پھر سلام کا جواب حق تعالیٰ سے ملتا ہے آخر میں وہ اسی پیغمبر اور ان کے لوگوں کے لئے دعا کرتا ہے جن کی بدولت قرب کے اس مقام تک اسے رسائی حاصل ہوئی، اسی پر نماز ختم ہو جاتی ہے جس کے بعد پھر ان ہی لوگوں میں چلا آتا ہے جن کے یہاں سے سفر کرکے وہ برتی عالم میں چلا گیا تھا سب کو سلام دعا ہے، دخول وخروج کی یہ کتنی صاف واضح شکل ہے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو نماز میں اس طرح داخل ہوتے ہیں ان سے مطالبہ صرف یہ کیا گیا کہ کسی غیر کو نہیں صرف اپنے رب کو چند منٹ کے لئے اس دنیا سے ہٹا کر حق تعالیٰ کے سامنے ہو کر گذارا کریں لیکن آہ کہ گذر دیکھتے نہیں سمجھتے وہ آنکھیں بند کرکے شاید خدا کو اپنے سامنے لانا چاہتے ہیں حالانکہ وہ کس سے غائب ہے ہاں ہم اپنی نماز سے غائب ہو جاتے ہیں بس دخول صدق کی دعا کی سب سے زیادہ ضرورت غالباً نماز ہی میں ہے۔ ۱۲

مختار بن ابی عبید الثقفی

از

(ڈاکٹر خورشید احمد فارق ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ڈی)

(۷)

(ج) بصرہ میں مختار کی تحریک

توابین شیعوں کا جو رمضان ۶۵ھ میں ابن زیاد سے لڑنے سلیمان بن صرد کی قیادت میں کوفہ سے روانہ ہوئے تھے پہلے ذکر ہو چکا ہے، ان لوگوں کا ابن زیاد سے عین وردہ پر مقابلہ ہوا سلیمان بن صرد اور اکثر توابین مارے گئے۔ سلیمان کا نائب اور خلیفہ مثنیٰ ابن مخربہ عبدی تاب مقاومت نہ لاکر بقیۃ السیف توابین کے ساتھ کوفہ لوٹ آیا اس مہم پر بصرہ کے شیعوں کی بھی ایک جماعت گئی تھی اس میں سے بھی کچھ لوگ بچ گئے اور بصرہ لوٹ آئے۔ مثنیٰ جب واپس ہوا تو مختار گورنر کوفہ کی قید میں تھا اور اس کی تحریک خلافت و انتقام اہل بیت سرعت کے ساتھ پھیل رہی تھی، مثنیٰ مع اپنے ساتھیوں کے اس تحریک میں ضم ہو گیا، قید خانہ میں مختار سے مل کر بیعت کی اور اس کا سرگرم کارکن بن گیا قید سے نکل کر مختار نے اس کو بصرہ جا کر شیعوں میں نئی تحریک اہل بیت کی اشاعت پر مامور کیا، مثنیٰ کا بصرہ کے شیعوں نے خیر مقدم کیا اس نے ایک شیعی مسجد کو اپنی تحریک کا مرکز بنایا۔ وہاں شیعوں کی امداد کرتا اور مختار کے مشن کی اشاعت، بصرہ کے اکثر لوگ عثمانی میلان کے تھے اور اہل بیت کی نسبت ان کو بنی امیہ سے زیادہ لگاؤ تھا پھر بھی ایک اقلیت میلان اہل بیت کی وہاں تھی۔ مثنیٰ کے ہم خیال بڑھ گئے اور وہ بصرہ کی حکومت الٹنے کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا جب کوفہ میں مختار کو کامیابی ہوئی اور حکومت اس کے ہاتھ میں آگئی تو مثنیٰ حکومت الٹنے کی تیاری کرنے لگا۔ ابن زبیر کے گورنر حارث بن عبداللہ معروف بقباع کو جب اس کے باغیانہ ارادوں کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے پولیس افسر کو ایک رسالہ کے ساتھ

مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے بھیجا مختار کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے مثنیٰ نے اپنا ایک افسر مقابلہ کے لئے مامور کیا جس نے پولیس افسر کو شکست دی (کوفہ میں ابن اشتر نے پولیس افسر کو قتل کر دیا تھا) اب معاملہ سنگین ہو گیا بصرہ میں جنگی فضا پیدا ہو گئی، بصرہ میں کوفہ سے زیادہ قبائلی نزاع اور رقابتیں تھیں ربیعہ اور نزار، شمالی عرب و جنوبی عرب کے امتیازات عربوں کی زندگی کو زیر و زبر کئے ہوئے تھے، مثنیٰ کے شیعوں میں قبیلہ عبد القیس کے بہت سے لوگ تھے مشہور عاقل سردار احنف بن قیس کو قبیلہ مفرو ربیعہ کے سپاہیوں کے ساتھ گورنر نے مثنیٰ سے لڑنے بھیجا، ربیعہ اور بکر بن وائل میں بڑی عداوت تھی، مثنیٰ کو شکست ہوئی اس نے اور اس کے ساتھیوں نے عبد القیس (بکر بن وائل کے حصہ) میں پناہ لی بکر بن وائل کے نامور سردار مالک بن مسمع یہ کہاں برداشت کر سکتا تھا کہ اس کے قبیلہ کی پناہ میں آنے والوں سے تعرض کیا جائے، چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ احنف کے مقابلہ پر نکل آیا اس کو مختار کی تحریک سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن عربوں میں مہمان، پڑوسی اور بالخصوص ہم نسب مہمان و پڑوسی کے حقوق ہر حق سے زیادہ تھے اور بکر بن وائل کے مالک بن مسمع کی قیادت میں نکلنے کا سب سے بڑا محرک یہی تھا۔ قریب تھا کہ بصرہ کے قبائلی عناصر ایک ہولناک باہمی آویزش میں گرفتار ہو جائے کہ کوفہ کے سابق گورنر ابن مطیع (جس کو مختار نے نکال دیا تھا ابن زبیر کے نامزد گورنر حارث (جو ابن زبیر کے ڈر سے [illegible] کی بجائے بصرہ آ گیا تھا اور دوسرے مقامی سمجھدار لوگوں نے مصالحت کرا دی۔ مثنیٰ اور اس کے ساتھیوں سے کہہ دیا گیا کہ چونکہ رائے عامہ تمہاری تحریک سے دلچسپی نہیں رکھتی اور تمہاری قوت کم ہے تم شہر چھوڑ کر کوفہ چلے جاؤ، مثنیٰ شکست کھا خود یہ محسوس کر چکا تھا چنانچہ وہ کوفہ چلا گیا اور اپنی طبعی موت مر گیا، کوفہ جا کر اس نے احنف کی جو گورنر بصرہ کے حکم سے فوج لے کر میدان میں آ گیا تھا مختار سے شکایت کی اور مالک بن مسمع کی جس نے شکست کے بعد اس کو اور اس کے ساتھیوں کو پناہ دی تھی تعریف کی۔

مختار کو مثنیٰ کی ناکامی کا افسوس ہوا، بصرہ اور کوفہ بہن بھائی تھے دونوں قبائلی عرب قوت کے سب سے بڑے مرکز تھے، عراق و فارس کے ابتدائی فاتحوں نے ان کو آباد کیا تھا بصرہ کو ۱۴ھ میں کوفہ کو ۱۷ھ میں ان میں سے ہر ایک کے تحت میں مشرق کے بڑے بڑے صوبے تھے جن کے محصولات سے

یہاں کے کئی لاکھ عرب فاتحانہ شان سے زندگی گذارتے تھے اور مفتوحہ علاقوں میں اکثر واقع ہونے والی بغاوتوں کو فرو کرنے یا نئے علاقوں کو فتح کرنے جاتے رہتے تھے ان کی عسکری و قبائلی اہمیت مملکت عرب میں سب سے زیادہ تھی بصرہ نے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی، پچھلے آٹھ دس سالوں یعنی ۶۰ھ اور ۶۶ھ کے درمیان دونوں ایک گورنر کے ماتحت رہتے تھے یزید کی موت کے بعد بصرہ اور ماتحت علاقوں نے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی اور ابن زبیر سے مختار کے تعلقات محض ڈپلومیٹک تھے مختار کو سب سے بڑا خطرہ بصرہ سے تھا حجاز میں اول تو کسی بڑی لشکرکشی کی صلاحیت نہ تھی (غربت کی وجہ سے) دوسرے ابن زبیر کو شام کا ہولناک دشمن اس کی اجازت نہ دیتا اور تیسرے حجاز سے عہدہ برآ ہونا نسبتاً آسان تھا اس کو اندیشہ درحقیقت یہ تھا کہ ابن زبیر کے حکم سے بصرہ کا گورنر کوئی فوج بھیجدے جس سے نہ صرف یہ کہ مقابلہ نہایت سخت ہو نہ صرف یہ کہ جس سے لڑنے کی کوفہ کے عربوں میں سچی امنگ نہ ہو بلکہ جن سے لڑکر وہ خود اتنا کمزور ہو جائے کہ شامی دشمن پر غلبہ نہ پا سکے

مثنیٰ کی ناکامی گو کہ مکمل تھی گو کہ بصرہ میں اس کے ہم خیال اتنے کم تھے کہ وہاں اس کا قیام ناممکن ہو گیا تاہم مختار نے اپنی الہامی شان، اپنے روحانی جلال سے وہاں کے لوگوں کو تھپکتے رہنا مناسب سمجھا اگر وہ عملی طور پر اس کا ساتھ نہ دے سکے تو عملی طور پر اس کی مخالفت بھی نہ کریں، اس کے لئے یہی کافی تھا اس کو مثنیٰ سے معلوم ہوا تھا کہ احنف بن قیس اپنا قبیلہ لے کر اس کے مقابلہ کو آ گیا تھا، اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ بکر بن وائل کے قبائلی سردار مالک بن مسمع اور زیاد بن عمرو عتکی نے اس کو پناہ دی اور آخر وقت تک اس کی حفاظت کی۔ اس نے ان قبائلی سرداروں کی وفاداری حاصل کرنے یا کم از کم ان کو بے ضرر رکھنے کے لئے اپنی مخصوص پالیسی پھینکے ان کی کچھ تفصیل تاریخ میں محفوظ رہ گئی ہے احنف کو جو قبیلہ مضر کا سردار تھا ذیل کا خط قرآنی اسلوب میں بھیجا: ربیعہ اور مضر کی ماں کا برا ہو اس برے کام کی وجہ سے جو وہ کر رہا ہو (مثنیٰ کے مقابلہ میں ان کے خروج کی طرف اشارہ ہے) بلا شبہ احنف اپنی قوم کو سقر (دوزخ) کی طرف لئے جا رہا ہے اور تقدیر کو بدل نہیں سکتا اور نہ اس پیشین گوئی کو جو آسمانی کتابوں میں ہو چکی ہے میری جان کی قسم، اگر تم نے مجھ سے لڑائی کی اور مجھے کذاب کہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، مجھ سے پہلے بہت سے برگزیدہ (انبیاء) لوگوں

کو جھوٹا کہا گیا ہے اور میں ان سے بہتر کب ہوں؟"

مالک بن مسمع اور زیاد بن عمرو عتکی کو لکھے ہوئے خطوط کے یہ الفاظ زندہ رہ گئے ہیں: میری بات مانو اور اطاعت کرو اور جو کچھ بتایا جائے اس کے بہترین حصہ پر ہمیشہ عمل کرتے رہو اگر تم نے ایسا کیا تو دنیا میں جو چاہو گے تم کو دوں گا اور جب مرو گے تو تمہارے لئے جنت کا ضامن ہوں گا" مالک یہ خط پڑھ کر ہنسا اور زیاد سے بولا "ثقیف کا بھائی (مختار) ہمارے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آیا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں دے رہا ہے" یہ سن کر زیاد ہنسا اور تمسخر سے کہنے لگا "ہم ادھار کے وعدہ پر نہیں لڑتے (یعنی مختار کے ساتھ ہو کر) جو نقد دے گا اس کے ساتھ لڑیں گے۔[1] اور ایسا ہی ہوا مختار کے بلانے کارگر نہ ہوئے اور سال بھر بعد جب مصعب بن زبیر جس نے بصرہ آتے ہی بے مثال فیاضی سے کام لیا اور سال میں ایک عطا کی بجائے دو عطائیں دینے کی رسم ڈالی[2] مختار سے لڑنے نکلے تو مالک کے جھنڈے تلے بکر بن وائل کا قبیلہ اور زیاد بن عمر عتکی قیادت میں بصرہ کا ازد قبیلہ تھا۔ مصعب کے نقد نے مختار کے ادھار پر غلبہ پا لیا۔[3]

(۳) مختار کی لڑائیاں اور عسکری تدبیر

مختار کا دور اقتدار بقول مصنف استیعاب (حاشیہ اصابہ ۳/۵۳۶) سولہ ماہ بحساب طبری و مصنف اخبار الطوال: اٹھارہ ماہ اور بتصریح بلاذری مصنف انساب الاشراف چھتیس ماہ ہے اس مختصر عرصہ میں اس کی فوجیں آٹھ موریوں پر لڑیں اور دو پر محض ڈپلومیٹک کامیابی حاصل کر کے لوٹ آئیں ان میں سے پہلی لڑائی اس کے اقبال کا زینہ بنی اور آخری اس کی تباہی کا۔ ان لڑائیوں کے اسباب اور سیاق و سباق پہلے ذکر ہو چکے ہیں یہاں ان کے متعلق دوسری مفید و اہم تفصیلات پیش کی جائیں گی اور مختار کی عسکری تدبیر پر ریویو ہوگا، ان لڑائیوں کے عنوانات اور جغرافیائی موقعے یہ ہیں۔

۱۔ کوفہ کی جنگ جس میں مختار نے موالی اور شیعوں کی مدد سے ابن زبیر کے گورنر ابن مطیع کو نکال کر حکومت پر قبضہ کیا یہ ۶۶ھ میں واقع ہوئی۔

۲۔ یزید بن انس اور ابن زیاد کی جنگ جو جزیرہ میں واقع ہوئی جس میں یزید بعارضہ بیماری مرا اور اس

---

[1] انساب ۵/۲۴۵ [2] انساب ۵/۲۷۱ [3] انساب ۵/۲۰۹

کی فوج منتشر ہوئی لیکن جس میں مرنے سے پہلے اس نے بقول انساب ۲۳۱/۵ چھ ہزار شامی قیدیوں کو قتل کرایا۔ بقول طبری تین سو کو زید کے زیر کمان فوج کی تعداد بقول انساب الاشراف ۲۴۲/۵ و طبری ۱۱۳/۲ ۳ ہزار تھی اور بقول مصنف اخبار الطوال ۲۹۳ بیس ہزار۔

۳۔ جنگ سبیع جس میں کوفہ کے غیر شیعی قبائلی سرداروں نے مختار کے خلاف بغاوت کی اور شکست کھا کر مصعب بن زبیر سے مدد مانگنے بصرہ جا کر پناہ لی، یہ جنگ ذی الحجہ ۶۶ھ میں واقع ہوئی۔

۴۔ جنگ خازر اس جنگ میں مختار کی طرف سے ابن اشتر عبدالملک کے سپہ سالار ابن زیاد سے بمقام خازر لڑا اور اس کو قتل کر کے شامی فوجوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اس جنگ میں بقول انساب الاشراف ۲۴۳/۵ مختار کی نو ہزار اور بقول طبری ۱۴۱/۲ سات ہزار اور بہ تصریح مصنف اخبار الطوال تقریباً تیس ہزار فوجیں شریک ہوئیں خازر صوبہ جزیرہ میں اربل اور موصل کے درمیان ایک نہر تھی جہاں یہ ہولناک معرکہ ہوا تھا اس کی فوج کی اکثریت غیر عرب تھی۔

۵۔ جنگ رقیم۔ یہ جنگ حجاز کے ایک ریگستانی نخلستان میں جس کا نام رقیم تھا واقع ہوئی جس میں مختار کے فرستادہ سپہ سالار ابن ورس کو ابن زبیر کے سپہ سالار ابن سہل نے اچانک حملہ کر کے شکست دی، ابن ورس مارا گیا اس کی اکثر فوج برباد ہوئی، اس معرکہ میں مختار کی تین ہزار فوجیں شریک ہوئیں اس لشکر میں سات سو عربوں کے علاوہ سب موالی و غلام تھے۔

۶۔ جنگ دومۃ الجندل۔ یہ وہ مشہور حجازی نخلستان ہے جہاں بقول بعض حضرت علیؓ اور معاویہ کے نمائندے قرآن کے مطابق خلافت کے متنازع فیہ معاملہ طے کرنے ۳۷ھ میں جمع ہوتے تھے، یہ جنگ عبیداللہ بن زیاد کے بھائی عباد سے ہوئی مدائنی نے بروایت انساب اس کی بابت کہا ہے، جنگ مرج راہط کے بعد عباد بن زیاد سیاست اور عربوں کی باہمی آویزش سے کنارہ کشی کر کے دومۃ الجندل میں مقیم ہو گیا مختار نے اس کی سرکوبی کے لئے (چونکہ وہ عبیداللہ بن زیاد کا بھائی تھا) شراحبیل بن ورس کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ دومہ بھیجا عباد نے کہلا دیا کہ میں اپنے دین کی سلامتی کی خاطر یہاں بھاگ آیا ہوں اور مسلمانوں کی باہمی جنگوں سے کنارہ کش ہو گیا ہوں، ابن ورس کے ساتھیوں نے کہا ہم تو مسلمانوں کو

۱؎ معجم البلدان یاقوت ۲۰۰/۳ ۲؎ انساب ۲۴۲/۵

باہمی جنگ کا سرغنہ ہے اور اول و آخر ہے اس کو ہلنے کا موقع نہ دیا جائے حتی کہ یہ قتل ہو۔ ابن ورس نے عباد سے لڑنے کا فیصلہ کر لیا مجبوراً عباد نے اپنے غلاموں اور موالی کو جن کی تعداد سات سو تھی مقابلے کے لئے تیار کیا اور کہا: "ان لوگوں سے لڑنے چلو کیونکہ محصور ہو کر ہر قوم شکست کھاتی ہے۔" لڑائی ہوئی جس میں ابن ورس کے ہزار سے زیادہ سپاہی مارے گئے اور عباد کے ساتھیوں میں سے صرف ایک مولی کام آیا۔ ابن ورس شکست کھا کر بھاگا تو اردگرد کے بدو قبیلے اس پر ٹوٹ پڑے اس کو لوٹ لیا اور اس کی بیویوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا، ابن ورس بصد خرابی کوفہ پہنچا۔ مختار کے دو ہزار سے زیادہ منتخب سوار اس جنگ میں ضائع ہوئے[۱]۔

۷۔ جنگ مذار۔ یہ زیریں عراق کے ضلع میسان کا جنگی اہمیت رکھنے والا ایک شہر تھا جو بصرہ اور واسط کے درمیان واقع تھا[۲]۔ مختار کو جب علم ہوا کہ کوفہ کے مفرور قبائلی سردار بصرہ میں مصعب بن زبیر اور مہلب کی قیادت میں ایک زبردست فوج لے کر کوفہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو اس نے عسکری مصلحت کے ماتحت خود بصرہ پر اپنی قدیم ترین مخلص اور مجرب فوجی افسروں کی کمان میں بروایت انساب ۲۷۳/۵ چالیس ہزار فوج اور بقول مصنف اخبار الطوال ۳۰۰ ساٹھ ہزار فوج بھیجی تاکہ دشمن کو اس کے مرکز ہی میں شکست دے دی جائے اس فوج میں غیر عربوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی یہ فوج بری طرح شکست کھا کر پسپا ہوئی، پسپا ہونے کے بعد مفرورین کوفیوں نے اس کا تعاقب کیا اور اکثر کو تہ تیغ کر ڈالا اس جنگ میں عبیداللہ بن علیؑ (بقول بعض عمر بن علی) جو مختار سے ناراض ہو کر مصعب سے جا ملے تھے کوفہ کی فوجوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے[۳]۔ یاقوت نے معجم البلدان ۴۸۳/۳ پر لکھا ہے کہ مذار میں عبیداللہ بن علی کی قبر ہے جس کی زیارت کرنے دور دور سے لوگ آتے ہیں۔

۸۔ جنگ سیحون صرورا و کوفہ۔ یہ جنگ مذار کا تتمہ ہے سیحون کوفہ اور قادسیہ کے درمیان ایک فوجی اہمیت رکھنے والی جگہ تھی[۴] جہاں اسلام سے پہلے کسروی شاہنشاہوں کے مسلح دستے رکھے جاتے تھے[۵] صرورا کوفہ کے باہر دو میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں تھا[۶] کوفہ کی شکست

---

۱ انساب ۲۶۸/۵ ۲ معجم البلدان ۴۸۳/۳ ۳ ایضاً ۲۵۶/۳ عبداللہ ہے ۴ ایضاً ۱۹۹/۵ ۵ ایضاً ۲۵۶/۳

مکمل کرنے کے بعد مختار نے یہاں اپنا کیمپ نصب کیا تھا، مصعب کی فوجیں چھ بڑے بڑے حصوں میں تقسیم تھیں قلب زیر کمان مصعب، میسرہ، میمنہ زیر کمان مہلب بن ابی صفرہ، رسالے زیر کمان عباد بن حصین، پیادے زیر کمان مقاتل بن مسمع کوفہ کے مفرورین زیر کمان محمد بن اشعث، مختار نے مقابلہ کیا پھر کوفہ کے قلعہ میں محصور ہو گیا اور بقول بعض چالیس دن تک محصور رہ کر جب اکتا گیا تو نکل کر مقابلہ کیا اور لڑتا ہوا مارا گیا۔

ان آٹھ لڑائیوں کے علاوہ مختار کی طرف سے چھوٹی چھوٹی متعدد پیشقدمیاں ہوئیں، کچھ تو قاتلین حسینؓ کی گرفتاری کے لئے، دو حجاز کے مقابلہ میں پانچسو آہن پوشوں کا ایک رسالہ ابن زبیر کے نامزد گورنر کوفہ کو دفع کرنے اور دوسرا ابن الحنفیہ کو قید زمزم سے رہا کرنے روانہ کیا گیا جیسا کہ پہلے ذکر ہوا

ان آٹھ لڑائیوں میں سے تین کوفہ میں واقع ہوئیں، دو جزیرہ میں، ایک بصرہ کے قریب، اور دو قادسیہ ان میں جنگ خازر اور جنگ مذار نہ صرف یہ کہ اپنی شدت اور طرفین کی تباہی کے اعتبار سے بقیہ سب جنگوں سے بازی لے گئیں بلکہ اس لحاظ سے بھی ان کی اہمیت بہت ہے کہ خم خازر مختار کے دنیاوی اقتدار اور روحانی فتح کا نصف النہار ہے اور شکست مذار ان کے زوال کی شام، فتح خازر نے نہ صرف یہ کہ بنو امیہ اور ابن زیاد سے قتل حسینؓ کا بدلہ لیا بلکہ اس کی روحانی دھاک کی بنیادیں بری طرح ہلا دیں (اس کی پیشین گوئی اور جھنڈے کی خواری کا قصہ ہم پڑھ چکے ہیں) اس کے مخالفین کے حوصلے بڑھا دیئے، اس کے معتقدین کے حوصلے پست کر دیئے اور خود اس کی اپنی خود اعتمادی پر کاری ضرب لگائی۔

ان جنگوں میں اور یہ اٹھارہ ماہ کے مختصر عرصہ میں فی جنگ دو ماہ کے حساب سے رونما ہوئیں تمام کے تقریباً نوے ہزار آدمی کام آئے جن میں غالباً موالی اور غلاموں کی اکثریت تھی اور شاید اسی قدر جانیں فریق ثانی کی بھی ضائع ہوئیں، یہ اعداد و شمار ہم کو حیرت ناک نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسے نہیں ہیں بلاطوں کے بے قید تمتع کے زیر اثر آبادی اس سرعت سے بڑھ رہی تھی کہ اس کی روک تھام کا ایک قدرتی ذریعہ رہیمنہ۔ طاعون اور قحط کے علاوہ) جنگ اور اس کی انسانی قربانی میں تھا ۱۴ھ میں جب بصرہ آباد ہوا تو چند ہزار عربوں پر مشتمل تھا ۱۷ھ میں جب کوفہ آباد ہوا تو اس کی آبادی بیس ہزار کے اندازہ تھی زیادہ

بن سمیہ کی گورنری بصرہ اور کوفہ کے زمانہ میں (۵۴ھ تا ۲۴ھ) بصرہ کی آبادی دو لاکھ اور کوفہ کی ایک لاکھ چالیس ہزار شمار کی گئی تھی[1]، ان میں ایک بہت بڑی تعداد غلاموں اور موالی کی تھی اور اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جو عرب باپ اور غیر عرب (غلام) ماں سے پیدا ہوئے تھے عربوں کے باہمی جھگڑے قبائلی و شخصی رقابتوں اور حسدوں کی بنا پر ابتدائے اسلام سے بڑی کثرت سے ہوتے رہے اور یہ غیر فطری افزائش ان جھگڑوں کی آگ کو اکساتی (بھڑکاتی) اور پھر ان کا ایندھن بنتی صرف جنگ صفین میں جو حضرت علی اور معاویہ کے مابین ۳۷ھ میں ہوئی قدرت نے ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ لوگوں کو ٹھکانے لگا کر آبادی کے اس خوفناک سیلاب کی تباہ کاریوں کو روکا۔

ان جنگوں میں صرف پہلی اور آخری جنگ مختار نے خود لڑی بقیہ سب اس کے فوجی جنرلوں کے ماتحت ہوئیں اور یہ عجیب بات ہے کہ پہلی جنگ کی کمان سے اس نے قوت حاصل کی اور دوسری و آخری کی کمان میں وہ قوت سے محروم ہوا جہاں تک اس کی لڑائیوں کا ذکر تاریخ میں ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اس فن میں ماہر تھا، جنگ میں وہ محض تلوار، ہتھیار یا تعداد ہی پر بھروسہ نہ کرتا بلکہ فکر و تدبر کو بھی کام میں لاتا اور دشمن فوجوں کی نفسیات کو مد نظر رکھ کر عسکری چالیں چلتا تھا پہلی جنگ میں جو اس کی زیر کمان کوفہ میں ہوئی اس کی عسکری تدبیر کی دو مثالیں قابل ذکر ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے ماتحت افسروں کو چھوٹے چھوٹے تیز گام دستوں سے دشمن کا مقابلہ کرنے کی تاکید کرتا تھا اور کسی ایک مورچہ پر فوج اکٹھا کرنے کی بجائے چھوٹے چھوٹے دستوں سے یکے بعد دیگرے دشمن کی مقاومت اور قوت کارکردگی کو کمزور کرنے کی پالیسی پر عمل کرتا تھا، دوسرے یہ کہ فتح کوفہ کی جنگ میں جب دشمن کا دباؤ اس کے شہر سے باہر کی فوجوں پر بڑھنے لگا تو اس نے متعدد دستے دشمن کی پیش قدمی کرنے والی فوجوں سے تکرلئے بغیر شہر جا کر قلعہ کا محاصرہ کرنے اور عقب سے حملہ کرنے بھیجے اور یہ تدبیر نہایت کارآمد ثابت ہوئی ایک طرف دشمن دو سمتوں سے گھر گیا دوسری طرف قلعہ اس کے ہتھیاروں کی زد میں آ گیا اور بہت جلد شہر پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس لڑائی میں اپنی قوت بڑھانے اور دشمن کی قوت پر ضرب لگانے کی اس نے ایک اور

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۳۴۸

انوکھی تدبیر اختیار کی جو آنحضرتؐ طائف کے محاصرہ (۸ھ) کے موقع پر استعمال کر چکے تھے اور وہ تدبیر یہ تھی کہ اس نے شہر میں منادی کرا دی کہ جو غلام ہم سے آملے گا وہ آزاد ہے" اس پیغام رحمت کو سن کر ہزاروں غلام بھاگ آئے اور آزادی و مساویانہ حقوق کی ولولہ انگیز امید میں دل و جان سے اس کی لڑائی میں شریک ہو گئے[۱] مجھے نہیں معلوم کہ آنحضرتؐ اور مختار کے علاوہ کسی نے اس طریقہ پر عمل کیا ہو۔

میدان جنگ کو بھیجتے وقت وہ بالعموم اپنی فوج کے سپہ سالاروں کو عسکری تدبیر اور طرز عمل کے بارے میں ہدایات دیتا تھا، جزیرہ کی پہلی لڑائی میں ابن زیاد کے مقابلہ میں بھیجتے وقت اس نے اپنے سپہ سالار یزید بن انس کو یہ ہدایت کی تھی۔

۱۔ میدان جنگ میں پہنچ کر دشمن سے زیادہ بحث مباحثہ نہ کرنا (اکثر ایسا ہوتا تھا کہ فریقین لڑنے سے پہلے ایک دوسرے کو اپنے مسلک کی حقانیت بتا کر اپنی جانب مائل کرتے یا فوجوں میں بد لطمینانی پھیلانے کی کوشش کرتے جیسا کہ جنگ صفین میں لا حکم الا اللہ کا نعرہ بلند کر کے کی گئی تھی اس طرز عمل سے دشمن کو زید کی قوت کا اندازہ لگانے اور اپنی قوت کا مظاہرہ کر کے اس کی فوجوں کے حوصلے پست کرنے کا موقع مل جاتا، مختار کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو اپنی تعداد اور ہتھیاروں سے باخبر کئے بغیر اندھا دھند جارحانہ حملہ کر کے اس کی قوت کارکردگی کو مفلوج کر دیا جائے) اور جارحانہ اقدام کا موقع اپنے ہاتھ میں رکھنا۔

۲۔ دشمن کو کامیابی سے حملہ کرنے کا موقع نہ دینا۔

۳۔ میں فوجی دستے یکے بعد دیگرے مسلسل تمہارے پاس بھیجتا رہوں گا اس سے تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا، تمہاری فوج کے حوصلے بڑھیں گے اور تمہارے دشمن کے حوصلے پست ہوں گے[۲]

ابن زیاد سے جزیرہ کی دوسری مہیب جنگ لڑنے ابراہیم بن اشتر کو بھیجتے وقت اس نے کہا میں تم کو ہدایت کرتا ہوں کہ

---

[۱] انساب، ۲۶۱/۵ [۲] انساب ۲۳۰/۵

۱۰۔ اپنے ہر ظاہر و مخفی کام میں خدا سے ڈرتے رہنا۔

۲۔ بہت تیز تیز جاؤ تاکہ کوفہ کے حدود سے بہت دور دشمن سے مقابلہ ہو مختار اپنے خانگی محاذ کی سلامتی اور غیر شیعی عناصر کی ممکن بغاوت سے بچنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ دشمن کا مقابلہ کوفہ سے دور ہو، اس پالیسی کے پیش نظر اس نے بصرہ کی فوج چھاؤنی مزار پر مقابلہ کرنے میں پیش قدمی کی تھی اور یہ پسند نہ کیا تھا کہ مصعب کوفہ کے باہر اس سے لڑے۔

۳۔ جب دشمن کے پاس پہنچ جاؤ تو بلا تاخیر اس پر حملہ کر دو، اگر رات کو اس کے پاس پہنچو اور ممکن ہو تو رات ہی میں اس پر شب خون مارو، اگر دن میں مقابلہ ہو تو اس کو رات آنے کی مہلت نہ دو[1]

ان ہدایتوں کا مقصد دشمن کے ہاتھ پیر پھلانا اور اس کو بدحواس کر کے اس کی عسکری تنظیم و کارکردگی کو درہم برہم کرنا تھا، اس قسم کی طوفانی لڑائی ہمیشہ اُس فریق کے لئے مفید ہوتی ہے جس کی تعداد فریق مخالف سے کم ہو جیسا کہ شام کی دونوں مقابلوں میں مختار کی کم تھی اس کا دوسرا فائدہ یہ تھا کہ زیادہ قتل و غارت ہوئے بغیر جنگ کا جلد فیصلہ ہو جاتا تھا یا طوفانی شان سے بڑھنے والا فریق دشمن کو بدحواس کر کے فرار پر مجبور کرتا یا خود کٹ جاتا، اس عسکری طرز عمل میں پہلی قسم کے امکانات زیادہ تھے جیسا کہ جزیرہ کی دونوں جنگوں میں ہوا اور دوسری قسم کی صورت حال جنگ مزار اور جنگ کوفہ میں مختار کے خلاف رونما ہوئی۔

---

[1] طبری ۱۴۰/۷

اقبال کا فلسفۂ خودی اور فلاسفۂ مغرب

از

(جناب مظفر شاہ خاں صاحب ایم - اے)

علامہ کی شاعری، فلسفیانہ نکات کے توضیحی و تشریحی نوٹ ہیں ان کا پیامِ خودی درحقیقت ایک زبردست مابعد الطبیعاتی نظریہ ہے جو اس سے قبل مغربی فلسفہ میں مسئلہ ارتقا کے نام سے موسوم رہا ہے، اقبال نے اساسی طور پر تو اسی کی اتباع کی ہے مگر اس کو اسلامی رنگ میں پیش کیا ہے۔

قرآن حکیم فرماتا ہے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ وَّنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ چنانچہ ان آیات کی تفسیر مولانا روم اس طرح کرتے ہیں۔

آدمی اول بہ اقلیم جماد | وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالہا اندر نباتی عمر... کرد | وز جمادی یاد نا ورد از نبرد
وز نباتی چوں بہ حیواں اوفتاد | نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں | خاصہ در وقتِ بہاراں ضیمراں
باز از حیواں سوئے انسانیش | می کشد آں خالقے کہ دانیش
ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت | تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت
عقلہائے اولینش یاد نیست | ہم ازیں عقلش تحول کردنیست
تا رہد زیں عقل پر حرص و طلب | صد ہزاراں عقل بیند بوالعجب

مثنوی مولوی دفتر چہارم

اقبالؔ اپنے مرشد رومیؔ کی طرح اس کے معتقد ہیں کہ انسان متعدد منازل طے کرتا ہوا اس حد تک انسانیت پر فائز ہوا ہے اور وہ ابھی برابر ترقی کر رہا ہے "ہم از یں عقلش تحول کردنی ست" یہاں تک کہ وہ آیندہ ترقی کرتے کرتے ایک ملکوتی درجہ (فوق البشر) پر پہنچ جائے گا جو روحانیت وجسمانیت کا مجموعہ ہوگا اسی باعث وہ انسان کے مادی وجسمانی عنصر کو فانی اور روحانی کو ابدی تصور کرتے ہیں۔

جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں — خاک ہوتا ہو مقدر جس کا وہ گوہر نہیں

ہاں اس درجہ پر فائز ہونے کے لئے فرد کو کامل ہونا چاہئے۔ اس مرتبہ کے حصول کا ذریعہ وہ خودی کو بتاتے ہیں، اس کی تربیت حیاتِ انسانی کا سب سے عظیم نصب العین ہے۔ انسان جس قدر اس کے حصول کی کوشش کرتا جاتا ہے، اسی قدر وہ اس مرتبہ سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور ملکوتی صفات سے متصف اور جس قدر اس سے دور ہوتا ہے اتنا ہی حیوانیت میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

علامہ کے ان دونوں نظریوں کی بنیاد فلاسفۂ مغرب کے عظیم ترین نظریہ "ارتقا" پر مبنی ہے۔ وہ اپنے اس نظریہ ارتقا اور فوق البشر کی توجیہ خود ان الفاظ میں کر چکے ہیں۔

لیکن وہ (انسان) ابھی فرد کامل نہیں ہے مگر چہ فی الحال ایسے افراد کا وجود ہمارے تخیل کے علاوہ دوسری جگہ نہیں پایا جاتا لیکن انسانیت کا تدریجی نشوونما اس بات کی دلیل ہے کہ زمانۂ آیندہ میں افرادِ یکتا کی ایسی نسل پیدا ہوگی جو حقیقی معنی میں خلافت و نیابتِ الٰہیہ کی اہل ہوگی۔

اقبالؔ کا نظریہ تدریجی ارتقا اگرچہ بظاہر مغربی فلسفہ کے اثرات کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ برگساں اور نٹشے سے کہیں پہلے اسے مرشد کامل (رومی) کے یہاں دیکھ چکے تھے چنانچہ وہ ڈاکٹر نکلسن کے موسومہ خط میں لکھتے ہیں "وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکا یہی وجہ ہے کہ اس نے غلط بحث کر کے میرے انسانِ کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے میں نے آج سے تقریباً بیس سال قبل انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا اور یہ وہ زمانہ ہے جب نہ تو نٹشے کے عقاید کا غلغلہ میرے کانوں تک پہنچا تھا نہ اس کی کتابیں میری نظروں سے گذری تھیں" یہاں اقبالؔ کے فرد کامل اور نٹشے کے فوق البشر پر کوئی تاریخی بحث د نظر مقصود نہیں ہے بلکہ

جرمن مفکر اور ہندی مفکر کے نظریات پر تفصیلی نظر ڈالتا ہے۔

نیٹشے (Nietzsche) نے برگسان ہی کے تخلیقی ارتقاء سے اپنے فوق البشر کو اخذ کیا ہے۔ برگسان کا نظریہ تخلیقی ارتقاء حقیقتاً اس کے "فلسفہ تغیر" کی ایک اہم کڑی ہے جس پر اس کے تمام فلسفیانہ نظریات کی عمارت کھڑی ہے چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"حیات اپنی ترقی کی مناسبت سے بے شمار مظاہر میں رونما ہوتی ہے یہ مظاہر اپنے مشترکہ ماخذ کے لحاظ سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ   جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی (اقبال)

پھر بھی ایک دوسرے کے مخالف و متباین ہیں اسی وجہ سے انواع کا اختلاف بڑھتا ہی رہتا ہے بعض انواع کی ترقی مسدود ہو گئی ہے، بعض انواع رجعت کر رہی ہیں ارتقاء محض ایک استدراجی حرکت نہیں ہے۔ اکثر صورتوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حرکت مسدود ہو جاتی ہے مگر اس میں انحراف اور رجعت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ترقی ہو رہی ہے" (برگسان)

اقبال کے فرد کامل کی بنیاد بھی اسی تخلیقی ارتقاء پر ہے اس پر یقین رکھتے ہیں کہ "انسانیت کا تدریجی نشوونما اس بات کی دلیل ہے کہ زمانہ آیندہ میں افراد یکتا کی ایسی نسل پیدا ہوگی جو حقیقی معنوں میں خلافت و نیابت الٰہیہ کی اہل ہوگی" یہیں سے اقبال کے فرد کامل اور نیٹشے کے فوق البشر کے مباحث کا آغاز ہوتا ہے لیکن برگسان کے تخلیقی ارتقاء نیٹشے کے فوق البشر اور اقبال کے فرد کامل کے درمیان ایک اہم کڑی اور ہی ہے اور وہ فلاسفہ مغرب کا نظریہ حیاتیت (Vitalism) ہے جس کو اگرچہ مخصوص طریقہ سے برگسان کے تخلیقی ارتقاء نے روشناس کرایا مگر ڈاکٹر شیڈر، ہنیڈ مارگن بھی اس کی اشاعت میں کافی حصہ لے چکے ہیں۔ البتہ ان کا نقش نقش ثانی ہے۔

ہاں برگسان اپنے ان دونوں نظریوں کے ماحصل کو مربوط نہ کر سکا، اس کے تخلیقی ارتقاء اور نظریہ حیاتیت میں ایک زبردست بُعد ہے اس لئے کہ برگسان حیات کی غایت اور مقصدیت (Teleology) کو تسلیم نہیں کرتا یا عمداً اس کے نتیجہ سے گریز کرتا ہے لیکن نظریہ حیاتیت اس کے برخلاف حیات کو بے مقصد قرار نہیں دیتا بلکہ اس کا دعویٰ یہ ہے کہ حیات ارتقاء کے مدارج

طے کر رہی ہے اور اعلیٰ ترین منزل کی طرف جا رہی ہے نیٹشے برگساں کی طرح اس مضحکہ خیز غلطی میں نہیں پھنسا اس نے حیات اور تخلیقی ارتقا میں ربط پیدا کر سکے اس کی اس غایت کا جسے برگساں نامعلوم اور ناقابل علم کہہ چکا تھا پتہ لگا لیا وہ اس کی غایت فوق البشر (سپرمین) بتاتا ہے اس نے ارتقا کی اعلیٰ ترین منزل کا تعین کر دیا اور یہیں سے برگساں نیٹشے سے علیحدہ ہو جاتا ہے کہ نیٹشے کے فوق البشر اور اقبال کے فرد کامل کی بنیاد حیات کی مقصدیت ہے۔

اے کہ از تاثیرِ افیوں[1] خفتہ ای — عالمِ اسباب را دوں گفتہ ای

خیز واکن دیدۂ مخمور . . . . را — دوں مخواں ایں عالمِ مجبور را

حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد — جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد

نیٹشے کا فوق البشر

فوق البشر کے متعلق نیٹشے کوئی مستقل نظریہ قائم نہ کر سکا، پہلے وہ کہتا ہے کہ اس کا مصداق صرف ایک شخص بن سکتا ہے اور نپولین کو وہ فوق البشر تسلیم کر لیتا ہے اور کبھی وہ واگنر کو فوق البشر یا بنی آدم کا معلم اعظم سمجھتا رہا لیکن کچھ عرصہ بعد اس کے خیالات پھر بدل گئے اور ۱۸۸۱ء میں جب کہ اس کے اس نظریہ کی کافی اشاعت ہو چکی تھی اس نے فوق البشر کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا

"آج دنیا جب کہ خود غرض ہو گئی ہے لوگ خطا بیں اور عیب جیں ہو گئے ہیں اور افراد انسانی قعر مذلت میں جا گرے ہیں، جدید نمونہ انسانی، کے قیام کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ بہر کیف عہد حاضر میں ایسے تین نمونے موجود ہیں جو بہت دنوں تک آنے والی نسلوں کے لئے دلیلِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہوں گے، یہ تین نمونے، روسو، گیٹے اور شوپنہار ہیں اول الذکر میں جوش و حرارت بہت زیادہ ہے

---

[1] افیوں، متشائم فلسفہ حیات Pessimism جو تصوف کے ہاتھوں تمام عالم اسلام پر چھایا ہوا ہے

[illegible] لیپزگ میں ۱۸۱۳ء پیدا ہوا اور ۱۸۸۳ء میں وینس میں انتقال کیا وہ موسیقیت میں ماہر تھا مراد دو تا سا اس کے مداح و قدرداں تھے۔ اس کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ڈراموں کے راگ اور گیتوں میں اصلاح کی، واگنر کی موسیقیت نے نیٹشے کو اس کا مداح بنا دیا تھا اس لئے کہ نیٹشے عمر بھر موسیقیت کا شائق رہا۔

اور عوام کو قابو میں رکھنے کی قوت ہے۔ ثانی الذکر ان چند اشخاص کے لئے دستور العمل کا کام دے سکتا ہے جو درمیانہ انداز سے رہتے ہیں اور جن سے عوام کو بدظنی ہے، آخر الذکر اپنے متبعین سے سخت محنت و مشقت کا طالب ہے، اس لئے وہ صرف محنتی اور جفاکش اشخاص کے لئے مشعلِ راہ بن سکتا ہے اور ان لوگوں کے لئے نہیں جو سوچتے رہتے ہیں اور کرتے کچھ بھی نہیں"

لیکن وہ اپنے اس نظریہ میں زبردست مشکک ہے وہ اپنے مسلک کی تفصیل نہیں کرسکتا، کبھی وہ فوق البشر سے اعلیٰ شخصیت مراد لیتا ہے اور کبھی "اعلیٰ صنف" مراد لینے لگا، لیکن اقبال مشکک نہ تھے اس لئے ان کا فردکامل نیٹشے کے فوق البشر کا کامیاب تتبع نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے نظریوں میں ایک بنیادی مماثلت ہے اور بس!

علامہ اپنے فوق البشر کو ہمارے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ

نایبِ حق در جہاں آدم شود   بر عناصر حکم او محکم شود

علامہ چونکہ اسلام کے سچے پرستار تھے اس لئے برگسان یا نیٹشے کی طرح تردید مذہب کے ساتھ اپنے نظریوں کو پیش نہیں کیا ہے بلکہ مذہبی رنگ میں پیش کیا، خصوصاً فردکامل کا نظریہ اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ کی ایک زبردست صحیح عمل تفسیر ہے، حالانکہ نیٹشے بیانگ دہل کہہ رہا کہ "میں مسیحیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اس پر وہ بڑے سے بڑا جرم عاید کرتا ہوں جو ایک حاکم ایک ملزم پر عاید کرسکتا ہے، میں مسیحی مذہب کو دنیا کی سب سے بڑی بدکاری سمجھتا ہوں میرے نزدیک مسیحیت بہت بڑی لعنت، بہت بڑی ضلالت اور بہت بڑا انتقام ہے۔ (از نیٹشے)

نیٹشے کا فوق البشر اپنے اندر نسلی امتیاز رکھتا ہے، اقبال کا فوق البشر (فردکامل) اس نسلی امتیاز سے بہت دور ہے، وہ مخلوق کا سچا رہنما ہوگا، ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی تخصیص نہیں تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اس کا پیام اولیں ہوگا۔

اقبال اور نیٹشے کے فردکامل اور فوق البشر کے ظہور کے شرائط۔

علامہ کہتے ہیں کہ اس فوق البشر کے ظہور کی پہلی شرط یہ ہے کہ بنی نوع آدم جسمانی اور دماغی

دونوں پہلوؤں سے ترقی یافتہ بن جائیں، اسی لئے انھوں نے مختلف صورتوں سے قوائے عملی اور عقلی کو ابھارا ہے، ان کا فرد کامل سب سے پہلے دستور الٰہیہ (شریعت اسلام) کی اطاعت کامل کا درجہ طے کر کے شعورِ ذات اور ضبطِ نفس کے اعلیٰ درجہ پر متمکن ہوگا لیکن یہ فردِ کامل دستورِ الٰہیہ کی اطاعت کے بغیر شعور کامل کا حامل نہیں ہو سکتا، یہی شعورِ کامل اقبال کا نظریہ خودی ہے جس کی تشریح اقبال کی شاعری سے آئندہ اوراق میں نظر سے گذرے گی۔

نیٹشے کہتا ہے کہ موجودہ نسلِ انسانی سے ایک زبردست دل و دماغ والی امارت پسند جماعت پیدا ہونے والی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی اس جماعت سے ایک خاص یوروپین قوم نمودار ہوگی جو سربرآوردہ (Higherman) کہلائے گی، اس قوم سے ایک نئی صنف پیدا ہوگی جو فوق البشر کے نام سے موسوم ہوگی! ایک جگہ وہ کہتا ہے کہ "موجودہ نسلِ انسانی ہمارا نصب العین نہیں بلکہ اس کی اعلیٰ صنف یعنی فوق البشر ہے؟

"نوع انسان کی ایک بہترین اور قوی ترین صنف عالم وجود میں آئے گی جس کے خصوصیات و شرائط عامۃ الناس سے بالاتر ہوں یہی صنف فوق البشر ہوگی۔

"زبردست رہنماؤں اور ذی اختیار ہستیوں کے ہاتھ میں بنی نوع آدم کے خیالات و حسیات کی باگ ہونی چاہیے اگرچہ وہ ہمیشہ باہمی اختلاط و ارتباط کے ذریعہ سے ان شخصیتوں سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتے رہیں گے، یہ زبردست ہستیاں ایک اور افرادِ انسانی کو نیک اخلاق کے لئے عقلمند بنائیں گی اور فوق البشر کی آمد کے لئے راستہ صاف کریں گے، یہ درحقیقت فوق البشر تک پہنچنے کے زینے ہیں،، (از نیٹشے) اقبال اور نیٹشے کی اس اعلیٰ جماعت کے خصوصیات کیا ہوں گے؟ اقبال خود بتلاتے ہیں کہ فرد کامل یا نائب الٰہی دنیا میں انسانی ارتقا کی تیسری اور آخری منزل ہے، نائب (فرد کامل) اس زمین پر خدا کا نائب ہوتا ہے، وہ کامل خودی کا مالک اور انسانیت کا منتہائے مقصود ہے وہ دماغی اور جسمانی لحاظ سے حیات کا بہترین مظہر ہے"۔

پر دو در وسعتِ گردوں یگانہ (فرد کامل) نگاہِ او بہ شاخِ آشیانہ (آخری منزل)

مہ و انجم گرفتار کمند ش بدست او ست تقدیر زمانہ

نیٹشے کو بھی فوق البشر کی تلاش اسی لئے تھی کہ وہ اس خوش آہنگ نغمہ سے قوائے عملی میں ہیجان پیدا کر دے اور وہ اخلاقی اصلاح کا علمبردار بن کر آئے لیکن وہ اپنے فوق البشر کے ہاتھوں مسیحیت کو جو اس کے خیال کے بموجب شر و فساد کا سرمایہ ہے، برباد دیکھنا چاہتا ہے،

اقبال کا فوق البشر نیٹشے کے فوق البشر کا مماثل نہیں ہوگا وہ مذہبیت کا علمبردار اور خدا کا حقیقی نایب ہوگا، وہ اپنے فرد کامل کو ان صفات سے متصف دیکھنا چاہتے ہیں جو اِنّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی حقیقی تفسیر کا مصداق ہو۔

فوق البشر کی حقیقت!

بظاہر اقبال کا فرد کامل اور نیٹشے کا فوق البشر مماثل نظر آتا ہے اس لئے کہ مقصدیت میں دونوں متحد ہیں لیکن جیسا کہ سابق میں ثابت کیا جا چکا اور خود علامہ فرما چکے ہیں وہ جرمن فلاسفہ کے متبع ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نظریہ حیات، خودی اور عمل کی تعلیمات کے لئے نیٹشے کی طرح اس نظریہ کو پیش کرنے کے لئے مجبور تھے اقبال کا نظریہ خودی اور پیام عمل حقیقت میں اسی کے پس منظر ہیں، اقبال کے یہاں تدریجی مراتب کمال یا کمالِ انسانیت کا آخری مرتبہ فوق البشر (فرد کامل) ہے، ان کے یہاں پہلے عمل، اس کے بعد خودی اور اس کا آخری مرحلہ فرد کامل ہے! وہ دفعتاً سوتی ہوئی قوتوں اور عقلوں کو "فوق البشر" کے بلند آہنگ نغمہ سے ... جھنجھوڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ انھوں نے آہستہ آہستہ اپنے اس مضراب کو سازِ عمل سے ملایا تاکہ اس سے ہمارے فہم و فکر کی ہم آہنگی ہو سکے چنانچہ علامہ مرحوم کے افکار عالیہ کا معتد بہ حصہ اسی نظریہ کا سرمایہ دار ہے: ان کی یہ مشہور نظم "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے" اسی فرد کامل کے بعض اختیارات کی ترجمان ہیں

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۲)

اس موقعہ پر روہیلوں کو شاندار فتح ہوئی بکثرت مال و اسباب ہاتھ لگا جس سے امارت و شوکت کے تمام سامان مہیا ہو گئے۔ شاہ آباد۔ مراد آباد۔ سنبھل پرگنہ بریلی اور پیلی بھیت کا کل علاقہ روہیلوں کے تصرف میں آیا۔ نواب علی محمد خاں نے حافظ صاحب کو پیلی بھیت اور مراد آباد دوندے خاں کو جاگیر میں دیا۔ وزیر اعظم قمر الدین خاںؒ نے مصلحت وقت کا لحاظ کر کے تمام اضلاع کٹھیر کی گورنری کا پروانہ نواب علی محمد خاں کو بھجوا دیا۔

اب نواب ایک عظیم الشان ریاست کے مالک تھے، حافظ الملک حافظ رحمت خاں عالم و فاضل اور مرد میدان دیوان کل۔ سردار خاں کمال زئی اور شیخ سعادت اللہ بدایونی بخشی الممالک محمد سعادت اللہ خاں بہادر کے لقب سے بخشی فوج تھے راجہ مان رائے دیوان کل کے پیشکار اور راجہ کلیان چند دیوان سلطنت و ولاسا[1] خزانچی راجہ بخت مل چودھری چکلہ دار ملا محسن خاں امان زئی، نواب دوندے خاں۔ بشارت خاں۔ بائندہ خاں اکوزئی، خان زادہ کاظم خاں، شیدا جنگ صدر خاں، عبد الستار خاں، پرمول خاں وغیرہ اپنے وقت کے رستم ارکان حکومت سے تھے۔

---

[1] نواب دوندے خاں صہ [2] ایضاً صہ

حکما میں سید احمد گیلانی۔ حکیم فیض محمد۔ مولوی سید دائم دور دور کے طبیب نوابی دربار سے منسلک تھے۔

درویشوں میں سید محمد معصوم نو محلے والے، سید حسن شاہ ابن علی شاہ مصاحب نواب کے تھے۔

روہلکھنڈ کی اس سلطنت یا حکومت کے دبدبہ اور جلال کے ڈنکے ۱۷۷۴ء تک اقصائے ہند میں بجتے رہے۔

آخرش نواب نے ۱۷۹۳ء میں انتقال کیا اس کے جانشین نواب سعد اللہ خاں ہوئے عبداللہ خاں نواب فیض اللہ خاں بڑے صاحبزادے تھے

نواب دوندے خاں

دوندے خاں ابن حسن خاں یوسف زائی روہیلہ پٹھان تھے حافظ الملک حافظ رحمت خاں والی روہیلکھنڈ کے حقیقی چچازاد بھائی اور نواب نجیب الدولہ کے خسر تھے ابتدائی جوانی کا زمانہ وطن تور شہامت پور میں بسر ہوا داؤد خاں متبنیٰ شاہ عالم خاں نے کٹیر میں بڑے علاقہ پر قبضہ کیا اکثر افغان ان کے پاس آتے یہ بھی اس قافلہ میں تھے داؤد خاں نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور اپنے رفقا میں داخل کیا۔ ان کے انتقال کے بعد متبنیٰ علی محمد خاں تھے جن کو نواب عظمت اللہ خاں حاکم مرادآباد سے داؤد خاں کی جائیداد پر متصرف ہونے کی اجازت دلوائی علی محمد خاں کے ساتھ کچھ عرصہ رہے لیکن ان کے اعزاز و مرتبہ کے یہی باعث تھے اپنے چچازاد بھائی حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو وطن سے بلوایا۔ تینوں سرداروں کی قیادت میں روہیلکھنڈ کا بڑا حصہ تھا۔ روہیلوں اور بنگشوں کی جنگ کے بعد ۱۷۵۰ء میں تحصیل بیسولی کا علاقہ نواب دوندے کی جاگیر میں آگیا۔ جنگ پانی پت میں نواب نے بڑے کارہائے نمایاں کئے اختتام پر شاہ درانی نے عزت الدولہ دلاور الملک بہرام جنگ سے سرفرازی بخشی خلعت و اسپ نوبت و علم عطا

شکوہ آباد بطور جاگیر کے عطا کیا ۱۸۰۲ء میں نواب دوندے خاں نے عارضہ صرع میں مبتلا ہو کر کافی عرصہ علیل رہنے کے بعد اپنے دار الحکومت بسولی میں انتقال کیا۔

احمد شاہ درانی

احمد شاہ درانی محمد زماں خاں مسدوزئی کا خلف ارشد تھا۔ محمد زماں خاں افغانستان کے ابدالی گروہ کا سردار تھا۔

ابدالی پٹھان شاہ عباس اول صفوی کے حکومت (۹۹۶ھ تا ۱۰۳۸ھ) میں اپنے اصلی وطن سے جو قندھار کے قریب تھا اور غلزئی پٹھان اس پر قابض اور متصرف ہو گئے تھے ہرات میں آکر آباد ہوتے تھے اس ابدالی گروہ کا ایک خیل تھا پوپل زئی جو باہمی جھگڑوں سے جلا وطن کر کے ہرات سے ملتان میں پہنچا دیا گیا۔

۱۱۲۸ھ (۱۷۱۶ء) کے قریب یہ لوگ پھر ہرات میں نظر آئے جب کہ ابدالی گروہ کے اندرونی خیلوں میں ایک جھگڑا پیدا ہوا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ ابدالیوں کے سردار عبد اللہ خاں کو محمد زماں خاں نے موقعہ پاکر تلوار کے گھاٹ اتارا اور خود بلا شرکت غیرے سارے گروہ کا سردار بن گیا اور چونکہ منتظم اور بہادر شخص تھا اس لئے اس کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ابدالی پٹھان سارے خراسان میں پھیل گئے اور ۱۱۳۴ھ میں ان کی قوت و شوکت اس درجہ کو پہنچ گئی۔ انھوں نے مشہد مقدس کا محاصرہ کر لیا اس محاصرہ کے زمانہ میں احمد خاں (احمد شاہ درانی) پیدا ہوئے عبد اللہ خاں کا بیٹا الہ یار خاں جو باپ کے قتل کے بعد ملتان بھاگ آیا تھا ہرات واپس آیا اور کچھ ایسے واقعات رونما ہوتے کہ الہ یار خاں سردار زماں خاں کا جانشین قرار دیا گیا۔

۱۱۴۱ھ (۱۷۲۸ء) میں جب شاہ نادر نے خراسان پر چڑھائی کی تو الہ یار خاں نے اس کی اطاعت قبول کر لی لیکن زماں خاں کے بیٹوں ذو الفقار خاں اور احمد خاں نے سرکشی کی ۱۱۴۳ھ میں نادر شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور ابدالیوں کی قوت بالکل پاش پاش ہو گئی اُن کے بہت سے سردار اور خاص لوگ

جلاوطن کئے گئے جو ملتان جانے پر مجبور ہوئے۔ ملتان جاتے وقت اثنائے راہ میں دونوں بھائی ذوالفقار خاں اور احمد خاں قندھار کے قریب غلزائی پٹھانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔"

۱۱۵۰ھ ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے قندھار پر حملہ کر کے اپنے تصرف میں لایا۔ یہ دونوں بھائی رہا ہوئے، نادر شاہ ان کے عادات و اطوار سے بے حد خوش ہوا اور ان پر مہربانی کرنے لگا غلزئیوں کی طاقت کو پائمال کر کے ان کے آبائی وطن میں ہی آباد کیا بلکہ وہاں کا حاکم بنا دیا اور ان کے ہم قبیلہ ابدالیوں کو فوج میں بھرتی کیا احمد خاں کی شجاعانہ سرگرمی دیکھ کر مازندران کا حاکم کر دیا جہاں احمد خاں نے تھوڑے عرصہ میں وہ کارہائے نمایاں کئے نادر حسن انتظام سے خوش ہو گیا اور ایک دن کہنے لگا احمد خاں آثار اور قرینہ یہ ثابت کر رہا ہے کہ تو میرا جانشین ہوگا تجھ سے آج التجا کرتا ہوں مری اولاد کی پاسداری ہر حالت میں ملحوظ رکھیو۔ احمد خاں نے کہا بادشاہ ذی جاہ اگر میرا سر تن سے جدا کرنا ہے تو یہ حاضر ہے ایسی باتیں کیوں ارشاد فرماتے ہیں جس کا امکان نہیں اور بڑے مصائب کا پیش خیمہ ہو شاہ نادر مسکرا دیا اور کہا احمد خاں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم دیکھو گے وہ سب تمہارے سامنے آئے گا۔

ہندوستان سے واپس نادر ہوا ہے کچھ واقعات ایسے پیش آئے اندرونی مخالفت پیدا ہو گئی، شیعہ سنی تصفیہ نے ۱۱۶۰ھ میں اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

احمد خاں وہاں سے قریب تھا جہاں ابدالیوں نے نادر کی شمع حیات گل کی تھی ان کی فوج خزانہ لے جا رہی تھی احمد خاں نے انتقام میں اس کو جا لیا فوج کو تباہ کر ڈالا اور خزانہ کو قبضہ میں لایا یہ دن تھا کہ وہ ایک دولت مند امیر بن گیا مع اپنے افغانی فوج کے مازندران سے افغانستان کی راہ لی اور پہنچتے ہی بغیر کسی مزاحمت کے قندھار پر قابض ہو گیا۔

یہاں ایک ولی کامل رہتے تھے جن کا نام صابر شاہ تھا انھوں نے ابدالی سرداروں کو بلا کر ان سے کہا تم لوگ احمد خاں کی اطاعت کرو اور اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرو تاکہ تم لوگ سربلندی دنیا میں حاصل کرو آخرش سرداروں نے اپنا بادشاہ منتخب کیا اور تاج شاہی سر پر احمد خاں کے رکھا اور احمد شاہ خطاب دیا اس کے بادشاہ بنانے میں ابدالیوں کے ساتھ دیگر قبائل ہزارہ کے شیعہ قزلباش بھی شریک تھے۔

(باقی آئندہ)

مسلمانوں کے سوچنے کی بات

از

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

تقسیم ہند کے بنیادی اسباب میں سے ایک اہم سبب بیشتر رہنمایانِ وقت کا یہ خیال بھی تھا کہ اس طرح اس برصغیر سے فرقہ وارانہ مسائل مفقود ہو جائیں گے اور اگر بفرضِ محال یہ مسائل باقی بھی رہیں گے تو کم از کم انھیں ملک کی سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات میں کچھ زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکے گی۔ مگر گذشتہ چار سال کے تجربات سے یہ افسوسناک حقیقت ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مسائل نہ صرف باقی ہی ہیں بلکہ روز بروز پیچیدہ تر بھی ہوتے جا رہے ہیں اور اگر ہم اپنے لئے دنیا کی معزز اور ممتاز اقوام کی صف میں کوئی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی قومی زندگی کو ان مسائل سے قطعاً پاک کر دینا پڑے گا۔

یہاں اس بات کو چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جس مسئلہ کو فرقہ وارانہ مسئلہ کے الفاظ سے موسوم کیا جاتا ہے وہ دراصل ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات کا مسئلہ ہے اور تقسیم ہند کی بدولت اسی مسئلہ کے حل ہو جانے یا غیر اہم بن جانے کی توقع تھی لیکن آج تقسیم ہی کی بدولت اس نے غیر معمولی اہمیت اور پیچیدگی اختیار کر لی ہے اور اس معاملہ کا تاریک ترین رخ یہ ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس میں بھی جو اصولی طور پر فرقہ پرستی کی مخالف ہی نہیں بلکہ آج ملک کے نظم و نسق کی ذمہ دار بھی ہے گذشتہ چار سال کی مدت میں کچھ ایسے عناصر شامل ہو گئے ہیں جن کی موجودگی آج کے مقابلہ میں کل کانگریس کے اصول اور ملک کی عمومی ترقی کے لئے زیادہ نقصان رساں ثابت ہو سکتی ہے ملک کے بہی خواہ

رہنما گذشتہ چند سال سے اس صورت حال کی بدولت غیر مطمئن اور پریشان رہے ہیں اور اسی لئے پنڈت
جواہر لال نہرو نے کانگریس کی صدارت کی ذمہ داری قبول کر کے وہ قدم اٹھایا ہے جو وہ عام حالات میں اٹھانے
کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے ۔

کانگریس کی زمام قیادت پنڈت نہرو کے ہاتھوں میں چلے جانے کے بعد ایک جانب تو اقلیتوں اور
خصوصاً مسلمانوں کے مابین احیار اعتماد ہو رہا ہے دوسری طرف کانگریس کی منتشر قوتیں مجتمع ہوتی جارہی ہیں
اور تیسری طرف اس امر کا امکان پیدا ہوتا جارہا ہے کہ آئندہ انتخابات عمومی میں کانگریس کے نام پر جو امیدوار
حصہ لیں انہیں سے بیشتر امیدوار زبان ہی سے نہیں بلکہ عمل سے بھی کانگریس کے اصول کی حمایت کریں گے
لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انھیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو جانا چاہیئے کہ ہندوستان میں
ان کا وجود صرف پنڈت نہرو ہی کی ذات کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس قسم کی غلط فہمی ان کی خود اعتمادی کو
زائل اور ہندوستان کے اکثریت والے فرقہ کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات کو درہم و برہم کر دے گی اور
اگر کبھی پنڈت نہرو برسر اقتدار نہ آسکیں گے تو اس وقت یا تو مسلمان خود کو اس ملک میں بے یار و مددگار
محسوس کرنے لگے گا یا پھر اسے ترک وطن کی اپنی علاوہ ذہنی پریشانی کا کوئی اور علاج نظر نہ آئے گا اور
اس طرح فرقہ پرست عناصر کا وہ مقصد پورا ہو جائے گا جسے پورا کرنے کے لئے وہ گذشتہ چار سال
سے برابر جد و جہد کرتے رہے ہیں ۔

اس کے برعکس ہندوستانی مسلمانوں کو جو بات مدنظر رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں ان کا
حال اور مستقبل کے ساتھ وابستہ ہے جو شر و فساد کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں لیکن چونکہ بعض مخصوص
حالات اور واقعات کے باعث چند سال قبل ان امن پسند کشادہ دل اور غیر متعصب عوام کی قوت و
طاقت مضمحل ہو گئی تھی اس لئے اس ملک میں وہ المناک واقعات رونما ہوئے جن کا تذکرہ تو کیا تصور بھی
انسان کو لرزہ براندام کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن اب ان طاقتوں کا اضمحلال دور ہوتا جارہا ہے اور اگر
ہم اس ملک میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا اور ترقی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان قوتوں کو قوی بنانا چاہیئے مختصر
یہ کہ کروڑوں انسانوں کے تحفظ اور ترقی کو کسی ایک فرد کی ذات کے ساتھ وابستہ کر دینا دانشمندی نہیں

کیونکہ اگر کبھی وہ ذات ان لوگوں کے درمیان موجود نہیں ہوتی تو پھر راستہ بھول جاتے ہیں، ان کے دلوں پر یاس و ناامیدی مسلط ہو جاتی ہے اور وہ خود کو اس لشکر کی طرح محسوس کرنے لگتے ہیں جس کا سپہ سالار اسے چھوڑ کر چلا گیا ہو اور اگر خدا نخواستہ کبھی مسلمانوں کو اس ملک میں ایسی صورت حالات سے دوچار ہونا پڑا تو ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار تر ضرور ہو جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ پنڈت نہرو ایک انصاف پسند، غیر متعصب ملک میں حقیقی غیر مذہبی جمہوریت کے قیام کے خواہشمند ہیں حق گو رہنما اور وزیر اعظم ہیں اور جب تک ملک کی زمام قیادت و حکومت ان کے ہاتھوں میں رہے گی مسلمانوں کو کسی قسم کی بے انصافی کا اندیشہ لاحق نہ ہو سکے گا اس لئے ہماری کوشش یہی ہونی چاہئے کہ ہندوستان کے کروڑوں امن پسند اور منصف مزاج غیر مسلم عوام کی امداد سے پنڈت جی کے ہاتھوں کو مضبوط تر بنائیں اور ان کی قوت و طاقت میں اضافہ کے لئے وہ طریقہ کار اختیار کریں جس کی بدولت پنڈت نہرو کے کاز اور اصول کو مقبولیت اور تقویت حاصل ہو سکے اور خیالات و عمل کے اعتبار سے اس ملک میں بے شمار نہرو پیدا ہو جائیں۔ اور جب تک ہندوستان کا مسلمان معاملہ پر اس زاویہ نظر سے غور نہیں کرے گا۔ وہ اپنے مستقبل کو غیر متیقن اور غیر متعین ہی محسوس کرتا رہے گا۔

ادارۂ اقوام متحدہ اور ایران و مصر — ہندوستان کی داخلی سیاست کے مذکورہ بالا اہم تغیر کے علاوہ گزشتہ ایک ماہ کی مدت میں کرۂ ارض کے دوسرے گوشوں میں بھی بعض اہم واقعات رونما ہوئے ہیں مثلاً برطانیہ نے ایرانی تیل کے چشموں کے سلسلہ میں اپنے اور ایران کے اختلافات کا مسئلہ ادارۂ اقوام متحدہ کے روبرو پیش کر دیا ہے۔ اور مصر نے اس بات کا عزم کر لیا ہے کہ وہ ۱۹۳۶ء کے معاہدہ مصر و برطانیہ نیز ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کو مسترد کر دے گا جو سوڈان پر مشترکہ حکومت قائم رکھنے کے سلسلہ میں اس کے اور برطانیہ کے مابین ہوا تھا۔

جہاں تک مصر اور برطانیہ کے تنازعہ کا تعلق ہے۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ مصر اب نہر سوئز نیز سوڈان پر برطانوی سیادت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور اگر مغرب کے

ادعائے جمہوریت پسندی میں صداقت کا کوئی شائبہ بھی موجود ہے تو اسے مصر کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہیئے۔ لیکن حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ برطانیہ مصر کے مذکورہ بالا مطالبہ کو تسلیم نہیں کرے گا۔ اور جب مصر باقاعدہ طریقہ پر ان معاہدات کی تنسیخ کا اعلان کر دے گا تو اس مسئلہ کو بھی مجلس تحفظ کے رُوبرو پیش کیا جائے گا۔

اس وقت تک ادارہ اقوام متحدہ کے رُوبرو دنیا کے جس قدر پیچیدہ مسائل پیش کئے جا چکے ہیں۔ وہ ان میں سے بیشتر مسائل کو حل کرنے میں ناکام ثابت ہوا ہے۔ اور اگر اس نے کسی مسئلہ کو حل بھی کیا ہے تو اس کے فیصلوں کا رُجحان مستعمرین مغرب کی طرف رہا ہے اس لئے اگر کسی مرحلہ پر مصر اور برطانیہ کے تنازعہ کو بھی اس کے روبرو پیش کیا گیا تو اس امر کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنا فیصلہ مصر کے حق میں صادر کر سکے گا اور آج ایران اور برطانیہ کے اختلافات کا جو مسئلہ مجلس تحفظ کے زیر غور ہے، اس میں بھی مجلس تحفظ کی حمایت برطانیہ ہی کو حاصل رہے گی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا مصر اور ایران مجلس تحفظ کے ایسے فیصلوں کو تسلیم کرلیں گے جو کسی طرح بھی قومی آزادی اور جمہوریت کے مطابق نہیں ہو سکتے؟ اور اس کا جواب یہ ہے کہ مصر اور ایران ہی نہیں بلکہ مشرق کا کوئی ملک بھی اب مستعمرین مغرب کی سیادت اور حکومت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور اگر مجلس تحفظ نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا، تو اس کا نتیجہ اس کے علاوہ اور کچھ برآمد نہیں ہو سکتا کہ ادارہ اقوام متحدہ ہی کی بدولت جو اقوام عالم کو متحد کرنے اور انھیں جنگ و جدل کی راہ پر چلنے سے رُوکنے کے لئے قائم کیا گیا تھا دنیا دو معاند گروہوں میں منقسم ہو جائے گی اور حاکم و محکوم یا پھر یوں کہیئے کہ قیام سیادت و حکومت کے خواہشمندوں اور ان کے مخالفین کے ما بین تصادم ناگزیر ہو جائے گا۔

ادبیات

پابندِ ہوس رتبۂ تسلیم و رضا دیکھ

از

(جناب الم مظفر نگری)

دیوانۂ تاثیر نہ ہو محوِ دعا دیکھ — محرومیِ جاوید ہے الفت کا صلا دیکھ

جو غنچہ تھا وہ گل ہے جو گل تھا وہ چمن ہے — پابندِ ہوس رتبۂ تسلیم و رضا دیکھ

بے مہریِ یارانِ چمن سے نہ ہو بیدل — کچھ روز ابھی اور گلستاں کی ہوا دیکھ

ہے شاخِ نشیمن پہ تصرف بھی غنیمت — شبنم کے تحمل کو سرِ خار ذرا دیکھ

اک مرکزِ فتنہ ہے یہ بازیچۂ عالم — تو غور سے نیرنگیِ ہر صبح و مسا دیکھ

ساقی نہیں بے وقت یہ رندوں کے تقاضے — موسم کے اشاروں کو سمجھ ابر و ہوا دیکھ

لایا ہے تجھے وقت پہ ہر پردے سے باہر — یہ ذوقِ تماشا مرا اے جلوہ نما دیکھ

پاکیزگیِ دل کو بچا ذہن و نظر سے — نزدیکِ خرد حیرتِ عشق نہ جا دیکھ

رہنے دے یوں ہی داغِ محبت کو فروزاں — اس پھول کے شعلوں کو نہ اشکوں سے بجھا دیکھ

ہم رنگِ گل و شمع نہ گریاں ہوں نہ خنداں — ہے میری خموشی مرا پیغامِ وفا دیکھ

ہیں نالۂ مظلوم سے لبریز فضائیں — اک درد کی ہے موج ہر اک موجِ ہوا دیکھ

کانٹے رہِ منزل کے سنبھلنے نہیں دیتے — یہ وقت سہارے کا ہے اے لغزشِ پا دیکھ

ہے شیشۂ دل مرکزِ انوارِ حقیقت

آتا ہے الم اس میں نظر عرشِ خدا دیکھ

غزل

(جناب بسمل شاہجہاں پوری)

کیا کہیں دنیا میں کیا ہوتا ہے کیا ہوتا نہیں
ان سے پوچھو جن کا کوئی آسرا ہوتا نہیں

جادۂ مستی میں ہے اک لغزشِ پا مغتنم
ہر کس و ناکس سے یہ سجدہ ادا ہوتا نہیں

تم وفاداری کا کب تک ہم سے مانگو گے ثبوت
کوئی اپنوں سے تو یوں ناآشنا ہوتا نہیں

چشمِ لالہ خوں فشاں، پیراہنِ گل تار تار
جب بہار آتی ہے گلشن میں تو کیا ہوتا نہیں

اب تجسس کی حدوں سے بھی نکل آیا ہوں میں
دیکھنا ہے کیسے دیدار آپ کا ہوتا نہیں

رنجشِ بیجا سہی ایک واسطہ قائم تو تھا
کیا خطا مجھ سے ہوئی جو تو خفا ہوتا نہیں

اب تجھے میں کیا کہوں اے وسعتِ دیر و حرم
ایک سجدہ بھی بقدرِ شوق ادا ہوتا نہیں

خونِ دل، خونِ جگر، خونِ وفا، خونِ امید
بسمل ان کی محفلِ رنگیں میں کیا ہوتا نہیں

دردِ دو عالم اک دلِ انساں

(جناب انور صابری)

عشق مکمل خوابِ پریشاں
حسن ہمہ تعبیرِ گریزاں

عشق بہ ہر اندازِ تجلی
لرزاں لرزاں رقصاں رقصاں

حسن حضورِ اہلِ محبت
تمکنت و تقدیس پشیماں

عشق برنگِ شعلہ و شبنم
سوزشِ پنہاں اشکِ نمایاں

حسن شبابِ دلکش و رنگیں
روحِ گلستاں جانِ بہاراں

قطرہ میں دریا کی سمائی
دردِ دو عالم اک دلِ انساں

میری نگاہِ شوق میں انور
عشق فسانہ حسن ہے عنواں

تبصرے

"نگار" کا جولائی نمبر "۵۵ سال کے بعد" مترجم مسعود جاوید۔ قیمت ۱۲ / ملنے کا پتہ: نگار بک ایجنسی۔ لکھنؤ۔

"۵۵ سال کے بعد" ہڈکن کی مشہور کتاب THE BEST years (بہترین سال) کا آزاد ترجمہ ہے۔ مسعود جاوید صاحب نے ضروری خدمت و اضافہ کے ساتھ ترجمہ کو مستقل تصنیف کی صورت دے دی ہے، اور دراصل ترجمہ کی خوبی یہی ہے۔

ہڈکن نے زندگی کی بعض مستقل قدروں پر ایک کاری ضرب لگائی ہے اور ذہنی دنیا میں ایک زبردست انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اب تک عہد پیری بیچارگی اور معذوری سے تعبیر رہا ہے۔ یہی سمجھا جاتا ہے کہ بڑھاپا انتظار مرگ کے لئے ہے اس عمر کو پہونچ کر انسان عملی دنیا سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور اپنے گرد ایک خشک ماحول پیدا کرکے زندگی کی گھڑیاں گنا کرتا ہے ہڈکن نے اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ انسان کی اپنی زندگی ۵۰ سال کے بعد شروع ہوتی ہے اس سے پہلے انسان سماج یا دوسروں کے لئے جیتا ہے اور اس کو اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ۵۰ سال کے بعد وہ وقت آتا ہے جب انسان اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل کرسکتا ہے اور اس طرح وہ نئی امنگوں کے ساتھ ایک نئی زندگی میں قدم رکھتا ہے۔

یہ کتاب نہ صرف بوڑھوں کے لئے "پیام زندگی" ہے بلکہ نوجوانوں کے لئے بھی مشعل راہ ہے

اصول دعوت اسلام از مولانا محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ تقطیع خورد ضخامت ۹۶ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ / ایک روپیہ دو آنہ پتہ: ادارۂ دعوت الحق حیدرآباد دکن

یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں بڑی جامعیت اور خوبی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے متعلق جتنے

پہلو ہو سکتے ہیں ان سب پر بحث کی گئی ہے یعنی یہ کہ تبلیغ کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ کن چیزوں کی تبلیغ کی جا سکتی ہے - اسلام ہی صرف ایک تبلیغی مذہب ہے مسلمانوں نے اس غرض کو کس کس طرح انجام دیا ہے مبلغ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیئے اور جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مختلف احوال وظروف کے اعتبار سے مبلغ کو کن باتوں کی رعایت کرنی چاہیئے غرض کہ یہ کتاب مبلغین کے لئے ایک عمدہ اور مکمل دستور العمل کا کام دے سکتی ہے؟ امید ہے کہ علما اور طلبا اس کا مطالعہ کر کے فائدہ حاصل کریں گے۔

حیات فخر از مولانا محمد احتشام الحسن کاندھلوی تقطیع خورد ضخامت ۳۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ: - کتب خانہ انجمن ترقی اردو - جامع مسجد دہلی - اس مختصر کتاب میں حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات ان کے علمی اور باطنی کمالات - علم کے شوق میں سفر وقت کے ائمہ فن اور ارباب کمال سے ملاقات اور سلطنتوں سے تعلقات وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور امام صاحب پر بعض لوگوں نے جو نکتہ چینی کی ہے اس کے جوابات دیئے گئے ہیں سلطان شہاب الدین غوری سے امام صاحب کے تعلقات کے سلسلہ میں لائق مصنف نے لکھا ہے کہ سلطان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی اور وہ چونکہ خود اس کا انتظام کر نہیں سکتا تھا اس لئے اس نے امام صاحب سے روپیہ قرض مانگا اور امام صاحب نے دے دیا اس احسان کی وجہ سے سلطان امام صاحب کا ہمیشہ زیر احسان رہا - یہاں تک کہ فتح دہلی کے بعد امام صاحب نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا - ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ روایت کہاں تک قابل اعتبار ہے؟ ظفر الوالہ بمظفر وآلہ کے مصنف حاجی الدبیر نے سلطان کے حالات میں نقل کیا ہے کہ سلطان کو امام رازی سے بے حد عقیدت اور ارادت تھی امام صاحب اکثر سلطان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور ہر جمعہ کو محل شاہی میں وعظ کہتے تھے جس میں سلطان پابندی سے شریک ہوتا تھا اور امام صاحب کے وعظ کا یہ اثر ہوتا تھا کہ سلطان برابر دوران وعظ میں روتا رہتا تھا یہ روایت زیادہ قرین قیاس ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے ساتھ سلطان کو ان کے علم وفضل

کی وجہ سے غایت درجہ عقیدت اور ارادت تھی نہ یہ کہ مالی اعتبار سے احسان مند ہونے کے باعث وہ امام صاحب کا زیادہ خیال رکھتا تھا بہرحال کتاب دلچسپ اور مفید ہے اور زبان و بیان بھی دلکش اور موثر ہے۔

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان۔ دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے۔ قیمت چھ روپے آٹھ آنے ۶؍ مجلد سات روپے آٹھ آنے ۷؍

اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ چوتھا ایڈیشن۔ قیمت صہ مجلد ؎

اسلام کا نظام مساجد۔ قیمت ؎ مجلد للعہ

مسلمانوں کا عروج و زوال:۔
جدید ایڈیشن۔ قیمت للعہ مجلد صہ

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ
لغت قرآن پر بے مثل کتاب۔ جلد اول طبع دوم
قیمت للعہ مجلد صہ
جلد ثانی قیمت للعہ مجلد صہ
جلد ثالث قیمت للعہ مجلد صہ
جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظیم الاسلامیہ کا ترجمہ۔ قیمت للعہ مجلد صہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
جلد اول:۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب
قیمت چار روپے للعہ مجلد پانچ روپے صہ
جلد ثانی:۔ قیمت چار روپے للعہ مجلد پانچ روپے صہ

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر محققانہ کتاب۔ قیمت ۶ مجلد ؎

ترجمان السنہ جلد اول۔ ارشادات نبوی کا بے مثل ذخیرہ۔ قیمت للعہ مجلد للعہ

ترجمان السنہ جلد دوم۔ اس جلد میں چھ سو کے قریب حدیثیں آگئی ہیں۔ قیمت لعہ مجلد للعہ

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشہائے سفر قیمت ؎

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات
قرون وسطیٰ کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے
جلد اول۔ قیمت ؎ مجلد ؎
جلد دوم قیمت ؎ مجلد ؎

عرب اور اسلام:۔
قیمت تین روپے آٹھ آنے ؎ مجلد چار روپے آٹھ آنے للعہ

وحی الٰہی
مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے۔
جدید ایڈیشن۔ قیمت ؎ مجلد ؎

منیجر ندوۃ المصنفین۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی

REGISTERED No E.P.10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ **محسنِ خاص** جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ **محسنین** جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا۔

۳۔ **معاونین**:۔ جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقۂ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ "برہان" (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ **احبّاء** نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلا قیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

مرتب

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے۔
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمایئے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی کئے گئے ہیں قیمت سے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت مفید ہے۔ اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۲؍

خلافتِ راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ) عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا دل پذیر بیان قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۲؍

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ) قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ) قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا پانچواں حصہ) قیمت ۱۲؍ مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ) مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰ قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ (زیر طبع)

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو ازسرنو مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۲؍

غلامان اسلام اسّی سے زیادہ غلامانِ اسلام کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۲؍

اخلاق و فلسفۂ اخلاق علم الاخلاق پر ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۲؍، مجلد ۱۲؍

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات و واقعات تک۔ قیمت سے، مجلد ۱۲؍

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰؑ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت سے مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد سے

برہان

جلد بست و ہفتم — شمارہ نمبر ۵

نومبر ۱۹۵۱ء مطابق صفر المظفر ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نظرات

ماہ گذشتہ میں یہ خبر ہندا ور پاکستان میں خصوصاً اور دوسرے ملکوں میں عموماً نہایت دکھ اور رنج کے ساتھ سنی گئی کہ پاکستان کے وزیر اعظم جناب لیاقت علی خاں ۱۶ راکتوبر کی شام کو ۴ بجے کے قریب راولپنڈی میں ایک عظیم اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے بڑی سفاکی اور بے دردی کے ساتھ شہید کر دیے گئے۔ انا للہ! بعض لوگ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کی طبعی صلاحیتیں اور فطری خوبیاں کوئی مناسب ماحول نہ ملنے کی وجہ سے گوشۂ خمول وگمنامی میں پڑی سوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ عمر کا ایک طویل حصہ اسی طرح بسر ہو جاتا ہے لیکن پھر یکایک کوئی مناسب ماحول پیدا ہوتا ہے اور ان صلاحیتوں کے ظہور در بروئے کار آنے کے مواقع پیدا ہوتے ہیں اور وہی شخص جسے کم آدمی جانتے تھے ایک دن صبح کو اٹھتا ہے تو فضا اس کی شہرت و ناموری کی داستانوں سے معمور نظر آتی ہے۔ شہید مرحوم بھی اسی قسم کی ایک عظیم شخصیت کے انسان تھے وہ یوپی کے ضلع مظفر نگر کے ایک معمولی سے قصبہ میں پیدا ہوئے الٰہ آباد اور علی گڈھ میں تعلیم پانے کے بعد ولایت چلے گئے وہاں سے آکر اگرچہ وہ نوکری بڑی سے بڑی کر سکتے تھے لیکن ان کی طبیعت کو اس سے میل نہ تھا۔ قوم کی خدمت کا جذبہ شروع سے رکھتے تھے۔ لیکن مزاج میں انقلاب پسندی اور ہنگامہ آفرینی بالکل نہ تھی اس لئے حصول آزادی کی ان تحریکوں سے الگ رہے جن سے وابستگی حکومت وقت کے خلاف غیر قانونی بغاوت وسرکشی کے ہم معنی سمجھی جاتی تھی اور آئینی طریقہ پر ملک اور قوم کی خدمت کی راہ پر گامزن ہو گئے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ ایک طرف آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے وابستہ رہے اور دوسری جانب یوپی کونسل میں قومی نقطۂ خیال کی وضاحت و ترجمانی کرتے رہے اس حیثیت سے ان کی شہرت یو۔پی کے ایک مخصوص تعلیم یافتہ طبقہ کے دائرہ میں محدود رہی جس میں وہ نواب زادہ کے لقب سے معروف تھے اس کے بعد انھوں نے بہت ترقی کی تو ایک طرف مرکزی اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور دوسری جانب آل انڈیا مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری مقرر ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگرچہ ان کی شہرت یوپی کی حدود سے گذر کر دور دور تک پہنچی لیکن واقعہ یہ ہے کہ عوام کے دلوں میں اُن کی عظمت کا اب بھی ایسا گہرا احساس نہیں تھا جو والہانہ گرویدگی اور بزرگی کا بیساختہ اعتراف پیدا کر دیتا ہے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ایشیا کی سرزمین پر ایک نئی ریاست کی تشکیل عمل میں آئی اور نوابزادہ اس کے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے تو اب وقت آیا کہ اون کی اصل طبعی صلاحیتیں ابھریں اور قدرت نے اون میں ایک سنجیدہ فکر سیاسی مدبر بننے کی جو اہلیت رکھی تھی وہ ظہور میں آئی۔ چنانچہ قیام ریاست سے لیکر شہادت کے وقت تک یعنی کل چار سال کی مدت میں انھوں نے اپنی عمدہ اور جبلی صلاحیتوں کا جو عملی ثبوت دیا اوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سخت طوفانی اور حوصلہ شکن موجوں میں بھی اپنی کشتی کو سنبھالے رکھنے میں کامیاب ہو سکے انہیں عوام کا ایسا اعتماد حاصل تھا کہ جو بڑے بڑے لیڈر اور پرانے کارکن نہیں کر سکتے تھے وہ آسانی سے اسے انجام دے سکتے تھے۔ اگرچہ سیاست کی وقتی مجبوریوں کے باعث تقریر و تحریر میں کبھی کبھی اون کا لہجہ گرم اور تیز بھی ہو جاتا تھا لیکن طبعاً وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے انسان تھے۔ قدم احتیاط سے اٹھاتے تھے۔ مگر جب ایک مرتبہ اٹھا لیتے تھے تو پھر اسکو واپس نہیں لیتے تھے اون کے کیرکٹر کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ شدید اشتعال کی حالت میں بھی وہ اپنے دماغی توازن کے شیرازہ کو درہم برہم نہیں ہونے دیتے تھے اور افکار و آلام کے ہجوم میں بھی ان کے چہرہ پر مسکراہٹ اور اطمینان کی کیفیت کھیلتی رہتی تھی زیادہ لمبی چوڑی تقریروں اور جلد جلد اخباری بیانات دینے کے عادی نہیں تھے۔ حاضر جوابی کے ساتھ رکھ رکھاؤ۔ اور ظرافت کے ساتھ معنی خیزی ان کی ذہانت اور حاضر دماغی کی دلیل تھی پرائیوٹ زندگی میں وہ کیسے ہی بے تکلف اور یار باش رہے ہوں لیکن پبلک لائف میں اپنے آپ کو لئے دئے رکھنا ان کی طبیعت کا جوہر تھا۔

اس زمانہ میں جب کہ پوری دنیا اپنی تمام وسعتوں اور سیاسی و جغرافیائی حدبندیوں کے باوجود سمٹ سمٹا کر مثل ایک خاندان یا قبیلہ کے ہو گئی ہے۔ مرحوم لیاقت علی خاں ایسے صلح پسند۔ اور ٹھنڈے دماغ کے بلند پایہ سیاسی لیڈر کا ناگہانی انتقال کر جانا صرف پاکستان کا نقصان نہیں اور جن حالات کے باعث یہ انتہائی درد انگیز اور ناگوار حادثہ پیش آیا ہے وہ صرف اس ریاست کے لئے تشویش انگیز نہیں بلکہ یہ نقصان پورے براعظم ایشیا کا نقصان ہے اور اسی طرح یہ صورت حال اس براعظم کے ہر ملک اور یہاں کی ہر ریاست کے لئے بے حد تشویش انگیز ہے یہی وجہ ہے کہ پورے ایشیا میں اور خاص طور پر ہند میں اس واقعہ نے رنج اور دکھ کے ساتھ اضطراب و تشویش کی لہر دوڑا دی ہے اور تھوڑی دیر کے لئے یہ محسوس ہوتا ہے کہ تصادم افکار و خیالات کے باعث فضا میں جو تلاطم تھا وہ پرسکون سا ہو گیا ہے۔

فلسفۂ تاریخ کا یہ بھی ایک عجیب نکتہ ہے کہ جب کسی ملک یا قوم میں فتنہ و فساد کے عناصر اقتدار غالب کے مالک ہو جاتے

ہیں اور خیر کی طاقتیں ان کے مقابلہ سے عاجز آجاتی ہیں تو اب اگر قدرت کو اس ملک یا قوم کا قایم رکھنا منظور ہوتا ہے تو وہ کسی مردِ حق آگاہ و حق پسند کو کھڑا کر دیتی ہے اور وہ اپنے خون کے قطروں سے شر و فساد کے ان عناصر کی آگ کو بجھانے میں کامیاب ہو جاتا ہے چنانچہ کربلا میں جو کچھ ہوا اس کے تکوینی اسباب کا جائزہ لینے کے بعد یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس وقت ملوکیت نے خلافت کو ختم کر کے اسلام کے لئے جو عظیم خطرہ پیدا کر دیا تھا۔ قدرت کے ازلی قانون کے مطابق اس کے دفع کرنے کی صورت بجز اس کے کوئی اور نہ تھی کہ اس عہد کی سب سے زیادہ گرانمایہ و بلند پایہ جان کو بھینٹ چڑھا دیا جائے اور ظاہر ہے کہ ایک جگر گوشۂ رسول سے زیادہ اور کس کی جان اس وقت زیادہ قیمتی اور گراں مرتبت ہو سکتی تھی۔ مرحوم محمد علی جوہر نے اسی حقیقت کو کس بلاغت سے بیان کیا ہے

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے ‏ ‏ ‏ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پھر ابھی تقریباً چار سال پہلے سب نے دیکھا ہمارا ملک مذہبی جنون اور فرقہ وارانہ تنگ نظری و درندگی کی آگ میں چاروں طرف سے کس طرح پھنس کر رہ گیا تھا کہ حکومت تک اس پر قابو پانے میں ناکامیاب رہی تھی لیکن چونکہ قدرت کو اس ملک کا بقا منظور تھا اس لئے اس نے گاندھی جی کی شکل میں اس ملک کی سب سے زیادہ گرانقدر زندگی کو اس آگ کے شعلوں کے نذر کر دیا جس کا نتیجہ ہر ایک کے سامنے ہے کہ ایسا ہوتے ہی شر و فساد کے دیوتاؤں کی پیشانی پر پسینہ سا آگیا اور انھوں نے شرما کر جھٹ اپنی تلواریں میان میں کر لیں" مرحوم لیاقت علی خاں کا قتل بھی کچھ اسی نوع کے حالات و واقعات میں ہوا ہے مغلوب الجذباتیت کے باعث پاکستان میں جو یک بیک ایک نہایت شدید قسم کی بحرانی کیفیت پیدا ہو گئی تھی غالباً اس کے نتائج بڑے خطرناک ہو سکتے تھے اگر اس ملک کی اس متاعِ عزیز کو قدرت کی طرف سے اپنی نقد جان پیش کرنے کی دعوت نہ دی جاتی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ مطلع پر شک و شبہ۔ بے اعتمادی و جذبات پرستی کے جو بادل چھا گئے تھے وہ کچھ چھٹ سے گئے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کسی نیند کے ماتے کو جھنجھوڑ کر اچانک خواب سے بیدار اور غفلت سے ہوشیار کر دیا گیا ہے قرآن مجید کا ارشاد "عَسٰٓی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ" اسی حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہے لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو قدرت کی طرف سے اس طرح کی نازل کی ہوئی عبرتوں اور تنبیہوں سے سبق لیتے ہیں اور اپنے کردار و فکر میں تبدیلی پیدا کر کے عدل و انصاف اور سچائی کے راستہ پر گامزن ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے بھائیوں کے اس صدمۂ جانکاہ میں ان کے ساتھ دلی ہمدردی ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم شہید کو مغفرت و بخشش کی نعمتوں اور رحمتوں سے سرفراز فرمائے اور جو امانت وہ قوم کے سپرد کر گئے ہیں وہ ہر بلا کی چشمِ زخم سے محفوظ رہ کر ایک صالح اور عدل پرور سوسائٹی کے پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو ؎ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔"

توراۃ کے دس احکام
اور
قرآن کے دس احکام

از

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

اب آئیے اور قرآن کے دس احکام والی سورہ کی مشہور آیت

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔

پوچھتے ہیں تجھ سے "الروح" کے متعلق کہہ دے کہ "الروح" میرے پروردگار کے حکم میں سے ہے اور نہیں دئے گئے تم علم سے مگر بہت تھوڑا۔

پر غور کیجئے۔ سوچئے کہ جس خاص سورہ اور خاص محل و مقام پر یہ آیت پائی جاتی ہے بلکہ اس کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ

"اور ہم اگر چاہیں تو اٹھالیں اس کو جو تم پر ہم نے وحی کی ہے، پھر پاؤ تم اپنے لئے اسی وحی کے متعلق ہمارے مقابلہ میں کوئی وکیل"۔

یعنی وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ بِهٖ عَلَیْنَا وَکِیْلًا کا ترجمہ اوپر حاصل ہے، اس کو بھی پیش نظر رکھ لیجئے اور غور کیجئے کہ "اَلرُّوْحُ" کے متعلق جو یہ سوال کیا گیا تھا اس سوال کا مقصد کیا تھا؟ یا کیا ہو سکتا تھا۔

قرآن میں ٹھیک یہی یَسْئَلُوْنَکَ کے لفظ سے بیسیوں چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے مثلاً الخمر، المیسر، الیتامیٰ، الاھلّہ، الجبال اور اسی قسم کے دوسرے امور کے ساتھ ہم اسی یَسْئَلُوْنَکَ کے لفظ کو پاتے

ہیں۔ ظاہر ہے کہ جن چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا اور پوچھا گیا تھا پوچھنے والوں کی غرض بھی یہ نہ تھی کہ ان کے فلسفیانہ حقائق بتائے جائیں اور جواب میں ان سوالوں کے جو باتیں کہی گئی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والوں کا مطلب یہ نہ تھا کہ مثلاً خمر (شراب) کے ترکیبی اجزاء یا الجبال (پہاڑ) کی تعمیر میں کن کن چیزوں سے کام لیا گیا ہے ان باتوں کا جواب وہ دریافت کرنا چاہتے تھے بلکہ صاف کھلی ہوئی واضح بات یہی ہے کہ ان امور کے کسی خاص پہلو مثلاً شراب کے پینے نہ پینے، یا المیسر (جوا) کے کھیلنے نہ کھیلنے کے متعلق دریافت کیا گیا۔ اور سوال کے مطابق جواب دے دیا گیا۔ پھر الروح کے متعلق جو سوال کیا گیا تھا آخر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ پوچھنے والے روح کی حقیقت دریافت کرنا چاہتے تھے تفسیری روایتوں میں جب یہ بیان بھی کیا گیا ہے کہ "الروح" کے متعلق یہ سوال یہودیوں کی طرف سے پیش کرایا گیا تھا تو یہی کافی قرینہ تھا کہ خالق کائنات ہی کو الٰہ اور اپنا معبود بنانا" حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس پیغام سے یہود جب ہٹے اور اسی سلسلہ میں ایک گروہ جہاں ان میں ان لوگوں کا پیدا ہو گیا تھا۔ جو بجائے خالق کے اپنے باہر پائے جانے والے مخلوقات کے ساتھ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے بندگی، اور عبادت کا رشتہ جوڑتا رہتا تھا۔ یعنی مشرکانہ ذہنیت کے شکار ہوتے رہتے تھے۔ وہیں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ان ہی یہودیوں میں ایسے افراد بھی پیدا ہونے لگے جو بجائے باہر کے خود اپنے اندر کی قوتوں اور صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، یہی ان کا روحانی کاروبار تھا، ان کا خیال تھا کہ الروح میں غیر معمولی امکانات پوشیدہ ہیں ان ہی امکانات کو فعلیت کا قالب خاص خاص قسم کے مشاغل اور کرتبوں کی راہ سے عطا کیا جا سکتا ہے، اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہود ظاہر پرستی یا مذہبی رسوم کے خشک ڈھانچوں سے دل چسپی لینے والی قوم سمجھی جاتی ہے، کچھ ایسا خیال کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں میں جن رجحانات کی تعبیر پچھلی چند صدیوں سے لوگ تو ہب یا وہابیت کے الفاظ سے کرتے ہیں یہود کی فطرت پر شاید یہی رنگ غالب تھا لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ اسپرچولزم (روحانیت) یا تصوف (اشراق)، یہ یہودیوں کا مخصوص باطنی علم تھا۔ کم از کم یورپ والوں کو ان چیزوں سے روشناس سب سے پہلے یہودیوں ہی نے کیا۔ "تاریخ فلسفہ" میں ویبر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہودیوں کی مذہبی زبان عبرانی (جرمن) سے یورپ والوں کی دلچسپی زیادہ تر یہود کے علم باطن ہی کی رہین منت ہے مغربی

فلسفہ کی ارتقائی رفتار میں کام کرنے والی ہستیوں میں پندرہویں صدی عیسوی کا ایک فلسفی کونٹ جان پائیکو بھی ہے ویبر نے اسی جان پائیکو کے متعلق لکھا ہے کہ

"یونانی علم وادب کے مطالعہ کے علاوہ عبرانی زبان کے حاصل کرنے کی وہ (کونٹ پائیکو تاکید کرتا ہے: وجہ یہ لکھی ہے کہ

"اسے (کونٹ جان پائیکو) کو اس بات کا یقین تھا کہ یہودی علم باطن بھی ایسا ہی "اہم سرچشمۂ حکمت" ہے جیسے افلاطون اور عہد جدید (یعنی انجیل) تاریخ فلسفہ ص۲۳

اور اسی کونٹ جان پائیکو کے نقش قدم پر چلنے والے ویبر (ترجمہ) روشلن کے متعلق ویبر ہی نے خبر دی ہے کہ

"اپنے ملک میں کلاسیکل اور عبرانی لسانیات کا وہ بانی ہوا"

اسی موقعہ پر ویبر نے یہودیوں کے اس علم اشراق اور روحانیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"تھیاسوفی اس راز سربستہ (الروح) سے آگاہ ہونے پر قانع نہیں، نہ فطرت کو جان لینا اس کے لئے کافی ہے، بلکہ اس کی آرزو یہی ہے جو بعد میں فرانسس بیکن میں پیدا ہوتی کہ فطرت پر غور کیا جائے اور اس پر حکومت کی جائے"

آگے وہی لکھتا ہے کہ

"جس طرح اس کو تھیاسوفی کو غیبی طریقے سے اشیاء کے حصول علم کا دعویٰ ہے اسی طرح مخفی فنون پراسرار اعمال اور منتروں سے اس پر تصرف کرنے کا بھی مدعی ہے۔ بالفاظ دیگر تھیوسوفی طلسم وکرامات بن جاتی ہے جادو کی بنیاد اسی اشراقی اصول پر قائم ہے" ص۲۳ کتاب مذکور

بہرحال روح تو روح جب جسم اور بدن کی حقیقت تک کا پتہ چلانا آسان نہیں ہے تو الروح کی حقیقت

لہ مطلب یہ ہے کہ ہمارے سامنے ذرہ سے آفتاب تک چھوٹی بڑی جیزیں جو پھیلی ہوئی ہیں، ان کے متعلق یہ سوال کہ وہ کس لئے ہیں؟ ایسا سوال ہے جس کا جواب پوچھنے والوں کو ہمیشہ ملتا رہا ہے آج بھی مل رہا ہے۔ آئندہ بھی ملتا رہے گا (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

دریافت کرنے کے معنی ہی کیا ہو سکتے ہیں۔

اور سوال کے الفاظ میں تو خیر گونہ احتمال اور گنجائش بھی پیدا ہو سکتی تھی، لیکن اللہ کے نیک بندوں کو قرآن کے جواب سے کم از کم سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایسی بات جو ساری خلقت پر صادق آتی ہے یعنی رب کے امر اور حکم سے ہونا ایسے عام مجمل الفاظ سے روح کی حقیقت کا کیا سراغ مل سکتا ہے۔ آخر دنیا کی ایسی کون سی چیز ہے جو اللہ کے امر اور حکم سے پیدا نہیں ہوئی ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ سوال کا رخ روح کی حقیقت کی طرف پھیرنے والے قرآنی جواب کے اجمال سے متحیر و مبہوت ہو جاتے ہیں، سوال کا یہ پہلو تو دلوں کو بڑی امنگوں سے بھر دیتا ہے لیکن جواب میں جب کچھ نہیں ملتا تو پھر زور اور زبردستی سے کام لیا جاتا ہے علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر فتح القدیر میں آج سے تقریباً سوا سو برس پہلے کی یہ رپورٹ روح کے متعلق کسی صاحب تحقیق کے حوالہ سے جو نقل کی ہے یعنی

ان اقوال المختلفین فی الروح بلغت	روح کے متعلق مختلف اقوال و نظریات کی تعداد اٹھارہ
الی ثمانیۃ عشر مائۃ قول ج ۳ ص ۲۴۴	سو تک پہنچ چکی ہے

واللہ اعلم اس سے ان کی مراد کیا ہے؟ مطلقاً الروح کے متعلق نظریات و اقوال کی یہ تعداد ہے یا قرآنی جواب کے مجمل الفاظ کی تفسیر و توضیح میں ذہنی زور آزمائیوں کی نمائش تیرہ سو صدیوں میں مختلف طبقات کی طرف سے جو ہوتی رہی ہے یہ اٹھارہ سو اقوال اس سے پیدا ہوئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) حکمت و سائنس کی ساری ترقیوں کی بنیاد اسی سوال پر قائم ہے اسی سوال نے برق بھاپ پٹرول معدنی تیل وغیرہ چیزوں کے استعمال کا سلیقہ آدمی میں پیدا کیا۔ لیکن بجائے کس لئے کے یہ کیا ہے؟ اس سوال کو جس چیز کے متعلق جب کبھی اٹھایا گیا ہے تو تجربہ نے ثابت کیا ہے اور آئندہ ثابت ہوتا رہے گا کہ اس کے جواب میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز بہری اور گونگی بنی ہوئی ہے لوگ سوچتے نہیں روح تو روح میں پوچھتا ہوں کہ جسم یا بدن کی حقیقت کیا ہم پر واضح ہو چکی ہے؟ کیا آپ جسم کو دیکھتے ہیں یا دیکھ سکتے ہیں؟ ہوا بھی تو جسم ہے پھر وہ کیوں نظر نہیں آتی؟ وجہ ظاہر ہے کہ جسم کو نہیں بلکہ ہم صرف رنگ کو دیکھتے ہیں، اور رنگ کو بھی نہیں صرف "روشنی" اور "نور" کو در حقیقت ہماری بینائی مختلف رنگوں کی شکل میں پاتی ہے؟ پھر رنگوں سے جدا ہو جانے کے بعد ہمارا جسم کیا رہ جاتا ہے؟ کون ہے جو اس کا جواب دے سکتا ہے الغرض کس لئے کے جواب میں تو ایک ذرہ بھی اپنے اندر سے جہان کو نکال کر آپ کے سامنے رکھو
(بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

حالانکہ بات کچھ بھی نہ تھی" تورات کے احکام عشرہ پر ایمان لانے اور ان ہی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عزم کرنے والی امت یہود جن حوادث سے گذری تھی" قرآن کے احکام عشرہ کو سپرد کرتے ہوئے ان ہی تاریخی حوادث کے متعلق اس قوم اور ملت کو چونکا دیا گیا ہے، جو قرآن کے ان دس احکام کی امین ٹھرائی جا رہی تھی۔ یہود خالق کو چھوڑ کر اپنے باہر کے مخلوقات کی طرف حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے متوجہ ہونے لگے اور جن عاجزیوں، اور بیکسیوں کو قدرت نے انسانی وجود میں صرف اس لئے محفوظ فرمایا ہے کہ خالق کے قدموں تک اپنی ان ہی بے بسیوں اور بے چارگیوں کی راہ سے وہ پہونچ جائے گا۔ ان ہی سے مخلوقات کی نزدیکی ڈھونڈھنے لگے تھے الغرض موحد بننے کے بعد وقتاً فوقتاً یہود مشرک بنتے رہتے ہے۔ پہلے تو اس حادثے کی طرف اشارہ کیا گیا اور اس کے بعد یہودیوں ہی کے پوچھتے ہوئے سوال کو چھیڑ کر بتایا گیا کہ "الروح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دے سکتا ہے کہ قسم عجب سے اس مشاہدہ کی تکمیل بھی ہوگی لیکن کیا ہے وکے جواب میں پہلے بھی لوگ محروم ہی رہے اور آئندہ بھی رہیں گے نتیجۃ الحقائق عیبہ (اعنی) اشیاء کی حقیقتوں کا پتہ چلانا بہت دشوار بات ہے پرانے فلسفہ کا یہی مسلمہ نظریہ ہے جدید فلسفہ نے جسے زیادہ واضح اور روشن کر دیا ہے ۱۲۔

ے اور یہ حادثہ یہود پر پہلی دفعہ پیش نہیں آیا تھا، بلکہ نسل انسانی کی پوری تاریخ ان ہی ذہنی اور فکری قلابازیوں کے حوادث سے معمور ہے حضرت آدم علیہ السلام موحد تھے اور کیسے موحد براہ راست حق تعالیٰ سے مکالمے ومناجات سے سرفراز تھے۔ مگر ان کے بعد شرک کا دورہ ان کی اولاد پر پڑا، نہ دیکھیں جیسے سب سے زیادہ تازہ توحیدی عقیدے والی قوم مسلمان اسی کا حال کیا ہے، جب تک تمدن وعمران کی طلسماتی گوناگونیوں سے ناآشنا تھے۔ موحد بنے رہے، لیکن جوں جوں تہذیب وشائستگی علم وحکمت حضارت وامارت میں آگے بڑھے، توحیدی عقیدہ کا زور گھٹتا گیا اور مشرکانہ جراثیم ان میں سرایت ہوتے چلے گئے، اسکولوں اور بازاری کتابوں میں آج کل جو یہ پھیلا دیا گیا ہے کہ اپنی حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے پہلے آفتاب وماہتاب، برق ورعد، آگ وغیرہ چیزوں کو آدمی ڈر کر پوجتا رہا یعنی پہلے مشرک تھا اور رفتہ رفتہ جوں جوں اس کی عقل بڑھتی گئی شرک سے توحید کی طرف وہ آیا بجائے بہت سے خداؤں کے ایک خدا کا قائل ہو گیا۔ بات اگرچہ اسی پر ختم کر دی جاتی ہے، لیکن مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقل انسانی اس زمانہ میں جب آخری ارتقائی نقطہ تک پہنچ چکی ہے تو اس ایک خدا کی بھی ضرورت باقی نہ رہی لیکن سچ پوچھئے تو یہ نظریہ کہ شرک کے بعد توحید کا عقیدہ پیدا ہوا قوموں کی تاریخی شہادتوں کی بھی تکذیب ہے اور مذاہب وادیان کی بنیاد پر بھی یہ ایک ابلیسی ضرب ہے یورپ کے اہل فکر ونظر اب چونکے ہیں مسٹر مارسٹن نے اس بازاری خیال کی تردید اپنی مشہور کتاب "بائبل بزاولاید" میں پوری قوت کے (بقیہ حاشیہ برصفحہ آئندہ)

کی جن مخفی قوتوں کے سراغ لگانے میں تم کامیاب ہوتے ہو، وہ بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے قرآنی معلومات کے مقابلہ میں کسی قسم کی اہمیت دی جائے۔ مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ جیسے دنیا کی ہر چیز رب کے حکم سے پیدا ہوئی ہے، "الروح" بھی اللہ کے امر سے تعلق رکھنے والی شئے ہے۔ واقعہ تو یہ ہے امر رب سے پیدا ہونے والے ذرات سے ایٹم بم۔ کی قوت جب نکالی جا سکتی ہے تو اسی امر رب کا ایک مظہر جب "الروح" بھی ہے تو اس کے غیر معمولی امکانات اور حیرت انگیز صلاحیتوں کے ظہور پر کیوں تعجب کیا جائے۔

یعنی وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا — نہیں دیے گئے ہو تم علم سے مگر تھوڑا"

سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ خدائی مخلوقات یا امر رب کے مظاہر کے متعلق جو علم بھی تمہیں حاصل ہوا ہے وہ اس کے مقابلہ میں بہت معمولی اور قلیل ہے، جس پر ابھی پردہ پڑا ہوا ہے، روز مرّہ کے تجربات سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی ہے۔

پس کچھ بھی ہو جائے، کسی قسم کے معلومات بھی حاصل کئے جائیں۔ خواہ ان معلومات کا تعلق الروح ہی سے کیوں نہ ہو، اور ان معلومات کی مدد سے خواہ جس قسم کے اعجوبہ طراز کرشمہ نمائیوں کی قدرت آدمی میں پیدا ہو جائے۔ قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ "القرآن" کی ضرورت بہر حال باقی رہے گی۔ بلکہ "الروح" والے سوال کی آیت سے پہلے، انسانی فطرت کے ایک خاص رجحان کی طرف ان الفاظ میں جو اشارہ کیا گیا ہے کہ

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَــُٔوْسًا	اور ہم جب آدمی کو نعمتوں سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ کترا تا اور اپنے پہلو کو لے کر بہت دور نکل جاتا ہے اور جب اسے دکھ پکڑتا ہے، تو بہت زیادہ مایوس بن جاتا ہے۔

اس میں منجملہ دوسری حقیقتوں کے نعمت و راحت، آسائش و آرام کی سہولتوں سے زندگی میں مستفید ہونے کی صورت میں اعراض یعنی حق تعالیٰ سے۔ بے تعلق رہنے کے ساتھ ناء بجانبہ (اپنے پہلو کو لے کر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کی ہے انھوں نے لکھا ہے کہ "نسلِ انسانی کی قدیم ترین مذہب کی تاریخ توحید سے آخری درجہ تک کے شرک اور بد روحوں کے اعتقاد کی طرف تیز رو پرواز ہے": صفلا

دور نکل جاتا ہے کہ الفاظ سے جو کچھ بتایا گیا ہے، اسی میں جہاں تک میرا خیال ہے، اس روح یا روحانی اور باطنی کاروبار والوں کے اس نفسیاتی خصوصیت پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اس روح کی صلاحیتوں کا تھوڑا بہت علم اور اس علم کی بنیاد پر روح کی قوتوں سے کام لینے کا سلیقہ ان میں جب پیدا ہو جاتا ہے تو بر خود غلطیوں کے شکار ہو کر اپنی برتری اور بلندی کے متعلق طرح طرح کے وساوس اور بیہودہ خیالات وہ پکانے لگتے ہیں جیسے مادی نعمتوں کے نشہ میں بے خود ہو کر کسی زمانہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی (میں ہوں تمہارا بڑا پروردگار) کی بڑ زبانوں سے نکلی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ "انا الحق" وغیرہ کے قصوں میں بھی اس قسم کی غلط فہمیاں پوشیدہ نہ تھیں۔ اور یہ تو خیر سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے، نہیں کہا جا سکتا کہ اصل واقعہ کیا تھا، تاریخ کی شہادتیں اس باب میں مختلف ہیں ممکن ہے کہ اس کی کوئی ٹوٹی پھوٹی توجیہ کر بھی لی جائے لیکن یہ قصہ تو ہمارے ملک کا ہے، زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے، جب دلی اور نواحِ دلی میں "رسول شاہیوں" اور "خلیفہ شاہیوں" "نوشاہیوں" وغیرہ کے مختلف ناموں سے اسپریچولزم (روحانیت) کے کاروبار کرنے والوں کی ٹولیاں ملک میں پھیل پڑی تھیں جن کی مشترک خصوصیت یہ تھی کہ "شرعی قوانین" کی پابندیوں سے اپنے آپ کو وہ آزاد سمجھتے تھے، قصے تو ان کے طویل ہیں، یہاں آپ کے سامنے کتاب مناقب العارفین کے مصنف مولوی محمد حسین صاحب مرحوم رام پوری کے بدراست بتے ہوئے ان الفاظ کو میں نقل کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جن کے سوچنے کی بھی تاب شاید کوئی مسلمان نہیں لا سکتا لیکن "نقل کفر کفر نہ باشد" قرآن میں بھی فرعون و نمرود کے اقوال نقل کئے گئے ہیں بہرحال مولوی محمد حسین صاحب رامپوری مرحوم جو خود صوفی المشرب بزرگ اور بڑے با ادب آدمی ہیں انھوں نے ہندوستان کے صوفیہ کا ایک تذکرہ مناقب العارفین کے نام سے مرتب کیا ہے، اسی میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہ "نوشاہی" نام والے فقیروں کو میں نے خود دیکھا ہے اپنے کانوں کی سنی ہوئی باتیں

ان ہی بدبختوں کی طرف مولوی صاحب نے منسوب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ

"قرآن مجید را اعجاز سینۂ پیغمبری گفت و ایں حروف والفاظ و آیات قرآن مکتوبہ را کلام الٰہی نمی دانست	قرآن کو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سینے کا اعجاز کہا کرتا تھا اور قرآن میں جو الفاظ اور آیتیں لکھی ہوئی ہیں
(ص ۲۹۵ مناقب)	ان کو وہ کلام الٰہی نہیں سمجھتا تھا۔

اور خاک بلکہ غلاظت بدہن اوشاں" گستاخیوں میں ترقی کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ جاتے تھے کہ "قرآن عزیز" کا ذکر کر کے (قاتلهم الله) کہا کرتے تھے

در کشمیر بارچہ حیض زناں را کوفتہ کاغذی سازند — کشمیر میں ایام کے کپڑوں کو کوٹ کر کاغذ بناتے ہیں اور
دراں خود می نویسند و می گویند کہ قرآن ست — اسی کاغذ پر خود مسلمان لکھ دیا کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ
یہ .... ہے۔

گویا سینے پر پتھر رکھ کر کانپتے اور لرزتے ہوئے ہاتھ سے ان گندے الفاظ کو میں نے نقل کر دیا ہے جن کی توقع اسلام کے بدترین دشمنوں سے بھی نہیں کی جا سکتی لیکن "الروح" کے متعلق یہودی سوال کا جواب دیتے ہوئے قرآن میں مذکورہ بالا الفاظ جو پائے جاتے ہیں، یعنی دھمکی دی گئی ہے کہ وحی کرنے کے بعد قرآن کو میں اگر اٹھاؤں اور واپس لے لوں، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت وکیل بن کر اسے روک نہیں سکتی، بلکہ یہی نہیں اسی سلسلہ میں آگے تو اس سے بھی زیادہ بیان کی پوری قوت کے ساتھ یہ بھی جتلا دیا گیا ہے یعنی اسی کے بعد قرآنی عظمت وجلالت والی مشہور آیت

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا

(کہہ دو کہ اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ قرآن جیسی چیز کو حاصل کریں، تو ایسا وہ نہیں کر سکتے خواہ ان میں بعض بعض کے پشت پناہ بن کر بھی کوشش کریں)

کو ہم اسی "الروح" والے سوال کے جواب کے بعد پاتے ہیں۔

بظاہر خیال ہوتا ہے، کہ "الروح" والے سوال سے قرآن کی عظمت وجلالت کا کیا تعلق؟ مگر روحانی کاروبار والوں کے ان نجس اور گندے تاریخی الفاظ کے سننے کے بعد بھی بے ربطی کا خیال دلوں میں باقی رہ سکتا ہے؟

قرآن نے "الروح" اور روحانی قوتوں کے بیدار کرنے والے مشاغل پر کوئی اعتراض نہیں کیا ہے اور جب مادہ کے نوامیس، قوانین کی سراغ رسانی، اور جو معلومات ان قوانین ونوامیس کے متعلق حاصل ہوں ان سے کام لینے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ ہے تو قدرت ہی کی طرف سے "الروح" میں جو قوتیں ودیعت کی گئی ہیں ان کے جاننے، اور جان کر ان سے کام لینے پر اعتراض کرنے کی وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے[1]۔

---

[1] ملکہ مادی اسلحہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کو حاصل کریں، کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ روحانی قوتوں والوں (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

البتہ ہنسنے کی بات اس سلسلہ میں جو ہو سکتی تھی وہی کہی گئی کہ ان معلومات کی بضاعتِ مزجاۃ لوگوں کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اور جیسے مادی قوانین کا علم اور اس علم کے نتائج ثمرات کو اپنے قابو میں پاکر رسالاتِ و نبوات اور وحی کے علوم کا مضحکہ تاریخ کے مختلف ادوار میں بنی آدم نے اڑایا ہے، اسی کا خطرہ روحانی علوم اور ان علوم سے پیدا ہونے والے عملی نتائج کے متعلق بھی پیش آتا رہا ہے، بسا اوقات ہلدی کی چند گانٹھوں کے مل جانے کے بعد لوگ پنساری کی دکان کھول کر بیٹھ گئے، تھوڑے سے بہت معلومات بھی "الروح" کے متعلق کسی کو میسر آئے تو یہ دیکھا گیا ہے کہ وحی کے علوم کی عظمت ان کے دلوں سے کم ہونے لگی مسبے پروائیوں کے آغاز میں لوگ بارد توجیہوں سے ان پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہی دلی جس کے نوشاہی ابلیسوں کا مذکورہ بالا شیطانی فقرہ قرآن کے متعلق نقل کیا گیا ہے۔ اسی میں بارہویں صدی ہجری میں جب محمد شاہ بادشاہ دلی کے بادشاہ تھے، دکن کے ایک رئیس درگاہ قلی خاں دکن سے آئے تھے۔ اور اپنی ایک یادداشت میں دلی کی مجلسوں، اور شخصیتوں کے کچھ حالات قلم بند کئے ہیں ایک روحانی ہستی کو ان الفاظ میں روشناس کراتے ہوئے

"قدوہ مشائخ شہراند، دبہ فور اشتہار در ہمہ عالم علم"

یعنی شہر کے مشائخ کے پیشوا سمجھے جاتے تھے اور عام طور پر لوگوں میں مشہور بھی ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ۔

عمدہ ہائے بمقتضائے صفائے عقیدت بشتر بحدیث ایشاں مربوط اند و سائر الناس بہ تقریب ارادت در سلسلہ علیہ اش منوط

یعنی شہر کے بڑے بڑے لوگ اور معتقد رہتے انتہائی عقیدت مندیوں کے ساتھ ان ہی درویش صاحب کے مرید و معتقد ہیں اور عوام الناس بھی ارادت کا رشتہ ان ہی کے سلسلے سے جوڑے ہوئے ہیں

یہ بھی لکھا ہے کہ ایک طرف

"حلقہ ذکر ہمیشہ معمور ست۔ و ہر تاریخ دوم ہلالی ماہ امت منزل دستور"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سے مقابلہ لے سکتے کوئی خاص طبقہ ان روحانی ہتھیاروں سے اگر مسلح رہنے ہی کی کوشش میں مشغول رہتا ہے تو کم از کم میرا خیال یہی ہے کہ ان کی سعی غالباً سعی نامشکور نہیں ٹھہرائی جا سکتی ہے ۱۲۔

لیکن دوسری طرف دلی کے ان ہی "قدوہ مشائخ شہر" کا حال یہ بھی تھا

"بہ تجرع دوام میل خاطر می فرمائی شود" یعنی ہمیشہ شراب کا دور بھی ان کے ہاں چلتا رہتا ہے

کتاب دلی ص۹۴ بارہویں صدی میں

نواب درگاہ قلی خاں نے ذکر کرنے کی حد تک "بہ تجرع دوام" کا ذکر تو کر دیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ

"غالباً بنا بر مصلحتے باشد و ظاہر آبراتے عکیتے"

کی چادر بھی شاہ صاحب کے "ساغر دمینا" پر اڑھا دی ہے۔ اور یہ صاحب تو خیر زندگی ہی میں پیتے تھے۔ بارہویں صدی کی دلی کے اسی سیاح اور سوانح نگار نے ایک موقع پر یہ خبر بھی دی ہے کہ "احدی پورہ" نامی محلہ میں کسی صاحب کی قبر ہے، اس قبر کو سال کی کسی خاص تاریخ میں

شراب ناب می شویند — خالص شراب سے لوگ دھوتے اور نہلاتے ہیں

پھر طوائف کا ناچ بھی رات بھر مزار پر ہوتا ہے، طرفہ ماجرا یہ ہے نواب صاحب نے لکھا ہے کہ

مددِ ایں حرکات را ذریعہ ترویح روحش می دانند — اور ان ساری باتوں سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ قبر والے صاحب کی روح کو راحت پہنچتی ہے۔

دلی بارہویں صدی میں ص۷۳

واللہ اعلم بالصواب۔ صاحب قبر کی زندگی کی عادت کو مرنے کے بعد زندہ رکھنے کی کوشش اس تدبیر سے کی جاتی تھی، یا یاروں کا یہ بھی ایک خود ساختہ مذاق تھا۔

بہر حال میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ "الروح" کے علم قلیل ہی کے یہ نتائج و ثمرات ہیں، ابتداء اس کی شرعی قوانین کے عدم احترام سے ہوتی ہے اور آخر میں العیاذ باللہ آپ نے دیکھ لیا کہ خود قرآن "پیغمبر کے سینے کا معجزہ" برعکس رہ جاتا ہے۔ حالانکہ ان احمقوں کو اس کا اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ "الروح" کی قوتوں سے کام لینے کے بعد بھی "الروح" جو خود ان کی ذات ہی کی تعبیر ہے، جب اسی کی اصل حقیقت ان پر جیسی کہ چاہئے۔ صحیح معنوں میں واضح نہیں ہوتی، تو زندگی کے بنیادی سوالات مثلاً یہی کہ زندگی بلکہ خود کائنات جس میں ہماری زندگی بھی شریک ہے اس کی ابتدا کیا ہے اس کی انتہا کیا ہے، اس کا مدعا کیا ہے؟ ان سوالوں کے جوابوں کو دمی کے علوم نے جو وقف عام کر دیا ہے، ہر کہ ومہ تک ان جوابوں کو خالق کائنات کے ترجمانوں یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے پہنچا

دیا ہے۔ کیا وحی کے علوم کی روشنی کے بغیر ہم ان جوابوں تک "الروح" اور روحانی کاروبار والے مشاغل سے پہنچ سکتے تھے اور کون نہیں جانتا کہ زندگی کا یہ سفر ان جوابوں کے جانے بغیر کتنا بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ ایسا مسافر جو نہ یہ جانتا ہو کہ وہ کہاں سے آرہا ہے، کہاں جا رہا ہے کیوں جا رہا ہے؟ دیوانے مسافر کے سوا کچھ اور بھی ہے، یقیناً زندگی پاگلوں کا ایک خواب بن کر رہ جاتی، پھر قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حالات نے گذشتہ وحیوں کے علوم اور آگاہیوں کو قطعی اعتماد اور لازوال یقین کی قوتوں سے جو محروم کر دیا ہے جن لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ ہے۔ اور آبائیت[1] کی آفت سے جن کے دماغ ماؤف نہیں ہیں، وہی سمجھ سکتے ہیں کہ ان ہی عام بھیلے ہوئے جوابوں میں قرآن کی آخری وحی نے یقین و اذعان کی کتنی غیر معمولی تر و تازہ نئی قوت بھر کر جیتے جاگتے، زندہ جاوید جوابوں کا قالب ان کو عطا کر دیا ہے۔ سچ پوچھئے تو قرآن ہی کی تصدیق و تصحیح و تکمیل ہی کی بدولت مذاہب کی یہ ابدی صداقتیں غیر فانی بن گئی ہیں۔ بلکہ "الروح" کے متعلق اسی یہودی سوال کے جواب کے سلسلے میں قرآنی وحی کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے درمیان میں جو یہ فرمایا گیا ہے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ	(یعنی قرآنی وحی) صرف تیرے رب کی اس رحمت کا نتیجہ
عَلَيْكَ كَبِيْرًا	ہے جو تجھ پر ہے بلاشبہ اللہ کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے

ان الفاظ کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ بھی وہی کر سکتے ہیں، جو زندگی کے ان بنیادی سوالوں کے جوابوں کی اہمیت سے بھی، اور دلوں میں شعوری و غیر شعوری طور پر ان جوابوں کے متعلق بے اطمینانی شک و ریب کی جو کیفیتیں قرآنی وحی سے پہلے تاریخی حوادث و واقعات کے زیر اثر پیدا ہو گئی تھیں، ان سے بھی صحیح واقفیت حاصل

---

[1] یعنی آبا، یا باپ دادوں کی روش اور طریقۂ زندگی کو حق و باطل کا معیار بنا لینے یا کسی طریقۂ زندگی کی صحت پر اس لئے اصرار کرا صرار کرنے والے کے والد مرحوم یا دادا مرحوم کا طریقہ تھا، اسی کا نام آبائیت ہے مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا کے قرآنی الفاظ سے یہ اصطلاح ماخوذ ہے یورپ نے آبائیت کی اسی احمقانہ ذلیل ذہنیت پر کلچر کے لفظ کا لفافہ پہنا کر پھر کچھ دن کے لئے اس ذہنیت کو بے وقوفوں کے لئے دل چسپ بنا دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ باہر سے چڑھایا ہوا یہ لفافہ دیر تک باقی نہیں رہ سکتا ہے۔

کرنے کا موقع میسر آیا ہو۔

بلاشبہ حق سبحانہ تعالیٰ کی رحمت و کرم اور اس کے "فضل کبیر" نے یقین سے محروم انسانیت کے سامنے زندگی کے اس سفر کو جو اندھیرے میں جاری تھا، پھر روشنی کی ایسی راہ پر لگا دیا ہے، جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے، کہ لیلھا ونھارھا سواء (دن اور رات دونوں اس کے لئے برابر ہیں) اور یہ تو خیر زندگی کے بنیادی سوالوں کے جوابات کی حالت ہے میرا ذاتی احساس بغیر کسی جنبہ داری کے یہ ہے کہ القرآن العظیم جو براہ راست حق تعالیٰ کے فرامین اور بخشے ہوئے معلومات پر مشتمل ہے وہی نہیں بلکہ اس کے مقابلہ میں سورہ الفاتحہ" جو بندوں کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں درخواست ہے، یہی درخواست اور یہی دعا، اس کا ایک ایک فقرہ جامعیت و بلاغت اور گہری معنویت کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ دعاؤں کی فہرست میں ایسی دعا، کم از کم فقیر کی نظر سے نہیں گذری ہے اور چالیس پچاس سال کے مسلسل غور و فکر نے اس نتیجہ تک پہنچایا ہے کہ جب سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب کوئی نئی بات ایسی باقی نہیں رہی، جو سمجھ میں نہ آئی ہو تو اسی وقت پھر کسی نئے راز کا انکشاف ہوتا ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ جیسے قدرت کا ہر کام لامحدود اسرار و رموز کا گنجینہ ہے، بجنسہ یہی حال اس قدرتی کلام کا ہے جسے ہم قرآن کہتے ہیں اور جیسے ذرہ سے لے کر آفتاب تک جیسی چیزوں کو بنانے سے انسان عاجز ہے، اسی طرح قرآن کی بھی چھوٹی سے چھوٹی آیت کا بنانا آدمی کے بس کی بات نہیں۔ قرآن کسی انسان کا مصنوعی کلام نہیں ہے اس دعوی کی فطری دلیل یہی ہو سکتی تھی کہ کوئی اس جیسا کلام بنا نہیں سکتا اور اسی کو بار بار قرآن میں پیش بھی کیا گیا ہے

سلسلہ تاریخ ملت — نبی عربی صلعم

تاریخ ملت کا حصہ اول جس میں متوسط درجہ کی استعداد کے بچوں کے لئے سیرت سرور کائنات صلعم کے تمام اہم واقعات کو تحقیق، جامعیت اور اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جدید ایڈیشن جس میں اخلاق سرور کائنات ؐ کے اہم باب کا اضافہ کیا گیا ہے اور آخر میں ملک کے مشہور شاعر جناب ماہر القادری کا سلام بہ درگاہ خیر الانام بھی شامل کر دیا گیا ہے کورس میں داخل ہونے کے لائق کتاب ہے۔ قیمت ۱۲؍ مجلد ۱۲؍ عہ بقیہ حصص، خلافت راشدہ ۱۲؍، خلافت بنی امیہ ۱۲؍۔ خلافت ہسپانیہ ۱۲؍، خلافت عباسیہ اول ۱۲؍۔ خلافت عباسیہ دوم ۱۲؍ تاریخ مصر ۱۲؍، خلافت عثمانیہ ۱۲؍

مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ

از

(پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی استاد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے کا ذکر ہے کہ بدایوں میں ایک بزرگ مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ رہتے تھے، اللہ نے انھیں علم وفضل کی بے پناہ دولت سے نوازا تھا۔ لیکن مال وجاہِ دنیوی سے ان کو یکسر محروم کردیا تھا۔ وہ اس محرومی کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور عسرت وتنگی میں ایسی خوشی سے دن گزارتے تھے کہ "الفقر فخری" کا سماں آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتا تھا۔ اور فضائیں تک پکار اٹھتی تھیں ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ — ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

نخشبی، عزت وشہرت کے خواہاں نہ تھے۔ انھوں نے اپنے دل کی دنیا، "سوز ومستی، جذب و شوق" سے تعمیر کی تھی۔ ان کی تمنا تھی کہ بس یہی دنیا آباد رہے۔ وہ دعا کرتے تھے تو یہی ؎

خدایا اہلِ دل را ذوقِ دل دہ — ضیائے نخشبی را شوقِ دل دہ

انھوں نے عمر بھر اس ڈر سے گھر نہیں بنوایا کہ کہیں دل نہ ویران ہو جائے۔ عرفی نے سچ کہا تھا

من از فریبِ عمارت گدا شدم ورنہ — ہزار گنج بہ ویرانۂ دل افتاد است!

نخشبی کی عزلت پسندی اور عزت وجاہ سے نفرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی شہرت بدایوں کے ایک گوشہ میں محدود ہو کر رہ گئی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) سے پہلے کسی مورخ یا تذکرہ نویس نے، ان کے حالات تو کیا، ان کا نام تک نہیں لکھا۔ جب شیخ محدثؒ نے ان کے حالات لکھنے چاہے تو ان میں اور نخشبیؒ میں کم وبیش تین سو سال حائل تھے۔ گوشۂ گمنامی میں زندگی گذارنے والے بزرگ کے حالات کا دستیاب ہونا آسان نہ تھا۔ چنانچہ ان کو نخشبیؒ کی تصانیف کے چند اقتباسات پر اکتفا کرنا پڑا۔ یہ ۹۹۹ھ کا ذکر ہے جب شیخ محدثؒ

اخبار الاخیار کی ترتیب و تصنیف میں مصروف تھے۔ زندگی کے آخری سالوں میں جب انھوں نے تالیف تلب الالیف لکھنی شروع کی، تو نخشبیؒ کے حالات کی پھر تلاش کی، لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ شیخ محدثؒ کے بعد کے تذکروں میں نخشبیؒ کا ذکر ضرور ملتا ہے لیکن وہ بڑی حد تک شیخ محدثؒ ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اب ضیاء نخشبیؒ کے حالات کی جستجو اگر کی بھی جائے تو "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کی مصداق ہوگی۔ اس مضمون میں میں نے کوشش کی ہے کہ خود ضیاء نخشبیؒ کی تصانیف سے ان کے حالات مرتب کئے جائیں اور ان کی علمی خدمات اور افکار کا پتہ لگایا جائے۔

وطن | مولانا ضیاء الدین نخشب کے رہنے والے تھے چہل ناموس میں خود لکھتے ہیں ؎

ز ہر شہرے و ہر جائے متاعے قیمتی خیزد — ضیاء از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز

نخشب بخارا میں ایک پر فضا مقام تھا۔ عرب اس کو نسف کہتے تھے۔ دریا کشکا اس کے درمیان سے گزرتا تھا[1] اور اس کی رونق میں اضافہ کرتا تھا۔

جب وسط ایشیا میں منگولوں کا طوفان کف بردہاں امنڈنا شروع ہوا تو نخشب بھی ان کے جور و ستم سے محفوظ نہ رہ سکا۔ چنگیز خاں نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کو یہ علاقہ ایسا پسند آیا کہ اپنی فوجوں کے لئے گرمی کی چھاؤنی یہاں بنا دی۔ رفتہ رفتہ منگولوں کے محلات بننے شروع ہو گئے یہاں تک کہ ہر طرف محل ہی محل نظر آنے لگے اور اس جگہ کا نام قرشی پڑ گیا۔ قرشی منگولوں کی زبان میں "محل" کو کہتے ہیں[2]۔ آج بھی یہ علاقہ قرشی ہی کہلاتا ہے۔

ہندوستان میں آمد | گمان غالب یہ ہے کہ جب نخشب میں منگولوں کا تسلط ہو گیا اور وہاں کے حالات ناقابل برداشت ہو گئے تو وسط ایشیا کے اور بہت سے مسلمانوں کی طرح، ضیاء نخشبی نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب بقول عصامی ؎

---

[1] ابن حوقل۔ ص ۳۷۸ [2] عرصہ تک قرشی ایک مشہور و معروف مقام رہا بعد کو کش کی شہرت نے اس کو ماند کر دیا کش، قرشی سے کل تین دن کی مسافت پر واقع تھا چونکہ تیمور کش میں پیدا ہوا تھا اس لئے اس کو زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی عہد تیموریہ کی تاریخوں میں اکثر جگہ قرشی کا ذکر ملتا ہے (ظفرنامہ۔ ج ۱، ص ۱۱۱، ۴۴۲، ۲۵۹ وغیرہ)

سبے عالمانِ بخارا نژاد — سبے زاہد و عابدِ ہر بلاد

دراں شہرِ فرخندہ جمع آمدند — چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند

دارالسلطنت دہلی خلائقِ عالم کا مرجع ومرکز بنا ہوا تھا۔

فارسی کا ایک مشہور مصرعہ ہے ع

خدا شرے برانگیزد کہ خیرِ ما دراں باشد

وسط ایشیاء میں جب ترکانِ غزا ورمنگولوں کی تباہ کاریوں نے عرصۂ حیات تنگ کردیا تو علماء واکابر کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کی طرف رجوع ہوگئی۔

بغداد وبخارا کے یہ ٹوٹے ہوئے تارے، ہندوستان کی فضائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر نمودار ہوئے۔ اور اسلامی ہند کو اپنے ابتدائی دور میں علماء وفضلاء کی ایک ایسی کثیر تعداد مل گئی جس نے سارے ملک کو اپنی نواسنجیوں سے پُرشور کردیا۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ غالباً پہلے بزرگ ہیں جو نامساعد حالات کے باعث ہندوستان تشریف لائے۔ ان کے بعد تو قافلہ در قافلہ لوگ اس ملک میں آنے لگے۔ عام طور سے جو لوگ عزت وشہرت کے خواہاں ہوتے تھے وہ دہلی میں رک جاتے تھے کہ دارالسلطنت کی زندگی میں بہرحال بڑی دلفریبی تھی۔ جو بزرگ حکومتِ وقت سے بے تعلق رہ کر زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ دہلی سے دور کسی مقام کا انتخاب کرلیتے تھے۔ کہ دربار کے دم گھونٹنے والے ماحول سے ان کی طبیعت گھبراتی تھی۔ بدایوں ایسے لوگوں کا محبوب مرکز تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے دادا اور نانا، جو سرکاری ملازمت کو پسند نہیں کرتے تھے اور گوشۂ قناعت میں زندگی گزارنا چاہتے تھے جب ہندوستان آئے تو بدایوں ہی کو اپنا مستقر بنالیا۔ غالباً یہ خاموش زندگی بسر کرنے کی تمنا ہی تھی جس نے ضیاء نخشبی کو بدایوں میں قیام کرنے پر آمادہ کرلیا۔

بدایوں میں قیام | بدایوں، اسلامی تہذیب وتمدن کا قدیم مرکز تھا۔ یہاں اسلامی علوم وفنون نے بڑی ترقی کی تھی۔ جگہ جگہ مدرسے اور خانقاہیں تھیں۔ چپہ چپہ پر بزرگوں کے مزارات تھے۔ خود حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا فرمانا تھا کہ ——

"در بدایوں بسیار بزرگاں خفتہ اند" [1]

یہاں کی خاموش علمی و دینی فضانے نخشبیؒ کے دامن دل کو پکڑ لیا اور نہ بدایوں پہنچنے کے بعد بدایوں ہی کے ہوگئے۔

تذکرہ الواصلین میں مولانا ضیاء الدین کے بدایوں میں قیام کرنے کے سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے'

حب نخشبیؒ بدایوں تشریف لائے، تو جس مکان میں مقیم تھے اس کے ہمسایہ میں ڈھول بجتا ہوا سنا لوگوں سے وجہ پوچھی۔ معلوم ہوا کہ مالک خانہ کی سالگرہ کی خوشی میں لوگ عیش و نشاط میں مصروف ہیں۔ فرمایا۔ یہ بہت اچھی جگہ ہے کہ یہاں کے لوگ عمر کے کم ہونے پر خوشی کرتے ہیں۔ یہاں سے نہ جانا چاہئے۔

نخشبیؒ نے اپنے وطن کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی چنانچہ ان کی طبیعت آسائش کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ انھوں نے ایک گوشہ میں اپنا مسکن بنا لیا اور رہنے لگے۔ خود کہتے ہیں ؎

آنکہ ویرانیٔ جہاں دیدہ است خشت بر خشت ہیچگہ نہ نہد

شیخ شہاب الدین حمرہ سے تلمذ | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب ضیا نخشبیؒ بدایوں پہنچے تو ان کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ اور وہ تکمیل علوم سے بھی پوری طرح فارغ نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ بدایوں پہنچ کر شیخ شہاب الدین حمرہ کے دامن کمال سے وابستہ ہوگئے اور ان سے کسب علوم کرتے رہے۔

شیخ حمرہؒ سے تلمذ کی روایت تذکرہ الواصلین میں درج ہے[2]۔ خود نخشبیؒ نے کسی جگہ اس کی بابت کچھ نہیں لکھا۔ صاحب تذکرہ الواصلین نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا اور تذکرہ نویس بھی اس مسئلہ میں خاموش ہیں۔

معارج الولایت میں ان کے مزار کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"مرقد او در بداؤں است، قریب روضہ صاحب پیش نمازگاہ شمسی بایاں قبر شیخ محمد استاذ خود بسیار غریبانہ و مردانہ خفتہ است"[3]

تذکرہ الواصلین میں لکھا ہے کہ نخشبیؒ کی قبر حویزہ شہاب حمرہؒ پر واقع ہے۔ میرے خیال میں معارج الولایت کے کاتب نے شیخ حمرہ کی جگہ غلطی سے شیخ محمد لکھ دیا ہے۔ شیخ محمد نامی کسی بزرگ کا تذکرہ بدایوں

---

[1] فوائد الفراد [2] تذکرۃ الواصلین ص۵۴ [3] معارج الولایت جلد اول (قلمی نسخہ)

کے سلسلہ میں نظر سے نہیں گزرا۔

بہرحال شیخ ہمرہ سے نخشبیؒ کا اکتساب علوم کرنا کوئی ایسی بات نہیں جس کے قبول کرنے میں کوئی تاریخی رکاوٹ پیش آتی ہو۔ شہاب ہمرہ اپنے عہد کے مشہور عالم اور استاد الشعراء تھے بدایوں میں ان کا طوطی بولتا تھا امیر خسرو نے لکھا ہے ؎

در بداؤں ہمرہ سرمست برخیزد ز خواب   گر برآید غلغلِ مرغان دہلی زیں نوا[1]

ہمرہؒ عالم بھی تھے، اور شاعر بھی۔ نخشبی کو ایسے ہی استاد کی ضرورت بھی تھی۔ انھوں نے استاد کے انتخاب میں یقیناً بڑی دوربینی سے کام لیا کسی زاہد خشک سے منسلک ہو جانے میں، ان کی شاعرانہ فطرت اور کمالات کے ماند پڑ جانے کا خطرہ تھا۔

شیخ فریدالدین ناگوریؒ سے ارادت | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اخبارالاخیار میں لکھتے ہیں۔

"چنیں شنیدہ شدہ است کہ وے مرید شیخ فرید است کہ نبیرۂ و خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمیدالدین ناگوری است، واللہ اعلم"[2]

ایسا سنا گیا ہے کہ شیخ فرید سے جو حضرت شیخ حمیدالدین ناگوری کے پوتے اور خلیفہ تھے بیعت تھے۔

شیخ محدثؒ بڑے محتاط راوی تھے۔ ان کی اس عبارت سے ایسا مترشح ہوتا ہے کہ خود انھیں اس کا یقین نہیں تھا۔ صرف شہرت کی بناپر انھوں نے یہ بات لکھدی ہے۔ ضیا نخشبیؒ کی کسی تحریر سے اس مسئلہ پر روشنی نہیں پڑتی معارج الولایت نے یہ بات یقینی طور پر اس طرح لکھی ہے

"مرید و خلیفہ شیخ فریدالدین نبیرۂ حضرت سلطان التارکین است"

اور ان کا ذکر اسی ترتیب سے کیا ہے۔

شیخ فریدالدین ناگوری اپنے عہد کے مشہور مشائخ میں شمار کئے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنے دادا شیخ حمیدالدین سوالی ناگوری کے ملفوظات (سرورالصدور[3]) جمع کیے تھے۔ اس ملفوظ میں شیخ فریدؒ نے کچھ اپنے

---

[1] منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی۔ جلد اول صنت [2] اخبارالاخیار۔ ص ۱۰۱ (مجتبائی پریس دہلی ۱۳۰۹ھ)

[3] سرورالصدور ایک نادر قلمی نسخہ خاکسار کے پاس ہے ارادہ ہے کہ اس کو مرتب کر کر شائع کر دیا جائے۔

حالات بھی لکھے ہیں اس میں کسی جگہ ضیا نخشبیؒ کا ذکر نہیں۔ ایک بزرگ شیخ نجیب الدین نخشبی کا ذکر ضرور ہے جن کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ التمش کے زمانہ میں ہندوستان میں تشریف لائے تھے۔ سلطان نے ان کو شیخ الاسلام بنا دیا تھا اور ان کو پدر کہہ کر مخاطب کیا کرتا تھا۔

سلک السلوک کے ناشر کو شیخ فرید نام سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اور شاید اسی وجہ سے اس نے کتاب کے خاتمہ پر نخشبیؒ کو خلیفۂ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ" لکھ دیا۔ جو یقیناً غلط ہے۔

عسرت و تنگی کی زندگی | نخشبیؒ کی زندگی عسرت و تنگی میں بسر ہوئی تھی۔ ان کے پاس "نقد دین" کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہی ان کی متاع عزیز تھی یہی ان کی تسلی کا باعث لکھتے ہیں ؎

نخشبی نقدِ دیں ز دست مده　　　خلق فضل کریم بر ہمہ یافت
فقرا پائے بر سر گنج اند　　　نقدِ دیں ہر کہ یافت ہر ہمہ یافت[1]

وہ فقر و فاقہ میں "راز زندگی" پاتے تھے اور اس میں خوش ہوتے تھے لکھتے ہیں ؎

نخشبیؒ ہاں بفقر خوش می باش　　　گرچہ کس در غنا نباشد خوش
فقرا آنچناں خوشند از فقر　　　کہ کسے در غنا نباشد خوش[2]

نخشبیؒ کا عقیدہ راسخ تھا کہ رزق، اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر ہوتا ہے سلک السلوک میں انھوں نے حضرت رابعہ بصریؒ کا ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ لکھا ہے۔ بصرہ میں ایک مرتبہ قحط پڑا لوگ بہت پریشان ہوئے اور اس کی اطلاع حضرت رابعہ بصریؒ کو بھی دی سن کر فرمانے لگیں۔

"اگر ہمہ دانہ غلہ بمثقال زر رسد من ہرگز از برائے رزق اندوہگیں نشوم فان علینا ان نعبدہ کما امرنا و علیہ ان یرزقنا کما وعدنا"[3]

اگر غلہ کا ایک ایک دانہ سونے کے دانوں کے برابر بھی ہو جائے (مجھے پرواہ نہیں) میں رزق کا غم کبھی نہ کھاؤں گی کیونکہ جیسا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے ہمارا کام اپنے پروردگار کی بندگی ہے اور جیسا کہ اس نے وعدہ فرمایا ہے ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے۔

---

[1] سرور الصدور (قلمی) ص ۱۹ [2] سلک السلوک ص۲۶ [3] ایضاً ص۴۵ [4] ایضاً ص۳۱

اس قول کے نقل کرنے کے بعد نخشبیؒ نے یہ قطعہ لکھا ہے ؎

نخشبیؒ از خداست رزق ہمہ ۔۔۔ می برد ز آفتاب عالم نور

ہست اندر جہانِ کون و فساد ۔۔۔ نانِ شاہ و گدا ز یک تنور[1]

اس کے معنی یہ ہرگز نہ سمجھے جائیں کہ وہ روزی حاصل کرنے کے لئے کسی جد و جہد کو ضروری نہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے محنت و مشقت کے ساتھ روزی حاصل کرنے کو "مذہبی فریضہ" کا درجہ دے کر اس پر بحث کی ہے۔ ارشاد نبوی "طلب الحلال جہاد" پر انھوں نے بے حد زور دیا ہے اور لقمۂ حرام کی شدت کے ساتھ مذمت کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

"حینیں گویند ہر کہ یک لقمۂ حرام خورد چہل روز تیر دعا را او بر نشانۂ اجابت نرسید و چیزے حلال حاصل کردن از اعظم امور و اصعب اعمال است"[2]

کہتے ہیں کہ جو کوئی حرام کا ایک لقمہ بھی کھاتا ہے چالیس روز تک اس کی دعا کا تیر نشانۂ اجابت پر نہیں پہنچتا (یعنی اس کی دعا قبول نہیں ہوتی) اور رزق حلال کی طلب اعمال میں نہایت مشکل عمل اور کاموں میں نہایت عظیم الشان کام ہے۔

نخشبیؒ کا عقیدہ تھا کہ حصولِ روزی کے لئے جس طرح جد و جہد ضروری ہے اسی طرح یہ یقین بھی جزو ایمان ہے کہ روزی کا دینے والا اللہ ہے اور کوئی انسانی قوت، رازق ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

امراء و سلاطین سے بے تعلقی | چشتیہ سلسلہ کی دیرینہ روایات کے مطابق نخشبیؒ نے شاہانِ وقت یا امراء سے کوئی رابطہ یا تعلق رکھنا پسند نہیں کیا۔ لکھتے ہیں۔

"عزیز من! امرائے کہ بر فقرا آیند سعادت آں امرا باشد، و فقرائے کہ بر در امرا روند شقاوت آں فقرا بود"[3]

عزیزم! امیروں کا فقیروں کے پاس جانا ان امیروں کے لئے وجہ سعادت ہے اور جو درویش کہ امیروں کے گھر کا طواف کرتے ہیں یہ ان فقیروں کی شقاوت کی نشانی ہے

اس اصول کی وضاحت میں انھوں نے چند ایسے واقعات لکھے ہیں جو خود ان کے جذبات کی ترجمانی

---

[1] [2] [3] سلک السلوک

کرتے ہیں۔ ایک بادشاہ ایک درویش سے ملنے گیا اور دینار پیش کئے، درویش نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا اگر دینار قبول نہیں کرتے تو اور کوئی حاجت بتاؤ جو میں پوری کر دوں، درویش نے جواب دیا۔

"حاجت من آنست کہ بار دیگر مرا زحمت نہ دہی۔"

میری حاجت و ضرورت صرف یہ ہے کہ دوبارہ یہاں آکر مجھے تکلیف نہ دینا۔

حکیم سنائی کا ایک واقعہ خود ان کی زبان سے سننے کے قابل ہے۔

بشنو بشنو چنیں گویند بادشاہے کہ سنائی حکیم در وقت سلطنت او بود ہوس دیدن سنائی کرد، ہر جا اورا بطلبید ندیافتند تا عاقبت از خانۂ مخنثے بیاوردند چوں بیامد دستہا در کش کردہ آمد و چوں بنشست پائے دراز کردہ بنشست، بادشاہ گفت اے خواجہ ما شنیدہ ایم کہ تو حکیمے سنائی گفت در من چہ خلافِ حکمت دیدی گفت من سہ چیز در تو دیدم کہ آں ہر سہ چیز از قاعدہ حکمت خارج اند، گفت آں کدام اند۔ بادشاہ گفت اول آنست کہ تو در خانۂ مخنث چہ کنی۔ سنائی گفت من ہیچ کس را در عمل خود ہمچو خود نیافتم مگر آں مخنث را۔ بنا براں کہ مرا تمام بر ہیئت مرداں آفریدہ اند، اما از من کار مرداں بر نمی آید من مخنث طریقم و او مخنث خریت دوم گفت چوں آمدی دستہا بستہ چرا آمدی گفت ازانکہ پیش تو دستے بسوال نخواہم کشاد، گفت سوم چوں بنشستی پائے چرا دراز کردی۔ گفت از

سنو! سنو! کہتے ہیں مشہور حکیم سنائی کے زمانے میں ایک بادشاہ تھا جس کو سنائی سے ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ ان کو تلاش کیا گیا مگر کہیں نہ ملے تلاش بسیار کے بعد بالآخر ایک ہیجڑے کے یہاں سے برآمد ہوئے اور ان کو بادشاہ کے پاس پہنچایا گیا، جیسے ہی یہ بادشاہ کے یہاں پہنچے اپنے ہاتوں کو سمیٹ لیا اور بیٹھے تو پاؤں پھیلا کر بیٹھے، بادشاہ نے کہا ہم نے سنا ہے آپ حکیم سنائی ہیں سنائی بولے تو پھر آپ نے مجھ میں حکمت کے خلاف کون سی بات دیکھی کہ آپ کو تعجب ہوا بادشاہ نے جواب دیا میں نے تم میں تین چیزیں ایسی دیکھی ہیں جو اصولِ حکمت پر پوری نہیں اترتیں، حکیم سنائی نے دریافت کیا وہ کیا ہیں؟ بادشاہ نے کہا پہلی بات تو یہ ہے کہ تم ہیجڑے کے گھر کیوں تھے اور کیا کرتے تھے سنائی نے برملا جواب دیا یعنی عمل کے اعتبار سے اس مخنث کے علاوہ کسی کو اپنے جیسا نہیں پایا کیونکہ باوجود یکہ میرے جسم کی ساخت مردوں جیسی ہے اور مجھے مردوں

برائے آنکہ تا بدانی کہ من شخصے ام بے ادب تا بار دیگر مرا بر خود نخوانی و وقت خود را و وقت مرا ضائع نکنی [1]

کی ہیئت وصورت پر پیدا کیا گیا ہے تاہم مجھ سے مردوں کا کوئی کام نہیں ہوتا لہٰذا میں مخنث طریقت ہوں اور وہ مخنث شریعت دوسری بات بادشاہ نے یہ کہی کہ تم جب آئے تو بند ھے اور سکڑے ہاتوں کیوں آئے سنائی نے کہا اس لئے تاکہ تم سمجھ لو کہ میں کسی وقت بھی تمہارے سامنے دست سوال نہیں پھیلاؤں گا۔ تیسری بات یہ کہی کہ تم نے یہ کیا کیا کہ بیٹھے تو پاؤں پسار کر بیٹھے حکیم دانا نے جواب میں کہا اس لئے تاکہ آپ یہ سمجھ لیں کہ میں ایک بے ادب شخص ہوں اور پھر آپ مجھے دوبارہ نہ بلائیں اور میرا اور اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

قرون وسطیٰ میں سلاطین وامرار کو نصیحت کرنے اور ان کو گمراہیوں سے آگاہ کرنے کا ایک موثر طریقہ یہ تھا کہ گزشتہ بادشاہوں کی عبرت آموز داستانیں کچھ اس انداز میں بیان کی جاتی تھیں کہ بادشاہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ نخشبیؒ نے بادشاہوں کو ہدایت کرنے کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ انھوں نے سلک السلوک میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، خلیفہ ہارون الرشید وغیرہ کے واقعات بادشاہوں کی عبرت کے لئے درج کئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص ان سے ملنے کے لئے گیا دیکھا کہ جسم پر ہلدی ملی ہوئی ہے۔ اور بچوں کی طرح رو رہے ہیں اسے سبب دریافت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کے بیٹے کے پاس آکر وجہ پوچھی۔ انھوں نے جواب دیا میرے باپ ہفتہ میں چھ دن خلقت سے احتساب کرتے ہیں ساتویں روز خود اپنے نفس سے امور دین پر پرسش کرتے ہیں۔ آج انھوں نے خود اپنے اتنے کوڑے لگائے ہیں کہ سارا جسم زخمی ہوگیا ہے [2]

خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں حمام میں گیا۔ غلطی سے گرم پانی

---

[1] سلک السلوک ص ۱۲۵ - [2] سلک السلوک ص ۸۸

جسم پر ڈال لیا۔ بس بل بلا اٹھا۔ باہر نکلا تو صدقہ دیا۔ اور کہنے لگا آج تو گرم پانی کی بھی تاب نہیں، قیامت کے دن گرمی ہزار سال کی سلگتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا تو کیا ہوگا۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد نخشبیؒ لکھتے ہیں:

نخشبیؒ نیک غافلی از حشر — اندر روزنم ز بہر تو ریش است
در چہ کارے تو ہیچ میدانی — تا چہ روزِ عظیم در پیش است [1]

ایسے واقعات لکھتے وقت ان کا اندازِ بیان بتا دیتا ہے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے اور وہ کس کو نصیحت کرنے کے لئے بے چین ہیں۔

عبادت و ریاضت | نخشبیؒ کی رگ رگ میں عشقِ حقیقی سمایا ہوا تھا۔ وہ بادۂ عشق کے متوالے تھے۔ خود کہتے ہیں:

نخشبیؒ مستِ بادۂ عشق است

وہ عبادت و ریاضت میں کافی وقت گزارتے تھے۔ ان کے اشعار میں عشقِ حقیقی کی ایک عجیب تپش اور گرمی محسوس ہوتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

نخشبیؒ را ز عشقِ رخسارت — شد ز گریہ ز آب رخسارہ [2]

عاشقاں را وضو ز خونِ خود است — بوالعجب مذہبے است مذہبِ عشق [3]

نخشبی عشق مذہبے است عجب — پندتش کس بیاں چہ خواہد کرد [4]
آنکہ آمد بطرقِ دوست نہد — بر سرِ دشمناں حیر خواہد کرد

ماحول سے دل برداشتگی اور زمانہ کی شکایت | حضرت نخشبیؒ کی تصانیف سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے ماحول سے کچھ دل برداشتہ سے تھے۔ دوستوں کی بے وفائی اور عوام کی مذہب سے بے اعتنائی نے ان کے دل و جگر پر اثر کیا تھا۔ ایک جگہ نہایت حسرت سے لکھتے ہیں:

نخشبیؒ بر زمیں نماند کسے — خونِ من از زمانہ آب شدہ است
دیر شد کایں جہاں ز اہلِ صلاح — شکل دلہا ہمہ خراب شدہ است [5]

پھر دل کو سمجھاتے ہیں:

---

[1] سلک السلوک ص۳۵ [2] جہل ناموس (قلمی نسخہ) [3] سلک السلوک ص۳۴ [4] ایضاً ص۲۶ [5] ایضاً ص۲۶

نخشبی از جفائے خلق مرنج | ایں نصیحت نہ عالم ملکی است
آدمی کیست کو نہ زند زخمے | ہر بد و نیک کاں رسد فلکی است [1]

سلک السلوک میں انھوں نے متعدد جگہ معاصرین کی اخلاقی اور مذہبی پستی پر رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے۔ کہتے ہیں:

"مردماں نام مسلمانی بر خود نہادہ اند و بہانکہ در مسلماناں باید در ایشاں نہ [2] | لوگوں نے اپنے نام مسلمانوں جیسے رکھ لئے ہیں لیکن جو بات مسلمانوں میں ہونی چاہئے ان میں نہیں ہے

چہل ناموس میں لکھتے ہیں ؎

نفس پرستی چہ با در خور است | ما دگر و مذہبِ ما دگر است

نخشبیؒ نے اپنے دوستوں کے ہاتھوں بڑے ظلم سہے تھے " جفائے ہمدماں " نے ان کا دل داغ داغ کر دیا تھا۔ گرز کے شروع میں انھوں نے ایک نظم " در مذمت فلک و ابنائے روزگار " لکھی ہے جو ان کے جذبات کی آئینہ دار ہے، اور پوری سننے کے قابل ہے۔

چہ دور است اینکہ در وے مردمی نیست | جفائے ہمدماں را خود کمی نیست
نماند است از وفا بوئے بمردم | میانِ مردماں شد مردمی گم
بعالم ہر کرا بینی آزمائی | نہ بینی اندرو جز بے وفائی
دگر نہ عافیت ماندی بجائے | چنیں دائم بند وقت وفائے
جہاں تا بود ہمچوں بود یا خود | بوقتے یا چنیں یک بار بد شد
نہ از جورِ زماں کس را امانے | نہ از انصاف در عالم نشانے
فلک نامہرباں و چرخ بد رائے | چگونہ جاں تواں بردن ازیں جائے
گہی باشد کہ ایں گردندہ اجرام | شود از تندی واز توسنی رام
قبائے چرخ پارہ پارہ گردد | فلک در معرضِ نظارہ گردد

---

[1] سلک السلوک صد۲۲ [2] ایضاً صد۳۵ [3]

نہ کس گیرد مہ و خورشید را نام | نہ کارے آید از شمشیر بہرام
برافتد شوم کیواں از میانہ | شرف از مشتری دارد کرانہ
عطارد را شود اوراق پارہ | دف زہرہ بماند از ہزارہ
پدید آید ہمہ سود و زیاں ہا | بشکل نامہ پیچد آسماں ھا
نہ پنج و ہفت آید در جہاں کار | نہ از شش نام گیرد کس نہ از چار
بگیرند از طبائع طبعہا باز | جہانے بہ ازیں بنہند آغاز
اگر زیں دور ما را نفع کم بود | مگر از عالم دیگر بود سود
خود ایں دنیا و دوراں ہیچ ہیچیست | کہ کار او سراسر پیچ پیچیست
اگر کاریست عقبیٰ دارد اے دوست | کسے کو کار عقبیٰ کرد مرد اوست
جہاں آنست ویں ویراں سرائے | زویرانی نتہ تر نیست جائے
چہ بندی دل دریں دنیائے تاری | کہ یکدم نیست بروئے استواری
ضیاء نخشبیؒ از وے میندیش | مدارش استواری دل ازیں بیش

چہل ناموس کے شروع میں بھی ایک طویل نظم میں ان ہی جذبات کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے

ے در کس امروز صفائی مجوئے | از خود و از غیر وفائی مجوئے

آخر نخشبیؒ میں مایوسی اور قنوطیت کے یہ جذبات کیوں پیدا ہوئے ؟ ـــ اس سوال کا جواب نخشبیؒ کی زندگی سے زیادہ، اس عہد کے حالاتِ گرد و پیش میں ملتا ہے۔

نخشبیؒ کی تصانیف عہد تغلق سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ زمانہ وہ تھا جب مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ پر مایوسی اور قنوطیت کا رنگ چھا گیا تھا۔ سیاسی میدان میں اگر محمد بن تغلق نے یہ اعلان کیا تھا کہ

"ملک ما مریض گشت "[۲]

تو دوسری طرف حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے غمگین لہجہ میں فرمایا تھا۔

---

[۱] گل ریز۔ ص ۶-۵ (مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال) [۲] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی

"امروز شیخی کار بازی بچگان شد" [۱]

عبید شاعر نے حسرت بھرے انداز میں کہا تھا ؎

ما کرا شعر و غزل گویم چوں در عہد ما — شاہد موزوں و ممدوح زر افشاں نماند

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح نباتاتی دنیا، بہار و خزاں کے دور سے گزرتی ہے بالکل اسی طرح انسانی سوسائٹی پر بھی مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں ایک دور آتا ہے جب زندگی کے ہر شعبہ میں ترو تازگی، شگفتگی، خوشی اور مسرت ہی کار فرما ہوتی ہے۔ یہ قوموں کی زندگی میں "بہار" کا زمانہ ہوتا ہے۔ خود اعتمادی، بلندیٔ نگاہ و نظر، کردار کی خصوصیات بن جاتی ہیں۔ پھر خزاں کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اور یاس و ناامیدی دلوں کو پژمردہ اور امنگوں کو پست کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ فضائیں بھی تاریک نظر آنے لگتی ہیں۔ خلجیوں کا عہد، اسلامی ہند کی بہار کا زمانہ تھا اس عہد میں جس شاعر، مصنف، عالم، شیخ، سپاہی کی زبان سے جو لفظ نکلتا تھا اس میں امید اور زندگی کی جھلک نمایاں ہوتی تھی، عہد تغلق میں ہر طرف انحطاطی رنگ چھا گیا اور ہر شخص کی زبان سے ناامیدی اور مایوسی کا اظہار ہونے لگا ۔۔۔ بہر حال جب نخشبیؒ نے اپنے ماحول کی شکایت اور زمانہ کا گلہ کیا ہے تو حقیقت میں انھوں نے اپنے زمانہ کے عام رجحانات کی ترجمانی کی ہے۔

شیخ ابو بکر موئے تاب اور مولانا نخشبیؒ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے بدایوں صوفیاء و مشائخ کا مرکز تھا۔ صدہا بزرگ وہاں سکونت پذیر تھے۔ نخشبیؒ کے اگر کسی بزرگ سے تعلقات کا علم ان کی تصانیف سے ہوتا ہے تو وہ شیخ ابو بکر موئے تاب ہیں۔ شیخ موئے تابؒ بدایوں کے مشہور صوفیاء میں تھے [۲]۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء نے فوائد الفواد میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ایک مرتبہ نخشبیؒ ان کی عیادت کے لئے گئے تو انھوں نے بے ساختہ یہ شعر پڑھا ؎

قالب چو غبار است میانِ من و تو — آمد گہ آنکہ از میاں برخیزد [۳]

---

[۱] اخبار الاخیار [۲] یہاں اُن سماجی کیفیات اور تمدنی حالات پر تفصیلی بحث کرنے کا موقع نہیں جن کے باعث اس زمانہ میں ناامیدی کا جذبہ عام ہو گیا تھا۔ اخبار الاخیار میں مختصر ذکر ہے۔ تذکرۃ الواصلین (تذکرہ مشائخ بدایوں، از رضی الدین بسمل) ص
[۳] سلک السلوک ص ۳۱۔

تبحر علمی | ضیاء نخشبیؒ کے تبحر علمی کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے قرآن و حدیث پر اُن کی گہری نظر تھی مشائخ کی تصانیف پر پورا عبور تھا اپنی تصانیف میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی، احادیث اور اقوالِ مشائخ نقل کرتے ہیں سلک السلوک اس اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اس میں اقتباسات و اقوال ایسے برمحل پیش کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا نخشبیؒ کی وسعت معلومات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

نخشبیؒ کئی زبانوں پر عبور رکھتے تھے عربی و فارسی پر تو بڑی قدرت تھی سنسکرت کو نہ صرف سمجھ لیتے تھے بلکہ اس کو فارسی میں منتقل بھی کر سکتے تھے۔ غالباً سریانی زبان سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔

چہل ناموس سے ان کی علم طب سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے تذکرۃ الواصلین سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم موسیقی سے بھی آگاہ تھے[1]

نخشبیؒ کی تصانیف | شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"تصانیف بسیار دارد"[2]

مولانا نخشبیؒ کی جو کتابیں ہم تک پہنچی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) طوطی نامہ

(۲) شرح دعائے سریانی

(۳) چہل ناموس

(۴) سلک السلوک

(۵) گلریز

(۶) لذات النساء

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ نے ان کی ایک اور تصنیف "عشرہ مبشرہ" کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ کتاب دستیاب نہیں ہو سکی۔

طوطی نامہ | مولانا نخشبیؒ کی تصانیف میں، اس کتاب کو خاص شہرت حاصل ہوئی ہے یہ کم و بیش ۵۵۰ صفحات

---

[1] تذکرۃ الواصلین ص۱۳۰ [2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۰۴

پر مشتمل ہے ۔[1] وجہ تالیف کے متعلق دیباچہ میں لکھتے ہیں :

" بزرگے با مندہ گفت ، دریں وقت کتابے مشتمل بر پنجاہ و دو حکایت بزرگے از عبارتے بعبارتے بردہ است وازا صطلاح ہندوی بزبان پارسی آوردہ اما شہب مقال در مضمار اطالت دوانیدہ است و سخن را درازی باقصی الغایۃ رسانیدہ ، وقاعدہ ترتیب را ذوقے و قانون ترکیب را شوقے اصلا مراعات نہ کردہ "[2]

نخشبیؒ نے یہ سن کر خود اس کتاب کو شگفتہ فارسی میں منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا اور ۷۳۰ھ میں طوطی نامہ لکھ کر مکمل کر لیا ۔[3]

طوطی نامہ کے ماخذ کے متعلق بھی عرض کر دینا ضروری ہے ۔ سنسکرت کی ایک مشہور کتاب " کوکا سپتی "[4] ہے ۔ ایک شخص نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا لیکن اصل کی خوبی ترجمہ میں پیدا نہ کر سکا ۔ ضیاء نخشبیؒ نے اپنے دوستوں کے اصرار پر اس کام کو دوبارہ کیا اور اس انداز میں کیا کہ اصل سنسکرت کی پوری روح کو فارسی کے قالب میں ڈھال دیا اور اپنے موزوں قطعات اور رنگین اشعار سے اس میں ایک ایسی دل آویزی پیدا کر دی کہ جو اسے پڑھتا بس مسحور ہو کر رہ جاتا ۔ نخشبیؒ کا ترجمہ ۵۲ ابواب پر مشتمل ہے ۔

شہنشاہ اکبر کو سنسکرت کی کتابوں میں جو دلچسپی تھی اس سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے ۔ اس نے سنسکرت کی متعدد کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کرایا ۔ " کوکا سپتی " کو سادہ زبان میں منتقل کرانے کا خیال آیا تو ابو الفضل کو اسی کام پر متعین کیا ۔ ابو الفضل نے ضیاء نخشبیؒ کے طوطی نامہ کو اور زیادہ سہل بنا دیا ،[5] ۱۷ ویں صدی میں محمد قادری نے اس کا خلاصہ ۳۵ ابواب میں کر دیا ، قادری کا خلاصہ بہت مقبول ہوا اور دنیا

---

[1] میرے پاس طوطی نامہ کے دو قدیم قلمی نسخے ہیں ۔ سنہ کتابت کسی پر درج نہیں ۔ ایک نسخہ (جو گذشتہ سال ہی مجھے دستیاب ہوا ہے) قدامت کے اعتبار سے قابل قدر ہے ۔ کاغذ اور کتابت سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کئی صدی پرانا ہے ۔ میں نے حبیب گنج کے نسخے سے اس کا مقابلہ کرایا اور اس کو حیرت انگیز حد تک صحیح پایا ۔ دوسرا نسخہ ناقص ہے اس کے بعض اجزا غائب ہیں ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں نقل کیا گیا ہے بعض صفحات پر میرے جد اعلیٰ جناب مولوی ابدال محمد صاحب فاروقی مرحوم کے دستخط ہیں اور کچھ حواشی ہیں ، جن سے ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہ کتاب کسی زمانہ میں نصاب میں شامل رہی ہے ۔ طوطی نامہ کے قلمی نسخے بڑی کثرت سے ملتے ہیں ۔ شاید ہی کوئی ایسا قلمی کتب خانہ ہو جس میں طوطی نامہ کے دو ایک نسخے نہ ہوں ۔ [2] طوطی نامہ (قلمی نسخہ) ص ۲ (الف) [3] اختتام پر خود فرماتے ہیں زہجرت ہفتصد و سی بد مرکب ٭ کہ ایں افسانہا کردم مرتب [4] اس کے کچھ حصے کا ترجمہ یونانی زبان میں Galanos نے [5] (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کی دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا۔ ہندی میں غواصی نے ترجمہ کیا۔ بنگالی میں سی۔ منشی نے منتقل کیا۔ ترکی زبان کا جامہ عبداللہ آفندی نے پہنایا[1] حمید لاہوری نے اس کو نظم میں منتقل کیا[2]۔ ایران میں بہت سے افسانے "چہل طوطی" کے نام سے رائج ہیں اسی سے لئے گئے ہیں افسانوں کے ایک ایسے ہی مجموعہ کو V. Zhu Kousky نے ۱۹۰۱ء میں St. Petersburg سے شائع کیا تھا۔

نخشبیؒ کی تصانیف سے یورپ اٹھارویں صدی کے آخر میں متعارف ہوا ۱۷۹۲ء میں M. Gerrans نے "طوطی نامہ" کی بارہ کہانیوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا M. Gerrans ہی غالباً پہلا مستشرق ہے جس نے ضیاء نخشبیؒ کی طرف توجہ کی اور مغرب کو اس سے روشناس کرایا۔

قادری کے خلاصے کو C. I. L. Iklen نے ۱۸۲۲ء میں جرمن زبان میں منتقل کرکر Stuttgart سے شائع کیا۔ اس پر Kosegarten نے ایک دلچسپ مقدمہ لکھا تھا جس میں نخشبیؒ اور ان کی تصانیف پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔

ترکی زبان کے ترجمہ کو L. Rosen نے جرمن میں منتقل کیا۔ اور ۱۸۵۸ء میں Leipzig سے شائع کیا۔

ان میں سے کوئی ترجمہ مکمل نہیں ہے۔ مترجمین نے اپنے ذوق کے مطابق کچھ حکایات کا انتخاب کر کر اپنی زبان میں منتقل کر لیا تھا E. Bertteld نے روسی زبان میں طوطی نامہ کا مکمل ترجمہ کیا ہے۔ Munich میں "طوطی نامہ" کے مکمل فرانسیسی ترجمہ کا ایک قلمی نسخہ ہے جو اب تک شائع نہیں ہو سکا ہے

سلک السلوک | ضیاء نخشبیؒ کی تصانیف میں سلک السلوک کو خاص اہمیت حاصل ہے اس میں ۱۵۱ لڑیاں ہیں جن میں گوہر آبدار کو پرو کر تصوف کے اعلیٰ مضامین کا دلکش تحفہ تیار کیا گیا ہے۔

"این لولوئے آبدار را بر صد و پنجاہ و یک سلک منسلک و منتظم گردانیدہ آمد و این مجموعہ را سلک السلوک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نے کیا تھا۔ جو ۱۸۶۳ء میں Athens سے شائع ہوا [1] Rieu, p75 3Bd [2] یہ ترجمہ ۱۲۵۴ھ میں بولاق اور ۱۲۵۶ھ میں قسطنطنیہ سے شائع ہوا تھا۔

[3] Journal of the Royal Asiatic Society IX p. 163.

نام نہادہ شد۔ وباللہ التوفیق علے الاتمام۔ قطعہ

نخشبیؒ گرچہ مرد درویش است لیک زیں گونہ ملکہا دارد
گر توانگر بخوانمش شاید اینک از درِّ سلکہا دارد [1]

ہر سلک میں کسی اہم مسئلہ کو لے لیتے ہیں۔ مثلاً توبہ۔ مقامات۔ حال۔ وجد۔ قبض وبسط علم الیقین۔ حق الیقین۔ مشاہدہ۔ علم تلوین وتمکین اور پھر ایسی صفائی اور دل کشی سے اسے بیان کرتے ہیں کہ ایک ایک بات دل میں جگہ کرتی چلی جاتی ہے ان کے خیالات کی صفائی اور عبارت کی شگفتگی نے سلک السلوک کو بڑی مفید کتاب بنادیا ہے۔ تصوف کی جس اصطلاح پر بحث کی ہے ایسے انداز میں کی ہے کہ ایک مبتدی بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اصطلاح کی تشریح کے بعد وہ علماء ومشائخ کے اقوال اور احادیث سے اپنے نکتۂ خیال کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنے مخصوص طرز میں "بشنو بشنو" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور کسی دلچسپ قصہ کے ذریعہ اس کی مزید وضاحت کردیتے ہیں ہر سلک کے آخر میں اپنا ایک قطعہ لکھتے ہیں جو اپنی جگہ نگینہ کی طرح جڑا ہوا معلوم ہوتا ہے پوری عبارت اور بحث میں اس کی وجہ سے ایک زور پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ جب کسی نازک مسئلہ پر بحث کرنی ہوتی ہے تو "عزیزمن" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اس اندازِ خطابت نے عبارت کی تاثیر کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ بعض اوقات ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہم خود ضیاء نخشبیؒ کی محفل میں ان کی صدائے دل نواز سن رہے ہیں۔

سلک السلوک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی لٹریچر پر نخشبیؒ کی بڑی اچھی نظر تھی۔ انھوں نے مشائخ کے واقعات کثرت سے بیان کئے ہیں۔ لیکن یہ کرامات کے لا یعنی قصے نہیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں ایک اخلاقی یا مذہبی نکتہ ہے جس سے عام اخلاقی حالت کو درست کرنا مقصود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو سلک السلوک ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ پسند تھی۔ فرماتے تھیا "سلک السلوک او بغایت کتاب شیریں ورنگین است۔ بزبانے لطیف وموثر مشتمل برحکایات مشائخ

---

[1] سلک السلوک [2] اخبار الاخیار۔ ص ۱۰۴

(کلمات الشیاں): ؎

شیخ محدث کی ناقدانہ صلاحیتوں کا یہ کرشمہ ہے کہ انھوں نے چار لفظوں —— شیریں - رنگین لطیف و موثر —— میں اس کی ساری خوبیاں گنا دی ہیں -

جزدیات کلیات | اس کتاب میں مولانا نخشبیؒ نے انسانی جسم کے مختلف اعضاء پر تصوف کے رنگ میں بحث کی ہے - جگہ جگہ طبی نکات بھی بیان کرتے چلے گئے ہیں -

نخشبیؒ کا عقیدہ تھا کہ معرفت الٰہی، بغیر خود کو پہچانے ہوتے حاصل نہیں ہو سکتی -

کسیکہ خود را نشناخت، ہیچ کس را نشناخت جس نے اپنے آپ کو نہ پہچانا تو سمجھ لو اس نے کسی کو بھی نہیں پہچانا -

انھوں نے قرآن پاک کے اس ارشاد کو سامنے رکھ کر

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ

نہایت ہی پر زور انداز میں لکھا ہے -

"... بدیدہ امعان بسر دیا ئے خود نگاہ بکن ودر اجزاء وارکان خود نظرے انداز و ببیں کہ چیزے منسبت کہ از تو دریغ داشتہ باشد مشاطہ عنایت وصورکم فاحسن صورکم فی الارحام کیف یشاء چنانچہ باید آراستہ نقاب رکت اللہ احسن الخالقین والحمد للہ رب العالمین، امادر تو عیب ہمیں است کہ تو خود را نمی شناسی" اپنے سراپا اور اعضاء و جوارح پر عبرت و بصیرت کی نگاہ ڈال اور بار بار ڈال اور دیکھ کہ کسی چیز نے تجھ سے پہلو نہیں بچایا اور کوئی خوبصورتی نہیں جس سے تجھ کو حصہ وافر نہیں ملا مشاطہ قدرت کی کرم فرمائی نے رحم مادر میں تیری صورت بنانے اور سنوارنے ہر طرح کی گلکاریوں سے کام لیا ہے اور جتنی کچھ خوبصورتی سے تجھ کو آراستہ کیا جا سکتا تھا کیا گیا ہے بے شبہ تمام برکتیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو بہترین بنانے والا ہے بس تجھ میں کھوٹ ہے

؎ اخبار الاخیار ص ۲، ایک جزدیات کلیات (قلمی نسخہ) میرے پاس جو نسخہ ہے وہ ۲۵ رشوال ۱۲۰۶ھ کو ملتان میں منشی غلام نبی نے میرے جدامجد مولوی ارشاد علی صاحب امروہوی مرحوم کے لئے نقل کیا تھا نہایت خوشخط اور صاف لکھا ہوا ہے -

تو یہی ہے کہ اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتا اور خود فراموشی
کے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جسدِ انسانی میں تین ہزار جزو ہیں۔ کچھ کو اجزاء بسیط کچھ کو اجزائے مرکبہ کہتے ہیں۔

"عضو بسیط آں است کہ حد جسد جزو او کل باشد یعنی اطلاق اسم جزو او بر کل او ہم تواں کرد...... و ہر جزوے کہ جزو او نیست یعنی اطلاق جزو بر کل او نتواں کرد جزو مرکب است"

اسی اصول کے پیشِ نظر انھوں نے کتاب کا نام "جزدیات کلیات" رکھا تھا فرماتے ہیں:

"ہر جزو کہ دریں مجموعہ ذکر است از بس کہ آں جزو در محل خویش بمنزلہ کل بود دایں مجموعہ جزدیات کلیات نام نہادہ شد"

اس کا لقب انھوں نے ناموس اکبر تجویز کیا تھا اور اس کو چہل ناموس پر ترتیب دیا تھا[1] جن کے عنوانات یہ ہیں:

ناموس اول در مناقب مو	ناموس دوئم در مناقب سر
ناموس سوئم در مناقب دماغ	ناموس چہارم در مناقب پیشانی
ناموس پنجم در مناقب ابرو	ناموس ششم در مناقب پلک
ناموس ہفتم در مناقب مژہ	ناموس ہشتم در مناقب چشم
ناموس نہم در مناقب اشک	ناموس دہم در مناقب بینی
ناموس یازدہم در مناقب رخسارہ	ناموس دوازدہم در مناقب گوش
ناموس سیزدہم در مناقب زلف	ناموس چہاردہم در مناقب خط
ناموس پانزدہم در مناقب لب	ناموس شانزدہم در مناقب دہان
ناموس ہفدہم در مناقب دندان	ناموس ہژدہم در مناقب زبان
ناموس نوزدہم در مناقب زنخ	ناموس بیستم در مناقب رد

[1] جزدیات کلیات، ناموس اکبر، چہل ناموس ایک ہی کتاب کے تین نام ہیں بعض مصنفین نے غلطی سے ان کو تین علیحدہ کتابیں تصور کیا ہے۔

ناموس بیست یکم درمناقب خال	ناموس بیست دوم درمناقب گلو
ناموس بیست سوم درمناقب گردن	ناموس بیست چہارم درمناقب پشت
ناموس بیست پنجم درمناقب استخواں	ناموس بیست ششم درمناقب بازو
ناموس بیست ہفتم درمناقب رگ	ناموس بیست ہشتم درمناقب خون
ناموس بیست نہم درمناقب دست	ناموس سی ام درمناقب انگشت
ناموس سی یکم درمناقب ناخون	ناموس سی ودوم درمناقب سینہ
ناموس سی وسوم درمناقب دل	ناموس سی وچہارم درمناقب روح
ناموس سی وپنجم درمناقب پہلو	ناموس سی وششم درمناقب شکم
ناموس سی وہفتم درمناقب کمر	ناموس سی وہشتم درمناقب زانو
ناموس سی ونہم درمناقب ساق	ناموس چہلم درمناقب پائے۔

اس کتاب کی تصنیف سے بخشیؒ کا جو مقصد تھا وہ بھی ان کی زبان سے سننے کے قابل ہے؟ لکھتے ہیں

"بندہ را از تقریر ایں اعضار... مقصود آں بود تا دریں پردہ بعبارت دلفریب و بشارت عاشقانہ کہ آزا مرغان زیرک زبان مرغاں خوانند کلمہ چند شوق آمیز و سخنے چند عشق آمیز بنشتہ آید سے

عاشقاں زآں سخنے کہ در دل شاں است

بہر گفتن بہانہ خواہند"

"جزدیات کلیات" کی ترتیب کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔ بخشیؒ نے مختصر حمد و نعت کے بعد دنیا کی مذمت میں ایک طویل نظم لکھی ہے اس کے بعد ایک جامع مقدمہ ہے جس میں بتلایا ہے کہ سے

آنکہ او در حق خود جاہل بود — در حق بیگانہ عالم کے شود

اس کے بعد علیحدہ علیحدہ باب میں مختلف اعضار انسانی پر صوفیانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔ ہر باب کے خاتمہ پر ایک چھوٹی سی غزل لکھی ہے . . . . کتاب کے

خاتمہ پر ایک طویل دعائیہ نظم درج ہے۔ نمونہ کے طور پر وہ غزل سنئے جو نخشبیؒ نے رخسارہ کے متعلق اس باب کے آخر میں لکھی ہے:

اے مہِ آفتابِ رخسارہ چند دارم در آب رخسارہ
تا بدیدم رخِ تو از ناخن کردم اینک جز آب رخسارہ
مہ شود در نقاب گرداری یک دم بے نقاب رخسارہ
جز برویت ندید ہیچ کسے از مہ و آفتاب رخسارہ
وقت نظارہ ام بکوچہ شود گر بپوشی شتاب رخسارہ
عرقِ اشک من برائے بتاں کرد بر رد کباب رخسارہ
نخشبی را ز عشق رخسارت شد ز گریہ ز آب رخسارہ

نخشبی نے یہ کتاب ۷۳۰ھ میں مکمل کی تھی خاتمہ پر لکھتے ہیں:-

نہادم بر رخِ عالم چو ایں خال ز ہجرت ہفتصد و سی بود آں سال

غلام معین الدین نے چہل ناموس کو نخشبی کی سب تصانیف میں پہلا درجہ دیا ہے اور اس کی رنگینی، دل آویزی، شگفتگی اور بے ساختگی کی تعریف کی ہے اور پچاس صفحہ کا ایک طویل اقتباس دے کر اس کی خوبیاں بیان کی ہیں[1]

شرح دعائے زبانی| حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے زبور کی ایک سورۃ کو عربی نظم میں منتقل کیا تھا نخشبیؒ نے اس عربی نظم کی شرح فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس سورۃ کے متعلق نخشبیؒ کا بیان ہے:

ایں سورہ در زبور ہمچناں است کہ سورہ الرحمٰن در قرآن" یہ سورۃ زبور میں ایسی ہی ہے جیسے قرآن مجید میں سورہ الرحمٰن۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو جب کوئی مہم پیش آتی تھی تو سر بسجود ہو کر اسی سورہ کو پڑھتے تھے۔ نخشبی نے بالکل ان ہی جذبات کے ماتحت جن سے متاثر ہو کر خواجہ سنائی نے کہا تھا

---

[1] ملاحظہ ہو "معارج الولایت" قلمی (جلد اول)

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی　　مکان کز بہر حق جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

اس کی طرف توجہ کی۔ خود کہتے ہیں

نخشبیؒ کار تست کشفِ رموز　　نخته این و آں چہ می خوانی

گرچہ بعد (۔ ؟ ۔) تو تا سر پا　　کشف کن ہاں رموز سُریانی[۱]

نخشبیؒ نے یہ شرح ۷۲۵ھ میں پوری کر لی تھی۔ کتاب کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

ہفتصد و بیست ہشت از ہجرت　　کردہ شد ایں چنیں ۔۔۔۔ (؟)

کتاب کی ترتیب یہ ہے کہ مختصر سے مقدمہ کے بعد، نخشبی نے حضرت عبداللہ بن عباس کے ایک ایک عربی شعر کو علیحدہ علیحدہ لیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے عربی کے کل ۳۷ اشعار ہیں جن کی شرح ۹۵ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب کے خاتمہ پر نخشبیؒ نے حسب دستور ایک نظم لکھی ہے جو ان کے حالات وجذبات کی آئینہ دار ہے۔ لکھتے ہیں:

نخشبیؒ خوش نبشتی ایں کلمات　　بر دلفظ ۔۔۔۔ از آب حیات

جز ز کلک تو اندریں میدان　　اسپ معنی کہ کردہ بر جولاں

سخن خوشگوار خوش گفتی　　دُرِ ناسفتہ را نکو سفتی

حقہ سر بمہر بکشادی　　داد ایں داستاں نکو دادی

کلمات خوشش تو در ہمہ حال　　بر ورق می کنند سحر حلال

قلمت ہر سخن نکو بزیرد　　کلک تو در قیمتی ریزد

خامہ ات کارہائے خندہ کند　　لفظ تو جان مردہ زندہ کند

---

[۱] میرے پاس "شرح دعائے سریانی" کا ایک نہایت قدیم نسخہ ہے جو ۹۵ صفحات پر مشتمل ہے سنہ کتابت درج نہیں۔ کاغذ نہایت خستہ اور قدیم ہے مجھے یاد پڑتا ہے کہ دادا صاحب مرحوم (مولوی فرید احمد صاحب نظامی) اس نسخہ کی خاص احتیاط کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ قدامت کے اعتبار سے یہ بہت قابل قدر ہے

من کہ از جام عشق سرمستم — گرچہ از نقد با تہی دستم

گلریز؛ گلریز ایک دلچسپ افسانہ ہے جس میں معصوم شاہ اور نوشابہ کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔ کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سے شائع ہوچکی ہے اور ۱۰۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

گلریز میں نخشبی نے مقفیٰ عبارت کے کمال دکھائے ہیں۔ افسانوی حیثیت سے قطع نظر، ادبی اعتبار سے گلریز خاص توجہ کی مستحق ہے۔ تالیف کا سبب نخشبی نے یہ بیان کیا ہے:

شبے خرم تر از صد روز نوروز — ز صبح عید ہم پیسنر سے دل افروز
من و دل یک دگر بودیم خرم — دراں خلوت بجز دل محرمی کم
دو چشم خیرہ در اسرار قدسی — سر زانو سرم گشت چرخ و کرسی
دریں اندیشہ کیں چرخ خطرناک — بخواہد کرد مارا عاقبت خاک
بباید کرد در آفاق کارے — کہ بعد از ما بماند یادگارے
مرا خاطر براں آورد کاکنوں — ز نوک خامہ ریزم در مکنوں
چو شد پرداختہ از فکر شب خیز — نہادم نام ایں افسانہ گل ریزہ

اس افسانہ میں حقیقت کا کوئی جزو نہ تھا۔ یہ سب نخشبی کے تخیل کی پیداوار تھی۔ خود کہتے ہیں

نبودہ ست ایں حکایت در زمانہ — تماماً اختراع ست ایں افسانہ

طرز بیان کا اندازہ کتاب کے ان ابتدائی جملوں سے لگایا جا سکتا ہے:

"گویندہ ایں افسانہ۔ و ساز ندۂ ایں ترانہ۔ و نشانندۂ ایں نشانہ ضیاء نخشبی . . . . . چنیں گوید کہ حاکیان حکایت شاہ۔ و راویان روایات رائقہ . . . ." [۲]

گلریز کا سنہ تصنیف کہیں درج نہیں۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی کاوش ہے زمانہ کی شکایت گلریز میں بہت جگہ اور مختلف انداز میں کی گئی ہے۔ افسانہ ان کے وطن نخشب سے متعلق رکھا گیا ہے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب نخشبی نے اس وقت لکھی تھی جب وہ اپنے وطن کو

---

[۱] گلریز مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی۔ ص ۔ [۲] ایضاً ص ۹

نامساعد حالات کے باعث چھوڑ کر ہندوستان آ گئے تھے۔ بعض جگہ وطن سے علیحدگی پر دل کی خاموش تکلیف کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

لذات النساء | نخشبی نے کوک شاستر کا فارسی ترجمہ لذات النساء کے نام سے کیا تھا اس کا کوئی نسخہ ہندوستان میں دستیاب نہیں ہوتا صرف copenhagen کے ایک کتب خانہ میں اس کا ایک قدیم قلمی نسخہ ملتا ہے [۱]۔

نخشبیؒ کی تصانیف میں اردو الفاظ | مولانا نخشبیؒ کی تصانیف میں اردو کے الفاظ بہ کثرت ملتے ہیں بوریا۔ مسکہ۔ جوکھا بھت۔ زکھیلہ۔ چاکسو۔ دہاتورہ۔ کدو۔ خربوزہ وغیرہ [۲] الفاظ بہ کثرت استعمال کئے گئے ہیں۔

نخشبیؒ کے قطعات | نخشبیؒ کے قطعات کو بڑی شہرت حاصل ہوئی ہے وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قطعات میں پند و نصائح کو نہایت دلچسپ اور موثر طریقہ پر نظم کیا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے بیٹوں کے نام جو خطوط لکھے ہیں ان میں نخشبی کے قطعات متعدد جگہ نقل کئے گئے ہیں۔ چند قطعات ملاحظہ ہوں:

(۱) نخشبی خیز با زمانہ بساز ورنہ خود را نشانہ ساختن است
زیرکان جہاں چنیں گویند زیرکی بازمانہ ساختن است
طوطی نامہ

(۲) نخشبی گوش باش در ہمہ تن نہ زبان تا ہمہ زبان شنوی
یک زبان دو گوش را دادند تا یگان گوئی و دوگاں شنوی [۳]
چہل ناموس

(۳) نخشبی مذہب میانہ گزیں و اندریں خود اشارت نبوی است
کارہا میانہ کارسے داں امر اسلم ہمیں میانہ روی است
طوطی نامہ

---

[۱] ملاحظہ ہو Mehren Codices Persici etc Bibliothecae regiae Hafniensis, Copenhagen. 1857. p. 15 No: XXXVI

[۲] بھت کے علاوہ (جو طوطی نامہ میں ہے) باقی سب الفاظ چہل ناموس سے لئے گئے ہیں [۳] ذوق کا مشہور شعر ہے۔
کہے ایک جب سن لے دو کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

(۴) نخشبی صبر کار ہا دارد
وقت او خوش کہ ایں نمط بشناخت
ہر کہ در درد وے خویش صبرے کرد
درد او را خدائے دارد ساخت
(سلک السلوک)

(۵) نے نکتۂ عشق را ادیباں دانند
نے علت شوق را طبیباں دانند
اندوہ غریبی بکسے نتواں گفت
دردیست غریبی کہ غریباں دانند
(گلریز)

(۶) نخشبی انتقام چیزے نیست
خلق را جز کہ چوں غلام مباش
گر تو وقتے ز کس شوی رنجہ
تا توانی در انتقام مباش
(شرح دعائے سریانی)

(۷) نخشبی دولتے ست تنہائی
تا چہ دولت کہ مرد تنہا بُرد
ہر کہ تنہا بزیست با حق زیست
و آنکہ با حق نزیست تنہا مرد
(سلک السلوک)

(۸) نخشبی خانہ بر زمیں چہ کُنی
نقد خود کس بخاک روہ نہ بد
آنکہ ویرانیِ جہاں دیداست
خشت بر خشت ہیچ گہ ننہد
(سلک السلوک)

(۹) نخشبی با خوشی چہ کار ترا
سینۂ مجرماں فگار بود
دم خوش ہیچ وقت بر نارد
ہر کہ چوں تو گناہ گار بود
(سلک السلوک)

(۱۰) نخشبی خواست تا رود امشب
سوئے خوبی کہ زد ز خوبی کوس
صبح از رفتنش بشد مانع
دشمن عاشقانست صبح خروس
(طوطی نامہ)

نعت رسولؐ | نخشبیؒ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت اور گہرا تعلق تھا اس کا اظہار ان مختصر مگر پرجوش نظموں سے ہوتا ہے جو انھوں نے اپنی تصانیف کے شروع میں مدح رسولؐ میں لکھی ہیں طوطی نامہ میں لکھتے ہیں۔

پیامے دارم و بس خوش پیامے	کہ خواہد برد از ما یک سلامے
بسوئے روضۂ پاکے رسولے	کہ بے او عرش را نبود قبولے
بمدح مدحت محمود عالم	محمد آنکہ شد مقصودِ عالم
جہاں را راہ حق بنمودہ او	مکان و لامکاں پیمودہ او
سروش از غاشیہ داران آں در	رواقِ بے ستون ایوان آں در
سوادِ السنی و جانی گرفتہ	بہ تیغِ فقر سلطانی گرفتہ
کشادہ کارہائے پیچ در پیچ	بچشم ہمتش عالم ہمہ ہیچ
بہ پیشش شیر شرزہ میس پیشہ	دو عالم را شہ درویش پیشہ
ضیائے نخشبی باشد غلامش	جہاں زد سکۂ شاہی بنامش

نخشبیؒ اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ | شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ضیاءالدین نام کے تین شخص تھے۔ ضیاءالدین سنامی[1]، ضیاءالدین برنی[2] اور ضیاءالدین نخشبی۔ پہلے بزرگ حضرت شیخ نظام الدین

---

[1] مولانا ضیاءالدین سنامی، تقوی و دیانت میں مشہور تھے۔ احتساب کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے ایک رسالہ نصاب الاحتساب لکھا تھا۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے سماع کے مسئلہ پر اختلاف رکھتے تھے اور اسی بنا پر ان کی مخالفت کرتے تھے۔ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے مولانا سنامی نے اپنا دستار چہ راہ میں بچھوا دیا۔ شیخ نظام الدین اولیاء نے اٹھا کر آنکھوں سے لگا لیا۔ ملاقات کے فوراً بعد ہی مولانا سنامی کا انتقال ہوگیا۔ حضرت محبوب الٰہی رونے لگے اور نہایت افسوس سے فرمایا

"یک ذات بود، حامی شریعت حنیف کہ آں نیز نہ ماند" (ملت حنیفی اور شریعت حق کی حامی اور پیرو ایک ذات رہ گئی تھی افسوس اب وہ بھی اٹھ گئی) اخبار الاخیار ص ۱۰۰

[2] مولانا ضیاءالدین برنی اپنے زمانہ کے مشہور مصنف اور مورخ تھے۔ ان کی تصنیف "تاریخ فیروز شاہی" ہند کے
(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

کے منکر تھے، دوسرے ان کے معتقد تھے تیسرے نہ معتقد تھے نہ منکر[۱]۔ گلزار ابرار کے مصنف نے یہ اشعار بھی لکھے ہیں

برنیؔ و نخشبیؔ و سناؔمی نام این ہر سہ تن ضیا بودہ
اولین معتقد پسیں منکر ثانی از ہر دو بے نوا بودہ[۲]

میرے خیال میں یہ کہنا کہ مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ، حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی جانب سے بالکل بے تعلق تھے کچھ زیادہ صحیح نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کسی تذکرہ نویس نے ان کو حضرت محبوب الٰہی کا مرید نہیں بتایا لیکن جہاں تک افکار کا تعلق ہے، نخشبیؒ بڑی حد تک ان سے متاثر تھے۔ سلک السلوک کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نخشبیؒ نے حضرت شیخ کے بہت سے خیالات کو اپنایا تھا۔ فوائد الفواد اور سلک السلوک کی بعض عبارتیں اس سلسلہ میں قابل غور ہیں۔

فوائد الفواد میں ہے۔

"سخن در سلوک افتاد۔ فرمود کہ روندہ روئے بکمال دارد، یعنی سالک تا در سلوک است امید دار کمالیت است بعد ازاں فرمود کہ سالک است و واقف است و راجع است اما سالک آنست کہ او در راہ رود۔ واقف آنست کہ او را دفقہ افتد منہ عرعنداشت کرد کہ سالک را ہم وقفہ باشد۔ فرمود کہ آرے ہرگاہ کہ سالک را در طاعت فتورے افتاد چنانکہ از ذوق طاعت بماند او را وقفہ باشد۔ اگر زود دریابد و تائب بپیوندد باز سالک تواند بود۔ و اگر عیاذاً باللہ ہمبریں بماند بیم آں باشد کہ راجع شود۔ بعد ازاں لغزش این راہ را بر ہفت قسمت بیان فرمود، اعراض، حجاب، تفاصل۔ سلب مزید، سلب قدیم، تسلی، عداوت۔ این قسم را تفصیل فرمود کہ دو دوست باشند عاشق و معشوق، مستغرق محبت یک دیگر درمیان اگر از عاشقے یا سکتے یا توپتی در وجود آید کہ نہ پسندیدہ دوست او بود آں دوست ازوے اعراض کند، یعنی روئے بگرداند پس عاشق را واجب است کہ در حال باستغفا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) قرون وسطیٰ کی نہایت اہم تاریخوں میں شمار کی جاتی ہے اس کے علاوہ انھوں نے تاریخ آل برمک، حسرت نامہ، صحیفۂ نعت محمدی، فتاوائے جہانداری وغیرہ کتابیں تصنیف کی تھیں۔ اول الذکر ایک عربی کتاب کا فارسی ترجمہ ہے

[۱] اخبار الاخیار [۲] گلزار ابرار۔ ص ۱۳۸۔ ۱۳۷

مشغول شود و بمعذرت پیوندد۔ ہر آئینہ دوست او از و راضی شود اندک مایہ اعراضے کہ بودہ باشد ناچیز گردد واگر آں محب ہمبراں خطا اصرار کند، و عذر آں نخواہد آں اعراض بحجاب کشد۔ معشوق حجابے درمیاں آرد. . . . . اگر دراں باب آہستگی رود آں حجاب بتفاصل کشد چہ شود یعنی آں دوست از دے جدائی گزیند۔ پس اول اعراضے بیش نبود چوں عذر نخواست، حجاب شد و چوں ہمبراں ناپسندیدگی مصر ماند، تفاصل شد۔ پس اگر از دوست مستغفر نشود، سلب مزید شود۔ مزیدیت کہ او را بود، در ذوق طاعت و عبادت و اوراد، آں از و باز ستانند۔ پس اگر ہم عذر آں نخواہد و براں بطالت بماند، سلب قدیم شود، طاعتے و راحتے کہ بیش از مزید داشتہ است آں را ہم بستانند پس اگر اینجا ہم در توبہ بتقصیرے رود بعد ازاں تسلی باشد و تسلی آنست کہ دوست او بجدائی او دل بیارامد پس ہم درانابت اہمال رود، عداوت پیدا شود، آں محبت کہ بودہ باشد، بعداوت مبدل شود۔ نعوذ باللہ منہا بالعین والراس[1]

سلک السلوک میں ضیا نخشبیؒ لکھتے ہیں:

"بباید دانست سالک تا راہ معرفت مسلوک می دارد و امید دار کمالیت است و در اصطلاح علم سلوک یکے را سالک خوانند و دوم را واقف و سوم را راجع، سالک آنست کہ او ایں راہ بر سبیل استمرار طے کند، اگر دریں کلاندک وقفہ روے دہد او را واقف خوانند، اگر زود از اندارک نکند آں وقفہ را بانابت مقرون نگرداند بیم آں باشد کہ راجع گردد و لغزش ایں راہ بر ہفت نوع است، یکے را اعراض خوانند و دوم را حجاب و سوم را تفاصل، چہارم را سلب مزید، پنجم را سلب قدیم، و ششم را تسلی و ہفتم را عداوت و صورت ایں چناں باشد عاشق و معشوق باشند مستغرق المحبت یک دیگر، دریں میاں اگر از عاشق چیزے در وجود آید کہ آں ناپسندیدہ معشوق بود از و اعراض کند اگر عاشق زود بمعذرت مشغول شد آں اندک اعراض کہ از معشوق بودہ باشد ناچیز گردد و کار محبت بر قاعدہ اصلی باز رود و اگر عاشق براں خطا اصرار کند آں اعراض بحجاب کشد و اگر ازاں ہم مستغفر نشود آں حجاب بہ تفاصل کشد اگر ازاں ہم مستغفر نشود آں تفاصل یعنی آں جدائی بسلب مزید کشد، یعنی مزیدے کہ او را بودہ باشد از ذوق طاعت و عبادت آں را از و باز ستانند اگر ہنوز مستغفر نشود آں سلب مزید بسلب قدیم کشد یعنی راحتے

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۳-۱۲

وطاعتے کہ اور ابیش از مرید بودہ باشد آنہم از و بازبستانند واگر ہنوز مستغفر نشود وقدیم متسلی کشند و تسلی آں باشد کہ معشوق را بر جدائی عاشق دل قرار گیرد، اگر زیں ہم مستغفر نشود بعداوت کشند یعنی از ہم محبت بعداوت بدل گردد نعوذ باللہ منہا"[1]

فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہیؒ معجزہ کرامت وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"معجزہ از آں انبیا ست کہ ایشاں را علم کامل وعمل کامل باشد۔ وایشاں صاحب وحی اند، انچہ ایشاں اظہار کنند آں معجزہ باشد اما کرامت آنست کہ اولیاء را باشد ایشاں را نیز علم وعمل کامل باشد، فرق ہمیں است کہ ایشاں مغلوب باشند انچہ از ایشاں در ظہور آید آں کرامت باشد اما معونت آنست کہ بعضے مجانین باشند کہ ایشاں را نہ علمے باشد و عملے گاہ گاہ از ایشاں چیزے برخلاف عادت معاینہ افتد، آں را معونت گویند اما استدراج آنرا گویند کہ طائفہ باشند ایشاں را اصلاً ایمان نباشد چوں اہل سحر وغیرہ آں چیزے از ایشاں دیدہ شود آں را استدراج گویند"[2]

سلک السلوک میں ضیاء نخشبیؒ لکھتے ہیں۔

"معجزہ حق انبیاء است کہ ایشاں را ہم علم کامل باشد و ہم عمل و کرامت اولیاء را باشد کہ ایشاں را نیز علم و عمل کامل باشد و معونت آنست کہ بعضے مجانین باشند کہ ایشاں را نہ علم باشد و نہ عمل گاہ گاہ از ایشاں ہم بر خرق عادت چیزے در وجود آید و استدراج آنست کہ طائفہ باشند کہ ایشاں را اصلاً ایمان نباشد اما از ایشاں ہم وقتے چیزے برخلاف قاعدہ اصلی دیدہ شود، چنانچہ سحر و غیر آں"[3]

علاوہ ازیں سلک السلوک میں اور بہت سے مقامات ہیں (مثلاً تائب دستی پر بحث[4]، زکوٰۃ کی تشریح برہمن کا واقعہ[6]) جو فوائد الفواد سے لئے گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ضیاء نخشبیؒ کی حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ سے کبھی ملاقات نہ ہوئی ہو لیکن شیخ اولیاء سے ان کی بے تعلقی کبھی تسلیم نہیں کی جا سکتی۔ سلک السلوک لکھنے والے کی اساسِ فکر فوائد الفواد کے اصلی مصنف سے متاثر ہے۔ سلک السلوک کا اندازِ بیان بدل گیا ہے۔ لیکن بنیادی اعتبار سے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی تعلیمات کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔

---

۱ سلک السلوک ص ۱۵۔۱۴ ۲ فوائد الفواد ص ۹۶ ۳ سلک السلوک ص ۱۵ ۴ سلک السلوک ص ۴۴
۵ سلک السلوک ص ۵۰ ۶ ایضاً ص ۵۰

نخشبی کا انتقال مولانا ضیاء الدین نخشبیؒ نے ۷۵۱ھ مطابق ۱۳۵۰ء کو وصال فرمایا[1] مصنف تذکرۃ الواصلین کا بیان ہے:

"مرقد شریف آپ کا بمقام بدایوں چبوترہ حضرت شہاب الدین مہرہ پر پیر مکہ صاحب کی زیارت سے جانب گوشہ غرب و جنوب واقع ہے"[2]

---

[1] اخبار الاخیار ص [2] تذکرۃ الواصلین ص

امیرالامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

از

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۳)

احمد شاہ نے غلزئی پٹھانوں کے ساتھ مغلوب دشمنوں کا سا برتاؤ کیا۔

تاج شاہی سر پر رکھنے کے وقت احمد شاہ کی عمر ۲۵ برس کی تھی اس نے اپنا لقب دُرِّ دَوران رکھا چنانچہ اس دن سے اس کی ساری ابدالی قوم دُرّانی بن گئی۔

کچھ عرصہ بعد احمد شاہ کابل پر حملہ آور ہوا جس پر بڑی سہولت سے قابض ہو گیا مگر اپنا مستقر الخلافہ قندھار ہی کو رکھا۔ کابل کے بعد غزنین کو فتح کیا اب اس کی نگاہیں ہندوستان کی طرف لگنے لگیں کیونکہ نادر شاہ کے مشرقی مفتوحہ قلمرو کا یہی مستحق اپنے کو جانتا تھا چنانچہ پنجاب کا علاقہ محمد شاہ نے نادر کو دے دیا تھا احمد شاہ کو خیال ہوا اس کا مالک میں ہی ہوں اور وہاں کی بدنظمی کی اصلاح مجھے ہی کرنا چاہیے چنانچہ پنجاب پر قبضہ کرنے کے ارادے سے ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ عازم ہند ہوا اور پنجاب پر حملہ کر دیا یہاں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہوئی اس نے بڑھ کر لاہور پر تصرف کیا پھر آگے بڑھ کر سرہند پہنچا تو دہلی کا وزیر اعظم قمر الدین خاں جس نے سلطنت دہلی کو اپنے ہاتھ کا کھلونہ بنا رکھا تھا آ کے مقابل ہوا وزیر کے ساتھ اس کا بہادر بیٹا "میر منو" بھی تھا سخت لڑائی ہوئی وزیر دہلی کام آیا مگر میر منو نے جوہر شجاعت دکھا کر افغانی فوج کو شکست دے دی احمد شاہ درانی بے نیل و مرام افغانستان واپس گیا۔

میر منو محمد شاہ کی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر ہو گیا۔

اس واقعہ کے چند روز بعد ہی محمد شاہ بادشاہ دہلی نے انتقال کیا۔ اس کی وفات کی خبر سنتے ہی احمد شاہ پھر پنجاب پر حملہ آور ہوا ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء میں یہ دوسرا حملہ تھا میر منو کو دہلی سے کوئی مدد نہ ملی مجبوراً اس نے احمد شاہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا اور صوبجات لاہور ملتان اس کے حوالہ کر دئے یہ فتح حاصل کر کے احمد شاہ دیرہ جات ملتان اور شکارپور ہوتا ہوا اور ان شہروں پر اپنا تسلط جماتا ہوا بولان گھاٹی کی راہ سے کابل واپس چلا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی خراسان کے جھگڑوں میں پھنس گیا ہرات اور مشہد مقدس فتح کئے اور نادر کے بیٹے شاہ رخ کو وہاں کا حاکم بنا دیا اور خود آگے بڑھ کر نیشاپور پر قابض ہوا دوسرے ہی سال شہر قائن کے حاکم میر عالم خاں نے ناگہاں حملہ کر کے شاہ رخ کو پکڑ لیا اور اس کی آنکھیں نکلوا ڈالیں۔ احمد شاہ کو خبر ہوئی وہ بلائے بے درماں کی طرح جا پہنچا میر عالم خاں کو شکست دے کر اس کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور نابینا شاہ رخ کو دوبارا تخت پر بٹھایا۔

اس سال احمد شاہ سے اور ایران کی برسر عروج قاچاری قوت سے مقابلہ ہوا جس کا مرکز آذربائیجان تھا۔ یہ لڑائی شہر رشید آباد میں ہوئی جس میں احمد شاہ کو ناکامیابی ہوئی پھر اس نے اس طرف رخ نہ کیا لیکن خراسان پوری طرح زیر حکومت تھا اس پر ہی اکتفا کیا پانچویں سال مشہد ہی میں پہلے پہل اس کے نام کا سکہ چلایا گیا۔

لاہور میں احمد شاہ کے واپس جانے کے کئی سال بعد ۱۱۶۹ھ ۱۷۵۵ء میں میر منو راہی ملک بقا ہوا اس کے مرتے ہی اس کی حوصلہ مند بیوی مغلانی بیگم مشہور مراد بیگم نے ابدالی سے باغیانہ طور پر اور شاہ دہلی سے اجازت لے کر پنجاب کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور میر منو کے نایب آدینہ بیگ کے ساتھ حکومت کرنے لگی۔

وزیر غازی الدین نے سوچا کہ پنجاب کو دلی سے ملحق کر لیا جائے چنانچہ مغلانی بیگم کی بیٹی کو اپنے عقد میں لایا اور ساس و بیوی دونوں کو دہلی لے آیا۔ اس طرح پنجاب کو آدینہ بیگ کے سپرد کر کے اپنے زیر فرمان کیا۔ ان واقعات کی خبر احمد شاہ تک پہنچی تو وہ ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۶ء میں تیسری بار ہندوستان کی طرف

عازم ہوا آتے ہی آدینہ بیگ کو جو وہاں کا والی بنا دیا گیا تھا نکال باہر کیا اور پنجاب کو زیر فرمان کر کے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ اور وزیر ہردو اس خبر سے فکرمند ہوئے نجیب الدولہ نے فوراً جا کے احمد شاہ سے ملاقات کی غرضیکہ احمد شاہ اس شان و شکوہ سے دہلی میں داخل ہوا کہ شہنشاہ عالمگیر ثانی اور وزیر عماد الملک دونوں اس کے جلوس میں تھے۔

احمد شاہ چالیس دن تک دہلی میں اقامت پذیر رہا اسکے نام کا سکہ تک چلنے لگا جس میں ۱۱۷۰ھ ڈالا گیا دہلی سے متھرا گیا۔ جاٹوں کا مسئلہ تھا۔ انھوں نے دلی اور آگرہ میں لوٹ مار مچا رکھی تھی اور باشندوں پر ظلم توڑ رہے تھے احمد شاہ کو اطلاع ملی اس نے متھرا کو لٹوا دیا اور جاٹوں کو سخت سزا دی۔ کابل جاتے وقت اس نے نجیب الدولہ کو سلطنت مغلیہ کا کارپرداز مقرر کیا اور تمام اختیارات اس کے ہاتھ میں دیدیے۔ اپنے بیٹے تیمور کے ساتھ عالمگیر ثانی کی بیٹی کی شادی کر دی تاکہ مغلیہ حکومت سے رشتۂ قرابت قایم رہے۔ اور محمد شاہ کی بیٹی کو خود اپنے عقد نکاح میں لایا۔ وطن رخصت ہوتے ہوتے تیمور کو پنجاب کا حاکم بنا تا گیا اور تیمور شاہ سے کہتا گیا آدینہ بیگ کو جس نے بغاوت کر رکھی ہے اس کو پکڑ کر معقول سزا دے مگر تیمور میں احمد شاہ کی سی شجاعت اور خوش تدبیری نہ تھی احمد شاہ کے کابل جاتے ہی آدینہ بیگ نے اور زیادہ سر اٹھایا سکھوں کے علاوہ مرہٹوں نے بھی آدینہ بیگ سے ساز باز کیا آخر شعبان ۱۱۷۱ھ میں شہر لاہور تیمور شاہ سے چھین لیا۔ ساتھ ہی سکھوں نے امرتسر پر قبضہ کر لیا۔ اور یورش کر کے سرہند سے بارونق شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مرہٹے اتنے خود سر ہوئے کہ وہ ملتان تک قصبوں اور شہروں کو تاراج کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ اور شہر اٹک پر حملہ آور ہوئے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا۔

احمد شاہ نے ان واقعات کی آگاہی کے بعد چوتھی مرتبہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری کر دی اور سکھ اور مرہٹوں کی زیادتی اور ظلم و تشدد کے دفعیہ کے لئے مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ ۱۱۷۳ھ میں پھر ہندوستان آیا وہ منازل سفر طے کر رہا تھا کہ دہلی میں غازی الدین خاں نے عالمگیر ثانی کو قتل کرا ڈالا اس کا نوعمر شاہزادہ عالی گوہر (شاہ عالم) اپنی جان بچا کر پہلے نجیب الدولہ کے پاس گیا وہاں سے شجاع الدولہ

جو انگریزوں سے ساز باز کئے ہوئے تھا پھر شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے پوتے محی السنۃ ابن کام بخش کو تخت نشین کر دیا اور شاہجہان ثانی خطاب سے ملقب ہوا وہ چند ہی مہینے بادشاہ رہا تھا کہ مرہٹوں نے اسی سال یعنی ۱۱۷۳ھ (۱۷۶۰ء) میں زغہ کر کے دہلی پر قبضہ کر لیا اور محلات شاہی کو خوب لوٹا اور مرہٹوں کے سردار اپنی شاہنشاہی ہندوستان میں قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگے مگر یہ خیال کیا کہ پہلے احمد شاہ سے نبٹ لیا جائے تاکہ نئے آئے دن کا خطرہ رہتا ہے اس طرف سے بے فکری ہو ادھر شجاع الدولہ سے طے کر لیا کہ ہم دلی کے بادشاہ ہوں تم وزیر یہاں یہ انتظام ہو رہے تھے احمد شاہ بولان گھاٹی سے نکل کے چلا تو شمال کے جانب بڑھا دیرہ جات میں ہوتا ہوا پشاور پہنچا اور وہاں سے معمولی سڑک اختیار کر کے لاہور ہوتا ہوا دہلی کی طرف چلا تو مرہٹے مقابلہ میں تھے مگر ان کو شکست اٹھانا پڑی اور مرہٹے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔ احمد شاہ نے قدم بڑھا کر دہلی پر قبضہ کر لیا اس کے بعد پانی پت کی جنگ کے واقعات پیش آئے جس کا ذکر نواب نجیب الدولہ کے حالات میں آتا ہے۔

جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ کابل واپس گیا سکھوں نے بغاوت کر دی اور امرتسر کے قریب جنڈیالہ کا محاصرہ کر لیا ۱۱۷۵ھ میں پھر ہندوستان آیا دس بارہ آدمی ساتھ تھے دھاک بندھی ہوئی تھی جیسے ہی سنا سکھ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے ان کے پیچھے جا کر لدھیانہ کے دکن کی طرف گوجروال پر انھیں پا لیا اور اچھی طرح سے رگیدا ان کی قوت ٹوٹ گئی لاہور ہوتا ہوا افغانستان واپس گیا اور سرہند میں اپنا والی چھوڑ گیا مگر دوسرے سال ۱۱۷۶ھ میں پھر سکھوں نے زور باندھا والی کو شکست دی اور سرہند کو ایسا لوٹا اور برباد کیا کہ اینٹ سے اینٹ بجا دی چنانچہ آج تک یہ شہر ویران پڑا ہے۔

احمد شاہ سرکوبی کو ۱۱۷۷ھ میں آیا مگر سکھ جم کر نہ لڑے تین سال بعد ۱۱۸۰ھ میں ساتواں حملہ کرنے پر مجبور ہوا اور سکھوں سے صلح کر لی ان کے سردار پھول کھان کو سرہند کا حاکم بنا دیا جس سے ریاست پٹیالہ کی بنیاد پڑی ۱۱۸۲ھ (۱۷۶۳ء) میں اس کو آکلہ (کینسر) ہو گیا علاج اور صحت بخش آب و ہوا کے لئے علاقہ غاب کے اندر توبا کے پہاڑوں میں چلا گیا وہیں ۱۱۸۶ھ بعمر پچاس سال رہگرائے عالم جاوداں ہوا

تیس برس بادشاہی کرکے دنیا سے رخصت ہوا[1]

عماد الملک

عماد الملک غازی الدین نواب نظام الملک آصف جاہ اول کا پوتا امیر الامرا نواب فیروز جنگ غازی الدین اول کا بیٹا اور نواب وزیر الملک اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کا نواسہ تھا اس کا نامور باپ جب نظام الملک اول کی خبر وفات سن کر اپنی موروثی مسند پر قبضہ کرنے کے لئے دکن روانہ ہوا تو اپنے وزیر کو جس کا اصلی نام میر شہاب الدین تھا بادشاہ کے دامن شفقت اور نواب صفدر جنگ کی سرپرستی میں چھوڑ گیا اس کے بعد جب نواب فیروز جنگ نے دکن میں پہنچتے ہی وفات پائی ان کی لاش بغرض تدفین دہلی لائی گئی اس مقبرہ میں دفن ہوئے جو امیر الامرا نے اپنی زندگی میں بنوایا تھا اس سے ملحق ایک مدرسہ "مدرسہ غازی الدین" بھی جاری کر دیا تھا۔ جو آج اینگلو عربک کالج کے نام سے ہے۔

بادشاہ اور صفدر جنگ دونوں کو میر شہاب الدین کی یتیمی پر رحم آیا انھوں نے اس کے مرحوم باپ کا منصب و خطاب امیر الامراء غازی الدین فیروز جنگ اس کو عطا کر دیا مگر غازی الدین نے صفدر جنگ کے ساتھ جو سلوک کیا وہ تو ان کی سرشت اور بد سرشتی کا نتیجہ تھا مگر بادشاہ کے ساتھ جو روش رکھی نمک حرام کہلائے جانے کے مستحق ٹھہرائے گئے۔

مرہٹوں کو دار السلطنت میں بلانا | عماد الملک غازی الدین نے ملہار راؤ ہولکر کو مالوہ سے اور جیا پا سندھیا کو ناگور سے جہاں وہ اجے سنگھ والی جودھپور مارواڑ کو شکست دے کر پڑا تھا طلب کیا مگر ان کے پہنچنے سے قبل صفدر جنگ صلح کر چکا تھا یہ وہ جنگ تھی جو وزارت سے علیحدگی پر بادشاہ سے لڑا تھا صفدر جنگ اودھ کو چلا گیا سورج مل جاٹ نے صفدر جنگ کی معاونت کی تھی اس نے ہولکر و جیا پا سے اس کے علاقہ پر چڑھائی کرا دی اس کا مضبوط قلعہ مسخر نہ ہو سکا دربار احمد شاہ دہلی سے قلعہ گیر توپوں کی مدد عماد الملک و ہولکر کی درخواست پر نہ ملی بلکہ سورج مل کے عجز و الحاح پر رحم کھا کر احمد شاہ نے عاقبت محمود خاں کو شاہی توپیں بھجوانے سے باز رکھنے کے لئے خود دار السلطنت سے سکندرہ تک قدم بڑھایا

[1] تاریخ احمد از عبد الکریم

تو ہولکر نے یکایک متھرا کے گھاٹ سے جمنا عبور کر کے شاہی کیمپ پر چھاپہ مارا اور بہت سا اسباب لوٹ لیا احمد شاہ مع سربرآوردہ ارکان سلطنت کے بمشکل جان بچا کر بھاگے مگر ملکہ زمانیہ دختر فرخ سیر مرحوم اور دیگر خواتین تیموریہ ہولکر کی قید میں پھنس گئیں جس نے اگرچہ ان کی عزت و حرمت قایم رکھنے اور خدمت بجالانے میں کوئی دقیقہ کوشش کا فروگذاشت نہیں کیا لیکن محترم شاہی خواتین کا اس طرح اسیر ہونا بھی ہندو مسلمانوں کو یکساں ناگوار گزرا اور خواہ یہ فعل ہولکر نے عماد الملک کی بلا اطلاع کیا ہو مگر اس کی بدنامی اس پر عائد ہوئی[1]۔ اس کے بعد عماد الملک نے ہولکر کی فوج کے ساتھ دہلی پہنچ کر احمد شاہ پر دباؤ ڈالا اور اپنے خالو انتظام الدولہ کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے خارج کر کے خود اس عہدے کو حاصل کیا اور اس روز احمد شاہ کو قید کر کے عزیز الدین پسر جہاندار شاہ کو بلقب عالمگیر ثانی تخت شاہی پر بٹھا دیا اور احمد شاہ اور ان کی والدہ قدسیہ بیگم کی آنکھوں میں نیل کی سلائیاں پھروا دیں۔ اس کے بعد لاہور پہنچا میر منو کی لڑکی عقد میں لایا اور دہلی لوٹ کر پھر ساس کو گرفتار کرا منگایا جب یہ مہم کامیاب ہو گئی اب وہ اپنے دست گرفتہ نجیب الدولہ کو اپنا رقیب تصور کر کے اس کے استیصال کی فکر میں لگ گیا۔ بقیہ حالات نجیب الدولہ کے سوانح زندگی میں آ چکے۔

---

[1] پانی پت کا خونیں میدان از سید عالب دہلوی زمانہ کانپور مارچ ۱۹۲۶ء

عراقی کردستان میں کھدائی کا کام

قبل از تاریخ کا تہذیب و تمدّن

از

(جناب لفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب)

سن ۱۹۴۴ء اور سن ۱۹۴۵ء میں تاریخ قدیم پر ایک سلسلہ مضامین ندوۃ المصنفین دہلی کے مجلّہ "برہان" میں شائع ہوا۔ جو کہ چھ مقالات پر پھیلا ہوا تھا اس وقت تک جس قدر تحقیقات اس موضوع پر ہوئی تھیں انھیں یک جا کر کے ان مقالات میں واضح کردیا گیا تھا حال ہی میں مجھے پھر عراق کا دورہ کرنے کا موقعہ ملا اگرچہ اس مرتبہ قیام مختصر تھا اور میں کھدائی کے کسی کام میں حصہ نہ لے سکا۔ تاہم اس موضوع سے متعلق کچھ ضروری معلومات ماہرین سے دستیاب ہوئیں جنہیں ذیل میں درج کررہا ہوں۔

عراقی کردستان کے کچھ مقامات پر جن کا ذکر ہم ذیل میں کریں گے کھدائی تقریباً مکمل ہوچکی ہے یہ تمام علاقے قبل از تاریخ تمدن رکھتے ہیں اور ان کی تاریخ ایک لاکھ برس سے لیکر سات ہزار برس تک پہنچتی ہے کھدائی کے حاصل شدہ نتائج سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ یہاں کی تہذیب مغربی ایشیا کی تہذیبوں سے قدیم ترین ہے۔ آثار قدیمہ کی اس تحقیق میں جدید تحقیقاتی آلات استعمال کئے گئے ہیں جو اس سے بیشتر استعمال نہیں ہوتے تھے مثلاً ریڈیو۔ ایکٹو ٹسٹ اس آلے کے ذریعے آثار قدیمہ کی اصل تاریخ معلوم ہوجاتی ہے۔ اس سے بیشتر تاریخوں کا اندازہ محض قیاس پر مبنی ہوا کرتا تھا مگر اس ٹسٹ کے ذریعے جس تاریخ کا تعین کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

کھدائی کی یہ مہم پروفیسر رو برٹ بریڈووڈ کی زیر نگرانی عمل میں آئی جو تین اداروں کی نگرانی کررہے تھے ان میں سے پہلا ادارہ اورنٹیل انسٹی ٹیوٹ شکاگو یونیورسٹی کا تھا دوسرا ادارہ امریکن اسکول آف

اور نشنل ریسیرچ کا تھا اور تیسرا خود عراق گورنمنٹ کا محکمۂ آثارِ قدیمہ کا تھا۔ اس مہم کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ ان علاقوں میں تہذیب کا ارتقاء کس طرح اور کیوں کر ہوا یعنی جس زمانہ میں انسان وحشیانہ زندگی بسر کرتا اور غاروں میں رہتا تھا اس وقت سے لے کر جب وہ متمدن ہو کر قیدی زندگی بسر کرنے لگا اسے کن کن ادوار سے گزرنا پڑا یہ ایک مشکل مسئلہ تھا مگر اس مہم کے سربراہ نے اسے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا

اس مہم کا میدان کرکوک سے اوپر کی چراگاہیں تھیں جو اربیل کے گرد و نواح میں پائی جاتی ہیں اس مقام کو اس لئے ترجیح دی گئی کہ یہی وہ علاقہ ہے جہاں دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں نے جنم لیا قرآن کریم کا تاریخی حصہ بھی بیشتر اسی علاقے سے وابستہ ہے اربیل کے گرد و نواح ہی میں طوفانِ نوح کا حادثہ پیش آیا۔ اور یہاں اس کے آثار بھی ملتے ہیں۔ حضرت یونس اور نمرود کے واقعات بھی اسی کے گرد پیش آئے آگے چل کر تاریخ میں جو جنگ عظیم سکندر اور دارا کے مابین ہوئی وہ بھی میدان اربیلا میں ہوئی جو اربیل شہر کی پشت پر ہے۔ یہاں سے مینوا موٹر پر شمال کی طرف صرف دو گھنٹوں کا راستہ ہے۔ اصل مقام جہاں کھدائی شروع کی گئی قلعہ جرمو ہے۔ یہاں سب سے پہلے ۱۹۴۸ء میں کام شروع ہوا ابتداء میں یہاں تقریباً ڈیڑھ لاکھ کے قریب اہم اشیاء دستیاب ہوئیں جو مختلف قسم کی تھیں مثلاً ہڈیاں۔ گیہوں۔ کوئلہ اور مٹی کے مختلف نمونے۔ اس جگہ پورا رقبہ جو کھودا گیا وہ پانچ سو مربع میٹر تھا جو تقریباً تین ایکڑ کے قریب بنتا ہے۔

جو اندازہ ان اشیاء سے لگایا ہے وہ بتاتا ہے کہ یہاں قدیم ترین زمانہ میں بھی آبادی موجود تھی ایک اور جگہ سے جو قلعہ جرمو کے شمال میں ہے اور کریم شہبیر کے نام سے منسوب ہے۔ ایک ٹیلہ برآمد ہوا ہے یہاں عراق گورنمنٹ کے محکمۂ آثار قدیمہ کے ایک سکول نے جو بغداد میں موجود ہے سب سے پہلے کھدائی شروع کی اس سے جو آثار ملے، وہ تقریباً دو ایکڑ زمین پر پھیلے ہوئے، اس سکول کے کچھ پروفیسر جو اس کام میں مشغول تھے، انھوں نے سلیمانیہ علاقے تک کی تحقیقات کی، یہاں انھیں ایک قدیم غار ملا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس غار میں میرا دو تین مرتبہ جانا ہوا۔ اس غار کے اندر ایک بڑا پتھر اس انداز سے نصب کیا گیا ہے، جیسے کسی بادشاہ کے بیٹھنے کے لئے تخت ہوتا

ہے اس پتھر کو غار کے اندر ایک نمایاں جگہ حاصل ہے۔ اس غار کا نام پلگوڑا ہے اور سلیمانیہ سے ۳ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اب جو اس غار کے متعلق تحقیق ہوئی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار آج سے دس بارہ ہزار برس پہلے آباد تھا۔ اس میں سے متعدد چقماق کے ٹکڑے ملے ہیں جس کی وجہ سے اس غار کو اس صنعت کا پہلا مرکز قرار دیا جاتا ہے۔ یہاں کی آبادی پتھر کے زمانہ کے اواخر کی ہے، اس کے بعد تہذیب نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، پتھر کے زمانہ میں انسان غیر متمدن تھا یعنی وہ انسان ہی تھا ابھی آدم نہ کہلایا تھا، میری دانست میں قرآن کریم نے یہ جو تین الفاظ آدمی کے لئے استعمال کئے ہیں "انسان آدم اور بشر" ان میں ایک لطیف فرق ہے جس کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی اولین تخلیق انسان مٹی سے بنایا گیا اور ارتقار کے مطابق اس نے اپنی موجودہ شکل اختیار کی، مگر وہ غیر متمدن تھا، غاروں میں رہتا تھا اور رشتۂ زوجیت سے ناآشنا تھا اور الہام و وحی کا حامل نہ تھا، یہ زمانہ پتھر کے عہد کے بعد ختم ہو جاتا ہے اس کے اختتام پر یہی انسان وحی و الہام سے سرفراز ہو کر فرشتوں سے سجدہ کراتا ہے اور آدم کہلاتا ہے یہیں سے وہ رشتۂ زوجیت قائم کرتا ہے گویا شریعت کے مختلف ادوار کا وہ یہاں پہنچ کر مؤسس بنتا ہے۔ یہ زمانہ پھر عرصہ تک چلا جاتا ہے اور وہ زندگی ایک متمدن طریق سے بسر کرتا ہے مگر پھر ایک وقت میں اس سے لغزش ہوتی ہے اور وہ شر کا مرتکب ہو کر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر آدم بشر کہلایا، درحقیقت لفظ بشر مخفف ہے بالشر کا! واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اور مقام پر جسے پردہ بلکا کہتے ہیں اس ابتدائی سکول سے چند ایک اور اشیاء تلاش کیں جن میں نابید جانوروں کی ہڈیاں تھیں ساتھ ہی کچھ ہتھیار وغیرہ بھی ملے، ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ آخری برفانی دور (Glacial age) سے متعلق چیزیں ہیں اور ان کا زمانہ آج سے تقریباً ایک لاکھ برس پہلے کا ہوگا۔ یہ تحقیقات زیادہ تر زمینی (Geological) تحقیقات سے متعلق ہیں۔

پردہ بلکا کی تہذیب سے یہ بخوبی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کے پاس بہت ادنیٰ قسم کے ہتھیار ہوا کرتے تھے جو وہ پتھر سے بناتا تھا اور اس کی گذر اوقات محض شکار

پر تھی، اس کے گرد و پیش ایسے ہاتھی رہتے تھے جو آج کل ناپید ہیں اور وہ ہرن جو ہاتھی کے مانند تھے وہ بھی اس کرۂ ارضی سے غایب ہو چکے ہیں زمین کی ساخت یہ بتاتی ہے کہ یہاں لوگ یکے بعد دیگرے آکر آباد ہوتے جن کے تمدن کے آثار بلگوارا کے باشندے چقماق سے چاقو اور تیز ہتھیار بنانے میں اچھی خاصی مہارت رکھتے تھے اور غالباً یہ تیز پتھر وہ اپنے تیروں کی نوکوں پر لگایا کرتے تھے تاکہ شکار اور جنگ میں سہولت ہو یہ لوگ بہت اچھے شکاری ہوا کرتے تھے۔

کریم شہیر کی بستی سے زیادہ آثار نہیں ملے، البتہ بکھرے ہوئے مکان جن کے فرش پکے ہوئے تھے کہیں کہیں ملے ہیں کہیں کہیں چولھے بھی دیکھے گئے ہیں، اور یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اس دور میں انسان خوراک کے معاملہ میں کافی مہذب ہو چکا تھا ایک آدھ گھڑا بھی ان آثار میں ملا ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ یہ ساز و سامان یا اشیائے خوردنی کو رکھنے کے لئے بنائے گئے تھے۔ لوگ گوشت خور تھے کیونکہ گھروں میں ہڈیاں بکثرت ملی ہیں۔ مگر ابھی یہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا کہ ان کے ہاں پالتو جانور بھی ہوتے تھے یا ابھی انسان نے یہ فن نہیں سیکھا تھا جانوروں کو پالتو بنانا تمدن میں بہت بعد کی اختراع ہے، سب سے پہلے پہل عورت نے مرد کو گھریلو زندگی کا عادی بنایا اس کے بعد مرد نے پھر جانوروں کو گھریلو بنایا۔ یہاں پتھر کے کچھ زیورات بھی ملتے ہیں مثلاً ہاتھوں کی بریسلٹ اور گلے کے طوق کا شتکاری کے لئے بھی کچھ پتھر کے ہتھیار دستیاب ہوتے ہیں مگر ریڈیو ایکٹو ٹسٹ سے ابھی یہ پتہ نہیں چلایا جا سکا کہ یہ کس زمانے کی چیزیں ہیں۔ بہر حال یہ واضح ہے کہ کریم شہیر کا کلچر ایک ایسے دور سے تعلق رکھتا ہے جو بلگوارا غار اور جرمو کے کلچروں کے بین بین ہے۔

قلعہ جرموگو ایک مختصر سی آبادی ہے جو اب تک کھودی گئی ہے، لیکن جب ہم اسے یہاں سے حاصل شدہ اشیاء کی نظر میں دیکھتے ہیں اور خاص طور پر ان اشیاء پر بھی گہری نظر رکھ کر دیکھتے ہیں جو اس کے قرب و جوار میں پردہ بلکا غار بلگوارا اور کریم شہیر سے برآمد ہوئی ہیں تو اس مقام کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے یہاں پر کوئی ہتھیار ایسا دستیاب نہیں ہوا جو آہنی ہو اور نہ ہی کوئی ایسے ظروف ملے ہیں جن کی کچھ تاریخی وقعت ہوتا ہم یہاں کے لوگ ایسے گھروں میں رہتے تھے جن کے تین تین

چار چار کمرے ہوا کرتے تھے جنکی دیواریں مٹی کی ہوتی تھیں اور جنکے اندر چولھے جا بجا نظر آتے ہیں بعض گھروں میں تو چولھوں کے ساتھ کمروں میں چمنیاں بھی بنی ہوئی پائی گئی ہیں۔ برتنوں کی جگہ پتھر کے ظروف ملے ہیں جو پتھروں کو کاٹکر بنائے گئے ہیں۔ مٹی کی مورتیں بھی پائی گئی ہیں جو یا تو جانوروں کی ہیں یا دیوتاؤں کی۔ سب سے زیادہ مقدار میں چقماق پایا گیا ہے جس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اسکا استعمال عام تھا ہڈیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۹۰ فیصدی جانور گائے، بھینس، بکری، سور اور گھوڑے ہوا کرتے تھے، دیگر دس فیصدی ہڈیاں جنگلی جانوروں کی ہیں، گیہوں کی دو قسمیں مل چکی ہیں، عام طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ انکی معاشی حالت اچھی تھی اور کچھ گھریلو صنعتیں بھی وجود میں آچکی تھیں، شہری زندگی کسی حد تک ترقی کر چکی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ سیاسی، اخلاقی اور معاشی انتظامات کا اہتمام ہوا کرتا تھا۔ گویا انسان جو غاروں کا غیر متمدن باشندہ تھا اب متمدن ہو کر شہری زندگی اختیار کر چکا تھا۔

اخیر میں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مہم کے تمام افراد کے نام گنوادیں جنکے سر پر اس تحقیق کا سہرا ہے۔ یہ لوگ مختلف ممالک سے متعلق ہیں اور سب کے سب مشہور و معروف ماہر اثریات ہیں قلعۂ جرمو پر جنھوں نے کام کیا۔ ان میں سب اورنٹیل انسٹیٹوٹ کے آدمی تھے۔ پروفیسر روبرٹ بریڈ وڈ کا نام ہم لے چکے ہیں، ان کے ساتھ انکی اہلیہ محترمہ بھی شامل تھیں، ان کے ساتھ ایڈنز، برومین بھی تھے اور چند طلباء شکاگو یونیورسٹی کے بھی شامل تھے دیگر مقامات پر جنھوں نے کام کیا ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:-

الزبتھ وسٹ بیروت میوزیم

کورنیلیس ہلن

سوفٹ

ڈاکٹر بروس ہارورڈ یونیورسٹی

پروفیسر ہربرٹ رائٹ

فریڈرک برتھ

سید صابری شکری عراق گورنمنٹ کے محکمۂ آثار قدیمہ کے نمائندہ۔

برطانیہ کے نئے انتخابات اور بین الاقوامی معاملات

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

برطانیہ کے گذشتہ عام انتخابات میں لیبر پارٹی کی شکست اور مسٹر چرچل کی جماعت — کنزرویٹو پارٹی — کے برسر اقتدار آجانے کے بعد بین الاقوامی اور خصوصاً مشرق وسطیٰ کی سیاست میں چند اہم اور بنیادی تغیرات رونما ہونیکے جو امکانات پیدا ہو گئے ہیں اگر وہ تغیرات رونما ہو سکے تو ان کے نتائج بھی بے حد اہم اور دوررس ہونگے۔ لیکن ان ممکن تغیرات اور ان کے نتائج پر غور کرنے سے قبل اس امر کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ برطانیہ کی لیبر پارٹی کے شکست کے اسباب کیا ہیں اور دو عام انتخابات میں ناکام ہوتے رہنے کے بعد تیسرے عام انتخاب میں کنزرویٹو پارٹی کو کن وجوہ کی بنا پر کامیابی حاصل ہوئی ہے؟

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب برطانیہ میں زمانۂ بعد از جنگ کے پہلے عام انتخابات ہوئے تھے تو اس وقت مسٹر چرچل کو برطانیہ کے فتحمند قائد جنگ اور آہنی انسان کی حیثیت حاصل تھی اسکے باوجود ان انتخابات میں ان کی پارٹی کو نہ صرف شکست ہی نصیب ہوئی تھی بلکہ ان کی حریف جماعت کو کنزرویٹو پارٹی پر کم و بیش ۱۵۰ اراکین کی اکثریت بھی حاصل ہو گئی لیکن ۱۹۵۰ء کے عام انتخابات میں ۱۵۰ آراء کی یہ اکثریت صرف ۶ آراء کی اکثریت تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور آج کنزرویٹو پارٹی کو لیبر پارٹی کے مقابلہ میں ۱۰۵ اور پورے دار العوام میں کم و بیش ۱۰۰ آراء کی اکثریت حاصل ہے۔

سوال یہ ہے کہ چھ سال تک مسلسل برسر حکومت رہنے کے بعد لیبر پارٹی کو شکست کیوں نصیب ہوئی ہے؟ اور یہی وہ سوال ہے جسکے جواب سے مستقبل میں رونما ہونیوالے متوقع بین الاقوامی تغیرات کا اندازہ لگا سکیں گے۔ لیکن اس سوال کا جواب حاصل کرنے سے پہلے اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ دوسری عالم گیر جنگ کے بعد برطانوی عوام اپنے ملک کی حکومت سے کیا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے زمانۂ جنگ کے

اقتدار سے کیوں محروم کیا اور انھوں نے لیبر پارٹی کی حکومت سے کیا کیا توقعات وابستہ کی تھیں، اس سلسلہ میں اگر برطانوی عوام کے رجحانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ اول تو دوسری عالمگیر جنگ نے انھیں جنگ سے متنفر بنا دیا تھا اور وہ کسی تیسری جنگ عظیم میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے تھے اور دوسرے وہ اپنی اجتماعی اور معاشرتی زندگی میں ان نقصانات کی تلافی کرنا اور کرانا چاہتے تھے جو گذشتہ جنگ کی بدولت انھیں پہنچ چکے تھے اور چونکہ انھیں کنزرویٹو پارٹی کے برسر اقتدار آنیکے بعد ان مقاصد کے حصول کی توقع نہیں تھی اسلئے انھوں نے ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں لیبر پارٹی کو کامیاب بنایا لیکن لیبر پارٹی نے برسر حکومت آنیکے بعد اپنی داخلی اور بیرونی حکمت عملی کو جس بنیاد پر قائم کیا اس نے برطانیہ کے قومی اور عوامی مفاد کی بنیاد کو تہ و بالا کر دیا۔

دوسرے الفاظ میں اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ برطانیہ کی لیبر گورنمنٹ نے خود کو امریکی منصوبوں کا مقلد بنا لیا اور ان کی جنگ بازانہ حکمت عملی کو اپنا کر برطانیہ کے تمام تر وسائل کو تیسری عالمگیر جنگ کی تیاریوں پر مرتکز اور مرکوز کر دیا جس کے نتیجہ کے طور پر ایک جانب تو برطانیہ کی قومی خود مختاری کو امریکی غلبہ اور اقتدار کا خطرہ لاحق ہو گیا اور دوسری طرف جس قومی دولت کو زمانہ بعد از جنگ میں قومی تعمیر و ترقی نیز معاشی اور اقتصادی فلاح و بہبود پر صرف ہونا چاہیئے تھا وہ جنگی تیاریوں پر صرف ہوئی اور اسی طرح برطانیہ کا اقتصادی تعطل اور بھی عمیق ہوتا گیا۔ چنانچہ ضروریاتِ زندگی کے لئے ناگزیر اشیاء کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ ہوا اجرتوں اور پنشنوں میں تخفیف کی گئی مکانات کی قلت کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہو گیا اور معاشرتی خدمت کے وسائل بھی قطع و برید سے محفوظ و مامون نہ رہ سکے۔ اسٹرلنگ کی قیمت میں تخفیف بھی لیبر گورنمنٹ کی اسی حکمت عملی کا نتیجہ تھی اور اس وقت بھی برطانیہ کی اقتصادیات بحرانی دور سے گذر رہی ہیں۔ چنانچہ گذشتہ عام انتخابات سے کم و بیش ایک ماہ قبل ۲۲ ستمبر کو برطانوی سرمایہ دار طبقہ کے رسالہ "اکانومسٹ" نے لکھا تھا کہ ۔۔۔۔۔ جنگ کے بعد اب ہمیں تیسری بار اقتصادی تعطل کا سامنا کرنا پڑ رہا بالکل واضح طور پر نظر آ رہا ہے ۔۔۔۔ اور یہ اندازہ کیا گیا ہے کہ سونے اور ڈالر کی شکل میں برطانیہ کے پاس جو محفوظ سرمایہ ہے صرف جولائی، اگست

اور ستمبر میں اس میں ۵۰ کروڑ ڈالر کی کمی واقع ہوئی ہے ان حالات میں اگر برطانوی رائے دہندگان نے لیبر پارٹی کے امیدواروں کو رائے نہیں دی تو اس بات پر اظہار تعجب نہیں کرنا چاہئے لیکن یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کنزرویٹو پارٹی بقاء امن اور اقتصادی فلاح سے متعلق برطانوی عوام کی خواہشات اور توقعات کو پورا کر سکے گی ؟

اس میں شک نہیں کہ کنزرویٹو پارٹی جنگ بازی کے معاملہ میں لیبر پارٹی پر بھی فوقیت رکھتی ہے لیکن اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسکی تمام تر سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف ایک خیال ہوتا ہے اور وہ خیال یہ ہے کہ جسطرح بھی ممکن ہو سکے برطانیہ کے اقتدار اور اسکی برتری اور بالادستی کی روایات کو برقرار رکھا جائے۔ اس لئے اب جبکہ کنزرویٹو پارٹی برسر حکومت ہے اس امر کی توقع نہیں کیجا سکتی کہ وہ اپنے ملک کو امریکہ کی حکمت عملی کے ساتھ محکومانہ انداز میں وابستہ رکھے گی اور اگرچہ مستقبل میں بھی ان دونوں ملکوں کا اتحاد برقرار رہے گا لیکن اس اتحاد کی نوعیت اس اتحاد سے بالکل مختلف ہوگی جو لیبر پارٹی کی حکومت اور متحدہ امریکہ کے مابین قایم تھا اور ظاہر ہے کہ اتحاد کی نوعیت بدل جانے کے بعد بین الاقوامی مسائل اور معاملات پر بھی اس کا اثر ضرور پڑے گا اور چونکہ برطانیہ میں موجودہ پیمانہ پر جنگ کی تیاریوں کو جاری رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک طرف تو برطانیہ امریکہ کا دست نگر بنا رہے اور دوسری طرف ان تیاریوں کی بدولت ملک کی اقتصادی حالت میں کوئی اطمینان بخش تغیر رونما ہو اور ظاہر ہے کہ کنزرویٹو پارٹی اس غیر مقبول اور متروک حکمت عملی پر قایم رہتے ہوئے اپنی حکومت کے موجودہ دور کو کامیاب نہیں بنا سکتی ۔

پھر کنزرویٹو پارٹی کے برسر اقتدار آجانیکے باعث مشرق وسطےٰ کے ممالک پر جو اثر پڑیگا اسکا اندازہ کر لینا بھی کچھ زیادہ دشوار امر نہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ ابھی تک مشرق وسطیٰ کے عوام کا سیاسی اور معاشرتی شعور پوری طرح بیدار نہیں ہوا لیکن ان ممالک کے قوم پرور سرمایہ دار اس نقصان کو محسوس کرنے لگے ہیں جو غیر ملکی سرمایہ داروں کے استحصال زر کی بدولت خود انہیں پہنچ رہا ہے اور عوام میں جس قدر بیداری پیدا ہوئی ہے قوم پرور سرمایہ داروں کا یہ طبقہ اسے قومی آزادی کی حمایت کے لئے استعمال کر رہا ہے اور گذشتہ چند ماہ سے ایران اور مصر میں جو واقعات رونما ہو رہے ہیں وہ ان ممالک

سے قومی سرمایہ داروں کے احساسِ زیاں اور عوام کی نیم سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بیداری ہی کے نتایج ہیں لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا جا چکا ہے کنزرویٹیو پارٹی ایک لمحہ کے لئے بھی برطانوی بالادستی اور اقتدار کے زوال کو برداشت نہیں کرسکتی اور اس امر کا قوی اندیشہ ہے کہ وہ ایران اور مصر کے قومی مطالبات کو نہ صرف تسلیم ہی نہیں کرے گی بلکہ اسے قوت و طاقت کے مظاہرہ میں بھی کوئی پس و پیش نہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ مصر، ایران یا مشرقِ وسطیٰ کے دوسرے ممالک قوت و طاقت سے برطانوی قوت و طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جہاں تک ادارہ اقوام متحدہ سے رجوع کرنے کا تعلق ہے اس وقت تک مشرق وسطیٰ کے جن مسائل کو اس کے روبرو پیش کیا جا چکا ہے ان میں سے کسی ایک مسئلہ کا بھی اطمینان بخش فیصلہ نہیں ہو سکا اس لئے مستقبل میں بھی اس بات کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی کہ ایران اور مصر کے معاملات میں اس کے فیصلے مغربی مستعمرین کے اثر سے پاک ہوں گے۔ ان حالات میں اس کے علاوہ اور کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ مشرقِ وسطیٰ کے ممالک سوویٹ روس کے ساتھ اپنے تعلقات قایم اور استوار کریں۔

اور اگر ایسا ہوا تو پھر ایک طرف تو مشرق میں مستعمرین مغرب کے اقتدار میں زبردست کمی رونما ہو جائے گی اور دوسری طرف سوویٹ یونین کے گروہ کی قوت میں معتدبہ اضافہ ہو جانے کے باعث بقاء امن کے مقصد کو مزید تقویت حاصل ہوگی۔

ادبیات

دعوتِ شوق

(جناب آلم مظفر نگری)

بنما تجلی صبحِ نو بہ حجابِ سرو و سمن درآ
گہے برق جلوۂ سرمدی بفضائے صحنِ چمن درآ

بفرازِ مرکزِ دل رسی ز حدِ مجازِ تو بگزری
بگہہ جنونِ خرد شکن بہولئے دار و رسن درآ

طلبی حیاتِ خودی اگر دل و جاں ہوائے سوز کن
سرِ بزمِ عشق نفس مزن بطریقِ شمع لگن درآ

بشکن صراحی و جام را بگزار ساقی و میکدہ
بخمارِ خودی تو ز جامِ دل بجدِ مذاقِ کہن درآ

زفغانِ دل غمِ عشق را تو بدہ پیامِ خودی نما
بہ بساطِ محفلِ زندگی بکمالِ طرزِ سخن درآ

تو بسوئے خلد چہ بنگری بفراز طور چہ می روی
ہمہ نورِ عرشِ خدا بہ بیں بحریم صبحِ وطن درآ

ستم است انچہ کرم شود غمِ لا نشاطِ نعم بود
بگرفتہ ذوقِ وفا آلم بدرِ رسولِ زمن درآ

غزل

(جناب انور صابری)

وقت جب کروٹیں بدلتا ہے
فتنۂ حشر ساتھ چلتا ہے

موجِ غم سے ہی دل بہلتا ہے
یہ چراغ آندھیوں میں جلتا ہے

اس کو طوفاں ڈبو نہیں سکتا
جو کناروں سے بچ کے چلتا ہے

کس کو معلوم ہے جنونِ حیات
سایۂ آگہی میں پلتا ہے

نام سنتے ہی جس کا اُف وہ سحر
چاند تاروں کا دم نکلتا ہے

ان کی محفل میں چل بہوشِ تمام
کون گر کر یہاں سنبھلتا ہے

ہم وہ بربادِ شوق ہیں جن کا
آشیاں فصلِ گل میں جلتا ہے

زندگی اس کی ہے جو مقتل میں
موت کے سامنے مچلتا ہے

میں کروں کیوں نہ اس کی قدر انور
دل کے سانچے میں اشک ڈھلتا ہے

تبصرے

ولی گجراتی از جناب ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔ تقطیع کلاں۔ کتابت و طباعت بہتر ضخامت ۱۵۲ صفحات قیمت عہ پتہ :۔ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ ۹۲ ہارنبی روڈ۔ بمبئی ۱

بمبئی کے چند ارباب ذوق و اصحاب علم و ادب نے کئی سال ہوئے اردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے جسکا مقصد اردو ادب و زبان کی عموماً اور اردو زبان کے گجراتی ادب کی خصوصاً تحقیقی بنیادوں پر خدمت کرنا اور قدیم گجراتی اردو ادب کے کارناموں کو منظر عام پر لانا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ادارہ نے ایک سہ ماہی رسالہ "نوائے ادب" کے نام سے جاری کر رکھا ہے جو اس میں شبہ نہیں کہ ہماری زبان کا ایک تحقیقی اور معیاری رسالہ ہے۔ اس کے علاوہ ادارہ نے یہ بھی طے کیا ہے کہ سال بھر میں کم از کم ایک کتاب بھی شایع کیجائے چنانچہ زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جو ادارہ کے لائق سکرٹری کی تحقیق و تلاش اور ان کے حسن ذوق کی آئینہ دار ہے اور ادارہ کے مقرر کردہ معیار کے مطابق ہے۔ بعض لوگوں کو کتاب کا نام پڑھکر شاید حیرت ہو کہ یہ ولی گجراتی کون ہے؟ لیکن انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کوئی نیا شاعر نہیں۔ بلکہ وہ ہی ہے جسکو لوگ عام طور پر اردو کے پہلے شاعر کی حیثیت سے "ولی دکھنی" کے نام سے جانتے ہیں، ولی پر مختلف ارباب علم نے کتابیں اور مقالات لکھے ہیں اور ان میں عموماً اور دکن کے مصنفین کی تحریروں میں خصوصاً ولی کو دکھنی کہا گیا اور اس دعوی کو بڑے زور شور سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فاضل مصنف نے اپنی اس کتاب میں اس دعوی کو دلائل و براہین کے ساتھ غلط ثابت کرکے یہ باور کرانا چاہا ہے کہ اردو شاعری کے باوا آدم کا وطنی اور نسلی تعلق بجائے دکن کے سرزمین گجرات کے ساتھ تھا اور اس بنا پر اردو شاعری کا اصل چشمہ دکن سے نہیں بلکہ گجرات سے پھوٹتا ہے۔ اس سلسلہ میں لائق مؤلف نے پہلے ولی کے عہد پر جو اورنگ زیب عالمگیر کا عہد تھا

تاریخی ترتیب کے اعتبار سے ہیں بائیس صفحات میں روشنی ڈالی ہے جو ہمارے خیال میں کسی حد تک ضرورت سے زیادہ اور اصل موضوع کتاب سے غیر متعلق سی ہے اس کے بعد ولی کے سوانح حیات، خاندانی احوال۔ علمی استعداد۔ اس زمانہ کی اردو کی لسانی اور صرفی و نحوی خصوصیات۔ دکنی اور گجراتی اردو کے باہمی مشترکات اور مخیرات کو بیان کرنے کے بعد ولی کی شاعری کے نمونے پیش کئے ہیں اور یہ بتایا ہے کہ فارسی کے کن شعراء نے ولی کو زیادہ متاثر کیا اور دوسری جانب ولی کے کلام میں ہندوستانی عناصر کی آمیزش کتنی اور کس حد تک اس کے بعد ان کتابوں کی فہرست ہے جن سے اس کتاب کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے اور آخر میں ایک غلط نامہ بھی ہے۔

جہاں تک ولی کے گجراتی اور دکنی ہونے کی بحث کا تعلق ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی حیثیت اختلاف یا نزاع لفظی" سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو جیسا کہ مؤلف نے خود اقرار کیا ہے ولی کے زمانہ میں دریائے نربدا کے کنارہ سے لے کر راس کماری تک کے اس تمام علاقہ کو دکن کہا جاتا تھا جس میں اورنگ آباد اور بیجاپور کے علاوہ گجرات اور خاندیس بھی شامل ہیں۔ علاوہ بریں یہ بھی مسلم ہے کہ ولی کا تعلق (خواہ اس کی حیثیت کیسی ہی مختلف ہو) اورنگ آباد اور گجرات دونوں سے تھا۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ یہ کتاب ولی اور اس عہد کی زبان اور اس کی خصوصیات پر معلومات کا ایک اچھا اور قابل قدر ذخیرہ ہے۔ اس بنا پر امید ہے ارباب ذوق اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے اور و ہی مؤلف کی محنت کی داد دیں گے۔

REGISTERED No E.P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱۔ محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲۔ محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیۂ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جائیگا

۳۔ معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقۂ معاونین میں ہوگا انکی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلا قیمت پیش کیا جائے گا۔

۴۔ احبّاء نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبّاء میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلا قیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دیجائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علماء اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ برہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان و ادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہوجاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مُرتّبہ

سعید احمد اکبر آبادی

ندوۃ المصنفین دہلی کی مذہبی اور تاریخی مطبوعات

ذیل میں ندوۃ المصنفین دہلی کی چند اہم دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابوں کی فہرست درج کی جاتی ہے،
مفصل فہرست جس میں آپ کو ادارے کے حلقوں کی تفصیل بھی معلوم ہوگی دفتر سے طلب فرمایئے۔

اسلام میں غلامی کی حقیقت جدید ایڈیشن
جس میں نظر ثانی کے ساتھ ضروری اضافے بھی
کیے گئے ہیں قیمت ےے، مجلد للعہ

سلسلہ تاریخ ملت مختصر وقت میں تاریخ اسلام
کا مطالعہ کرنے والوں کیلئے یہ سلسلہ نہایت
مفید ہے اسلامی تاریخ کے یہ حصے مستند و معتبر
بھی ہیں اور جامع بھی۔ انداز بیان نکھرا ہوا اور شگفتہ

نبی عربی صلعم (تاریخ ملت کا حصہ اول) جس میں
سرور کائنات کے تمام اہم واقعات کو ایک خاص
ترتیب سے نہایت آسان اور دل نشین انداز میں
یکجا کیا گیا ہے۔ قیمت ہہ مجلد عہ

خلافت راشدہ (تاریخ ملت کا دوسرا حصہ)
عہد خلفائے راشدین کے حالات و واقعات کا
دل پذیر بیان۔ قیمت ےہ مجلد ےہ

خلافت بنی امیہ (تاریخ ملت کا تیسرا حصہ)
قیمت تین روپے آٹھ آنے۔ مجلد تین روپے بارہ آنے

خلافت ہسپانیہ (تاریخ ملت کا چوتھا حصہ)
قیمت دو روپے۔ مجلد دو روپے چار آنے

خلافت عباسیہ (جلد اول) (تاریخ ملت کا
پانچواں حصہ) قیمت ےہ مجلد للعہ

خلافت عباسیہ (جلد دوم) (تاریخ ملت کا
چھٹا حصہ) قیمت للعہ، مجلد صہ

تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ (تاریخ ملت کا ساتواں حصہ)
مصر اور سلاطین مصر کی مکمل تاریخ صفحات ۳۰۰
قیمت تین روپے چار آنے۔ مجلد تین روپے آٹھ آنے

خلافت عثمانیہ تاریخ ملت کا آٹھواں حصہ مجلد ےہ

فہم قرآن جدید ایڈیشن جس میں بہت سے اہم
اضافے کئے گئے ہیں اور مباحث کتاب کو ازسر نو
مرتب کیا گیا ہے۔ قیمت عہ مجلد ےہ

غلامان اسلام اسّی سے زیادہ غلامان اسلام
کے کمالات و فضائل اور شاندار کارناموں کا تفصیلی
بیان۔ جدید ایڈیشن قیمت ےہ مجلد ےہ

اخلاق و فلسفہ اخلاق علم الاخلاق پر
ایک مبسوط اور محققانہ کتاب۔ جدید ایڈیشن جس میں
غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور مضامین کی
ترتیب کو زیادہ دل نشین اور سہل کیا گیا ہے۔
قیمت ےہ، مجلد معہ

قصص القرآن جلد اول تیسرا ایڈیشن۔
حضرت آدم سے حضرت موسیٰ و ہارون کے حالات
واقعات تک۔ قیمت ےہ، مجلد سعہ

قصص القرآن جلد دوم حضرت یوشع سے
حضرت یحییٰ کے حالات تک تیسرا ایڈیشن قیمت ےہ مجلد للعہ

قصص القرآن جلد سوم انبیاء علیہم السلام کے واقعات
کے علاوہ باقی قصص قرآنی کا بیان قیمت صہ مجلد ے

برہان

جلد بست و ہفتم — شمارہ نمبر ۶

دسمبر ۱۹۵۱ء مطابق ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

عجیب بات ہے کہ ہندی زبان کو حکومت کی زبان تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہندی کی بقا اور ترقی کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسری ضمانت نہیں ہو سکتی۔ ہر وہ شخص جسے ہندوستان میں رہنا ہے اور لکھے پڑھے لوگوں میں اسے اپنا شمار کرانا ہے اس کی مادری زبان خواہ کچھ ہی ہو بہر حال اسے ہندی سیکھنی ہو گی لیکن اس کے باوجود غریب اردو کو اب تک ہندی کا حریف اور اس کا مدِ مقابل سمجھا جا رہا ہے اردو کی حمایت میں جب کبھی کہیں سے کوئی آواز اٹھتی ہے اسے ہندی کی مخالفت قرار دیا جاتا ہے اور پھر اس زبان کی رکھشا کرنے والوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اردو کو کسی ایک جگہ بھی سر اٹھانے کا موقع نہ دیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں یوپی کونسل میں جب زبان کی بحث آئی تو اس ذہنیت کا نہایت افسوسناک مظاہرہ کیا گیا۔ ایک وہ علاقہ جہاں کی ماں اب بھی اپنے بچے کو اردو زبان میں لوریاں دیتی ہے جہاں غصہ یا غایت بے تکلفی کے عالم میں جب بھی کوئی بولتا ہے۔ اردو میں بولتا ہے۔ جہاں محبت کے راز و نیاز کی باتیں اردو میں ہوتی ہیں اور جہاں تنہائی میں بیٹھے بیٹھے جب کوئی گنگناتا ہے تو اردو میں گنگناتا ہے اور جہاں اردو کے سینکڑوں اور ہزاروں نامور ہندو مسلمان مصنف۔ ادیب اور شاعر پیدا ہوئے اور جہاں کے دریاؤں کی سبک خرام موجیں۔ اور سکوتِ شام کی حسین و دلفریب فضائیں بھی مومن و غالب اور میر و داغ کی زبان میں زمزمہ سنج نظر آتی ہیں اس علاقہ کی نسبت بھی کمال جرأت و دیدہ دلیری سے کہہ دیا گیا کہ یہاں کی علاقائی زبان اردو نہیں ہندی ہے اور جب پوچھا گیا کہ اچھا! اگر اردو یوپی کی بھی علاقائی زبان نہیں ہے تو پھر کس علاقہ کی ہے اور اگر کسی ایک علاقہ کی بھی نہیں ہے تو دستورِ ہند میں اس کو علاقائی زبانوں میں کیوں شمار کیا گیا ہے؟ اس سوال کا جواب وہی دیا گیا جو اس قسم کے مواقع پر اک کھسیانا اور دلیلوں سے مات کھایا ہوا دیا کرتا ہے۔ یعنی ہمیں نہیں معلوم! یہ دستور والوں سے پوچھا جائے!!

ہمارے نزدیک یوپی کے وزیرِ تعلیم کا یہ جواب اردو کے حامیوں کے لئے بجائے مایوس کن ہونے کے

حوصلہ افزا ہونا چاہئے۔ کیونکہ بالواسطہ انھوں نے خود تسلیم کرلیا ہے کہ اردو کی اپنی اصل حیثیت مسلّم اور ناقابلِ تردید ہے۔ انجمن ترقی اردو علی گڑھ نے اس سلسلہ میں ایک مہم شروع کی ہے اور وہ یہ کہ یوپی سے دس لاکھ اشخاص کے دستخط لے کر صدر جمہوریہ کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کیا جائے کہ ہم لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اس بنا پر اس کو یوپی کی علاقائی زبان قرار دیا جائے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انجمن کا یہ اقدام برمحل و برووقت ہونے کے ساتھ نہایت اہم اور ضروری ہے اور اردو کے قدردانوں کا فرض ہے کہ وہ انجمن کا اس کام میں ہاتھ بٹائیں اور ہر ممکن طریقہ سے اس کی مدد کریں، اس میمورنڈم کا حشر کیا ہوگا؟ یہ تو ہم آج بھی بتا سکتے ہیں لیکن یہ فائدہ بھی کچھ کم نہیں ہے کہ اس طرح اردو کے قدردانوں میں ایک اجتماعیت پیدا ہو جائے گی اور یہ چیز بذات خود آج نہیں تو کل بہت مفید ثابت ہوگی۔ اگر انجمن چاہے تو اس اجتماعیت کو بنیاد بنا کر اردو کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہے۔

یہ ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ محض دس لاکھ دستخط لے لینا اور حکومت سے زبان کی علاقائی حیثیت منوالینا اردو کے حفظ و بقا اور اس کی ترقی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے اور دوسری جانب جو اردو لکھ پڑھ سکتے ہیں ان کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ ان میں سے ہر شخص اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اپنے مذاق کے مطابق کسی نہ کسی اردو کے اخبار یا رسالہ کے خریدنے پر خرچ کرے اس وقت جو عام مایوسی اور دلگرفتگی طاری ہے اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ اردو زبان کے ناشرین کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں اور وہ اردو کی کوئی کتاب چھاپنے کا مشکل سے ہی حوصلہ کرتے ہیں اس کا لازمی اثر یہ ہو رہا ہے کہ ارباب قلم کو اب اردو میں تصنیف و تالیف کے مشغلہ کو جاری رکھنے کا حوصلہ نہیں ہوتا اور وہ یا تو سرے سے اس مشغلہ کو ہی ترک کر دینا چاہتے ہیں یا انگریزی یا ہندی وغیرہ کسی دوسری زبان کا سہارا لیتے ہیں ظاہر ہے کہ اگر اس عام صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ناشرین نے اردو میں کتابیں چھاپنی اور مصنفین نے اردو میں کتابیں لکھنی ہی ترک کر دیں تو پھر ایک صوبہ کی نہیں بلکہ دس صوبوں کی حکومت بھی اردو کو اپنے ہاں کی علاقائی زبان تسلیم کر لے تو اس سے اردو کے تحفظ میں کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔

اس بنا پر انجمن ترقی اردو کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس موقع پر اسے اپنی تمام جد و جہد کو صرف دستخط لینے پر ہی مرکوز نہیں کر دینا چاہئے بلکہ ساتھ ہی ساتھ دو کام اور بھی کرنے چاہئیں، ایک یہ کہ ہر اردو بولنے والے سے اس کی آمدنی کا کم از کم ایک پیسہ فی روپیہ وصول کرنا چاہئے اور دوسرے یہ کہ یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اردو بولنے والوں میں سے کتنے ایسے ہیں جو اردو لکھ پڑھ نہیں سکتے اور کتنے ہیں جو لکھ پڑھ سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے انجمن [illegible] ہوگا کہ وہ ان میں سے ہر شخص کے مذاق کے مطابق اردو کے اخبار یا رسالے اور کتابیں فراہم کرنے اور ان کو ان لوگوں کے مکان پر پہنچانے کا انتظام کرے۔ اردو کی تعلیم یا اخبار اور رسالوں اور کتابوں کی فراہمی کے تمام اخراجات اس روپیہ سے پورے ہوں گے جو انجمن ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے وصول کرے گی اس اسکیم کو عمل میں لانے کے لئے ضروری ہے کہ انجمن نے دستخط لینے کے لئے جو فارم تیار کرائے ہیں انھیں پر مندرجہ ذیل خانوں کا اور اضافہ کیا جائے :-

(۱) کیا آپ اردو بآسانی پڑھ لکھ سکتے ہیں ؟

(۲) اگر لکھ پڑھ سکتے ہیں تو آپ کو اردو کا کون سا اخبار یا رسالہ سب سے زیادہ پسند ہے ؟

(۳) آپ کو سب سے زیادہ کس فن کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کا شوق ہے ؟

(۴) آپ ایک پیسہ فی روپیہ کے حساب سے انجمن کو ہر مہینہ کیا چندہ دیں گے جس کے بدلہ میں انجمن آپ کو آپکے مذاق کے مطابق اردو کا اخبار یا رسالہ اور کتابیں پابندی کے ساتھ فراہم کرے گی۔

یہ کام صبر آزما اور ہمت خواہ ضرور ہے لیکن انجمن اپنی شاخوں کے ذریعہ اس کو بخوبی انجام دے سکتی ہے۔ اردو بولنے والوں میں کثرت سے ایسے لوگ ہیں جو اردو کے اخبار یا رسالے اور کتابیں پڑھتے ہیں اور اس کے لئے وہ خرچ بھی کر سکتے ہیں لیکن تنظیم اور کسی محرک کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ مفت ہی میں کام نکال لیتے ہیں اور یا خرچ کرتے بھی ہیں تو اپنی آمدنی سے بقدر ایک پیسہ فی روپیہ سے بہت کم۔ اگر صرف صوبہ یو۔ پی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں ہر جگہ کے اردو بولنے والوں کو اس طرح پر منظم کر دیا جائے تو کوئی شبہ نہیں کہ اس کے ذریعہ اردو کے اخبارات و رسائل اور کتابوں کی عام اشاعت بہت بڑھ جائیگی اور ناشرین و مصنفین کو بھی حوصلہ ہوگا کہ وہ زیادہ سے زیادہ لکھیں اور چھاپیں۔

تورات کے دس احکام
اور
قرآن کے دس احکام

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(سلسلہ کے لئے دیکھئے برہان بابت ماہ نومبر)

بہرحال اشراک ہو یا اشراق چونکہ دونوں ہی میں بجائے خالق کے مخلوقات ہی کی قوتوں سے استفادہ تک کوششیں محدود ہوتی ہیں، فرق دونوں میں صرف اندر اور باہر کا ہے، اپنے اندر کی صلاحیتوں کو ابھار کر کام لینے کا نام اشراق یا اسپریچولزم (روحانیت) ہے اور یکا یک اللہ کے ان مخلوقات سے جلب منفعت یا دفع مضرت کے لئے دعائی اور عبادتی رشتہ قائم کر لینا جو آدمی کے اردگرد، سورج چاند، شجر و حجر، آگ پانی ہوا مٹی وغیرہ کی شکلوں میں پھیلے ہوئے ہیں یا واقع میں موجود نہ ہوں، لیکن آدمی کا واہمہ امکان کو محسوس کر کے فرض کر لیتا ہے کہ وہ موجود ہیں، کوئی نام ان ہی اوہامی مخلوقات کا رکھ لیا جاتا ہے اور ان ہی کو پوجنے لگتے ہیں، فکر و نظر کے اسی طریقہ، اور عمل کے اسی طرز کی تعبیر اشراک یا مشرکانہ ذہنیت سے کی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ خدا یا خالق کائنات سے انحراف و بے گانگی اشراک و اشراق دونوں ہی کی قدر مشترک خصوصیت ہے، اسی لئے صحیح معنوں میں جہاں تک میرا خیال ہے مذہب یا دین کا اطلاق نہ اشراک پرستی پر درست ہے، اور نہ اشراق پر مذہب اور دین کی عمومیت یا وسعت طاقتوں کا حال اگر یہی ہے تو ورزشی کرتبوں سے جو اپنے جسمانی امکانات کو بروئے کار لانے کی مشق کرتے ہیں، کشتی گیروں، یا جمناسٹک کے تماشے دکھانے والوں کے کاروبار کو بھی مذہب یا دین ہی کی ایک شاخ یا قسم کیوں نہ ٹھرا لی جائے۔ جیسے الروح

آدمی کے اندر کی ایک مخلوق ہے۔ بدن اور جسم بھی انسانی وجود ہی کا تو ایک حصہ ہے اسی طرح آفتاب وماہتاب جیسے بیرونی مخلوقات سے مشرک قومیں فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہیں، یہی حال اس بیچارے کا بھی تو ہے، جو مثلاً مقناطیس، یا برق وغیرہ جیسی چیزوں سے استفادہ کی کوششوں میں سرگرم نظر آتے ہیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ مقناطیس و برق پر کام کرنے والوں کی جد و جہد کو صرف سائنس اور حکمت کہہ کر ختم کر دیا جائے اور بجائے مقناطیس و برق کے سورج اور چاند کو اپنی توجہ کا مرکز جن لوگوں نے بنا رکھا ہے ان کو مذہبی تقدس اور دینی احترام کا مستحق ٹھہرایا جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ اشراک یا مخلوق پرستی دورِ جاہلیت کی ایک حکمت اور سائنس ہی تھی لیکن بھدی قسم کی جاہلانہ سائنس باور کر لیا گیا تھا کہ ان مخلوقات اور مظاہر کائنات کو قابو میں لانے کے لئے صرف عقلی تدبیریں ہی کافی نہیں ہیں، بلکہ ضرورت ہے کہ ان کو پوج بھی دیا جائے۔

کچھ بھی ہو، واقع میں نظریۂ اشراک اور طریقۂ اشراق دین اور مذہب کے دائرے کی چیزیں ہوں، یا نہ ہوں، لیکن اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تاریخ کے نامعلوم زمانے سے شمار کرنے والے دونوں ہی کو دین ہی کے ذیل میں شمار کرتے چلے آتے ہیں، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ صحیح دین کی روح کو "احکام عشرہ" کے قالب میں سپرد کرتے ہوئے ان دونوں مغالطوں پر کافی تنقید کی گئی ہے

لیکن حیرت اس پر ہوتی ہے کہ مذہب کے استعمال کے جس طریقہ کو عصر حاضر کی نئی ایچ اور عہد جدید کا خصیصہ سمجھا جاتا ہے اور جہاں تک میں جانتا ہوں دین کے استعمال کی اس انوکھی شکل کا چرچا شاید موجودہ زمانہ سے پہلے نہ کبھی سنا ہی گیا تھا اور نہ کیا ہی گیا تھا، یعنی کچھ دنوں سے جو یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ حقیقی مطالبہ مذہب کا یہ ہے کہ اس کے ماننے والے قدرت کے ان قوانین کا پتہ چلائیں جن کے جاننے سے موجودہ زندگی کی سہولتوں کی فراہمی میں مدد ملتی ہے، اسی دنیے بجائے ایک قرآن کے دو قرآن کا نظریہ پیش کرنے والوں کی طرف پیش کیا جا رہا ہے، لکھنے والے کتابیں لکھ لکھ کر پھیلا رہے ہیں، اور اسی کا وعظ کہتے پھرتے ہیں کہ قرآن کو ان لوگوں نے سمجھا ہی نہیں جنہوں نے ریل ہی ایجاد کی، اور نہ تار اور ٹیلیفون کے بنانے کے طریقے دریافت کئے گرامو فون

کا راز ہی ان کی سمجھ میں آیا، اور نہ سینما کی بولتی تصویروں کو پردہ پر پیش کرنے کا سلیقہ ان میں پیدا ہوا، بجائے دو کے ایک ہی قرآن کے پڑھنے والوں کو اس لئے کافر ٹھہرایا جارہا ہے کہ کاغذوں پر لکھے ہوئے قرآن کے ساتھ انہوں نے قدرت کے اس صحیفہ کا مطالعہ جاری نہ رکھا، جو اسرار و نوامیس کے خزانوں سے معمور اور لب ریز ہے بجائے خود اس مطالبہ کی نوعیت کیا ہے، ابھی اس سے بحث نہیں لیکن یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اشتراک و اشراق کی تنقید وں کے ساتھ ساتھ ان ہی احکام عشرہ والی صورت میں ایک تمہیدی فقرے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا	اور ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر نمونے کی بات دہرائی ہے مگر لوگوں نے انکار کیا ایسا انکار جو ناشکری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اسی کے بعد ایک دلچسپ مثال یا نمونے کا ذکر بایں الفاظ کیا گیا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا	اور انھوں نے کہا کہ ہم نہ مانیں گے تجھے جب تک کہ زمین سے پھوڑ کر تو چشمہ جاری نہ کرے۔

قَالُوْا کے لفظ سے جن لوگوں کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے ان کے نام کی تصریح تو نہیں کی گئی ہے، یہ خیال کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی تعبیر کبھی کبھی قرآن میں ماضی کے صیغہ سے بھی پائی جاتی ہے اور اسی بنیاد پر یہ دعویٰ کہ بنی آدم میں آئندہ اس قول کے قائل چونکہ پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے مستقبل میں جو واقعہ پیش آیا قرآن نے ماضی کی شکل میں اس کی اطلاع دے دی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کہنے والوں میں اس قسم کی باتوں کے کہنے والے بھی پیدا ہوتے رہیں گے جہاں تک میرا خیال ہے ایک بعید توجیہ سے زیادہ یہ اور کچھ نہیں ہے اور بظاہر سمجھ میں یہی آتا ہے کہ خواہ بات جتنی بھی زیادہ عجیب ہو لیکن پیغمبر پر اس مطالبہ کو قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے، کہ عرب کے ان ہی جاہلوں نے پیش کیا تھا، جن میں پہلی دفعہ قرآن نازل ہورہا تھا، بہرحال مطالبہ جن کا بھی ہو لیکن حاصل اس مطالبہ کا خود غور کیجئے اس کے سوا اور کیا ہے کہ مذہب اور دین کی دعوت دینے والے

رسول (علیہ الصلوٰت والتسلیم) سے یہ چاہا گیا تھا کہ بورنگ (چاہ کندیدگی) کی مہارت دکھا کر آب براری کرکے ان کے خشک علاقے کی سیرابی کے لئے سہولت فراہم کریں۔ چونکہ اس میں گونہ خودغرضی کا پہلو بھی پایا جاتا تھا، شاید اسی لئے خود غرضی کے اس لوث سے اپنے نقطۂ نظر کو پاک کرکے انھوں نے اسی مطالبہ کو جیسا کہ آگے اطلاع دی گئی ہے، ان الفاظ میں بھی پیش کیا تھا کہ

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ — یا خود تمہارے ہی لئے ہو جائے کھجوروں، اور انگور کا
فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا — باغ جس کے درمیان پھوڑ کر تم نہریں جاری کرو،

گویا "آب براری" کے تجربہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے اس مطالبہ میں باغبانی اور کشت کاری کی مہارتوں کے مشاہدہ کا مزید مطالبہ بھی پیش کردیا تھا، اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین اور سفلیات کے ساتھ آسمانوں اور علویات کو بھی قابو میں لاکر دکھانے کی توقع مذہب کے نمائندے پیغمبر سے انھوں نے کی تھی، آگے قرآن ہی میں ان ہی کی زبان سے یہ الفاظ جو نقل کئے گئے ہیں کہ اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی کہا کہ

أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا — یا گرا آسمان کو جیسا کہ تو خیال کرتا ہے ہم پر ٹکڑے کرکے۔

ان سے جہاں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پیغمبر کی طرف سے آسمانی عذاب کی دھمکیاں بھی دی جاتی تھیں، ان ہی دھمکیوں کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ تمہاری دھمکی بھی پوری ہوگی کہ ہم برباد ہو جائیں گے، لیکن اس کے ساتھ مذہب کے استعمال کا وہ طریقہ تو ہمارے سامنے آجائیگا کہ زمین ہی نہیں بلکہ آسمانی موجودات، اور فضا کی کائنات کو بھی قابو میں لاکر ان سے کام لینے کا طریقہ سکھانا چاہیئے کہ یہی مذہب اور دین کا اصل مقصود ہو،

ایک مطالبہ ان کی طرف سے اللہ کے رسول علیہ السلام کے آگے یہ رکھا گیا تھا جس کے متعلق تعجب ہوتا ہے کہ عصر کے جاہلوں کے دماغ میں بھی مذہب کے استعمال کا یہ اچھوتا اور انوکھا طریقہ کیسے آگیا جسے پانے والے سمجھ رہے ہیں کہ علم کی نئی روشنی پانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ تمہیدی فقرے میں مِن كُلِّ مَثَلٍ (ہر نمونے کی باتوں) کا ذکر جو کیا گیا تھا ہم پاتے ہیں کہ ہمارے عہد جدید

ہی کی دوسری خصوصیت مذہب اور دین ہی کی تنقید کے سلسلے میں جو پیش ہوئی ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ کے دائرے میں جبتک کوئی چیز نہ آجائے اسوقت تک ہم اسکو مان نہیں سکتے، یا کم از کم اسکے اقرار و انکار دونوں سے چاہیئے کہ آدمی بے تعلق رہے، اسی بنیاد پر سارے غیبی حقائق جنکا مذہب میں تذکرہ کیا گیا ہے سب ہی کی حقیقت علم کے دورِ جدید میں مشتبہ و مشکوک ہو چکی ہے بلکہ عملاً سب ہی کا گویا انکار ہی کر دیا گیا ہے سمجھا جاتا ہے کہ تحقیق و تلاش کا نیا معیار موجودہ حکمت و سائنس نے جو قائم کر دیا ہے اس کی روشنی میں مذہب اپنے بھرم کو کھو بیٹھا ہے۔ لیکن اب اسکو کیا کہئے کہ عرب کے ان ہی جاہلوں کی طرف قرآن نے جہاں مذکورہ بالا مطالبے منسوب کئے ہیں وہیں آگے ہم یہ بھی پاتے ہیں، انکا قول نقل کیا گیا ہے کہ

اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا (انھوں نے کہا) یا لا ہمارے سامنے اللہ اور فرشتوں کو

جسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ "غیبی حقائق" کو مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں لانیکا مطالبہ بھی عرب کے ان ہی جاہلوں کی طرف سے پیش کیا جا چکا تھا، بلکہ آئندہ زندگی میں "جنت" کے محلات یا قصور کا ذکر کرتے ہوئے جن خصوصیتوں کی خبر دی گئی تھی، شاید ان ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھوں نے یہ بھی چاہا تھا جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ

اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (انھوں نے یہ بھی کہا کہ) یا ہو تیرے لئے محل زرنگار، یا طلائی محل

اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ جاہلی مطالبہ یہ تھا کہ پیغمبر جو یہ کہتے ہیں کہ خدا کی وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے اور خدا کا فرشتہ وحی لیکر مجھ پر اترتا ہے، اسی وحی کو بنام قرآن میں پیش کر رہا ہوں ظاہر ہے کہ قرآن کو تو وہ سُن رہے تھے، لیکن نزولِ قرآن کی ساری منزلیں کہ خدا فرشتہ کے سپرد کرتا ہے اور فرشتہ اسی کو لے کر پیغمبر کے سامنے آتا ہے، اور خدا کے سکھائے ہوئے الفاظ پیغمبر کو فرشتہ پڑھاتا اور یاد کراتا ہے، یہ ساری منزلیں صرف "الغیب" ہی سے تعلق رکھتی تھیں، عرب کے ان ہی جاہلوں نے اسی بنیاد پر کہ مشاہدہ اور تجربہ میں بات جب تک نہ آجائے ہم اسکو مان نہیں سکتے، اپنا مطالبہ ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ

اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ

یا اے پیغمبر تم چڑھ جاؤ آسمان پر، اور ہم نہ مانیں گے صرف تمھاری چڑھائی کو تا اینکہ تم اتار دو ہم پر کتاب جسے ہم پڑھیں،

شاید ان کا خیال تھا کہ ڈھٹ بندی یا سحر اور جادو وغیرہ کے زور سے یہ تو دکھایا جا سکتا ہے کہ آسمان پر آدمی چڑھ رہا ہے اسی لئے انھوں نے کہا تھا کہ آسمان کی طرف صرف چڑھائی کافی نہیں ہے۔ بلکہ قرآن تم پر جسطرح نازل ہوتا ہے نزول کی اس کیفیت کا اور جن جن منزلوں سے اس سلسلہ میں گذرنا پڑتا ہے، سب ہی کا تجربہ جب تک نہ کراؤگے، تاآنکہ جیسے تم نزول کے بعد قرآن پڑھنے لگتے ہو، ہم بھی پڑھنے لگیں، اسوقت تک ہم ان "غیبی باتوں" پر ایمان نہیں لاسکتے،

خلاصہ یہ ہے کہ مطالبہ ان کا بھی جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، وہی تھا کہ مشاہدہ اور تجربہ کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہم نہیں کر سکتے۔ خدا کا، فرشتہ کا، فرشتہ خدا سے وحی کو کس طرح حاصل کرتا ہے اور حاصل کرکے پیغمبر کے سینے میں اسکا القار کسطرح کرتا ہے۔ وہ اس سارے سلسلہ کی ایک ایک کڑی ایک ایک جزر کو مشاہدہ اور تجربہ کے حدود میں لاکر دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جنت پوری نہ سہی جس قسم کے قصور اور محلات کا ذکر اسکے متعلق کیا جاتا ہے، کم از کم اسی کا کوئی نمونہ ہی دکھا دیا جائے، کچھ بھی ہو، مذہب کے متعلق ان دونوں نظریوں کو قرار دینے والے خواہ جس زمانہ کی بھی پیداوار قرار دے رہے ہوں لیکن اسکا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن میں ان دونوں نظریوں کا ذکر موجود ہے، اور ٹھیک اسی مقام اور اسی سورہ میں ان کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے، جسمیں مذہب ہی کے متعلق اشراک واشراق والے عام مغالطوں کی تنقید کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ جو حال ان قدیم اور پرانے مغالطوں کا ہے اور مذہب کی "صحیح روح" کے عدم یافت سے اس قسم کے وسوسے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں، یہی کیفیت ان دونوں مغالطوں کی بھی ہے، پھر اصل حقیقت کو واضح کرتے ہوئے پیغمبر کو خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا	کہہ دے کہ میرا پروردگار پاک ہے نہیں ہوں میں مگر ایک "بشر رسول"

"بشر رسول" ان ہی دو لفظوں میں اگر غور کیا جائے تو ان دونوں قدیم مغالطوں کا جواب چھپا ہوا ہے

جنھیں پیش کرنیوالے جدید نقاطِ نظر کے نام سے پیش کر رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ "بشر" یعنی آدمی کی فطرت، کائنات کی دوسری ہستیوں کی طرح قدرتی قوانین کی پابند ہے، منجملہ ان قوانین کے آدمی کی فطرت کا عام قانون ہے کہ صنعتی مہارتیں، یا اختراعی و ایجادی سلیقہ اس میں سیکھنے سکھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ جس نے بورنگ یا چاہ کندیدگی یا چشمہ برآری کا فن نہیں سیکھا ہے اچانک اس سے اسکی توقع کہ وہ ان کاموں کو کر کے دکھا دے، اور جہاں پانی نہیں ہے، وہاں پانی پہنچا دے، جب تک باضابطہ اس فن کی انجینیری کی تعلیم نہ حاصل کی جائے۔ اور پانی کے بہاؤ کا نشیب و فراز، زمین کے ڈھلاؤ سے جو تعلق ہے، اسکے گر نہ بتائے جائیں، اسی طرح باغبانی یا یا کشت کاری زراعت کے اصول کی علماً و عملاً مشق حاصل کئے بغیر اچانک باغ لگا کر دکھانا، یا ہرے بھرے تاکستانوں کا نظارہ پیش کرنا، اور ان کے سینچنے کے لئے ہر درخت اور انگور کی ہر بیل تک پانی پہنچانا، اسکا اندازہ کہ کس زمانہ میں پانی دینا مفید ہوگا، اور کب مضر ہوگا، پانی کی مقدار کی نوعیت مختلف درختوں کے لئے کیا ہونی چاہیئے، الغرض یہ اور اسی قسم کے سارے قاعدے اور قوانین جنکی ضرورت ان راہوں میں پیش آتی ہے بشری فطرت کا یہ دستور نہیں ہے کہ مشق و ممارست کے بغیر بے سیکھے اور جانے ان کو کر دکھائے، اور جب زمین سے تعلق رکھنے والے امور کے ساتھ بشری فطرت کا یہ عام قانون ہے، تو آسمانی مطالبہ جو ان کا تھا، ظاہر ہے کہ وہ تو ان سے بھی زیادہ دور از کار تھا، ان کو سمجھا دیا گیا کہ پیغمبر بشر ہیں، فرشتے، یا ملک یا دیوتا نہیں ہیں،

بہرحال غرض یہی ہے کہ کائناتی حقائق مثلاً آگ کس لئے ہے، ہوا سے کون کون سی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، برق سے بھاپ سے، پٹرولیم سے کس قسم کے کام لئے جا سکتے ہیں، یا روٹی کیسے پکتی ہے، جوتوں کے سینے کا صحیح طریقہ کیا ہے، کپڑے کسطرح بنے جاتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ کائنات کس لئے ہے؟ اس سوال کا جواب تو خود انسان سے، اسکی عقل ہے، اسکا دماغ ہے، سوالات پیدا ہو رہے ہیں، اور آدمی آدمی کی عقل ان کا جواب دیتی چلی جا رہی ہے، مگر یہی جو "ہر کس لئے" کے سوال کا مجسم زندہ جواب بنا ہوا ہے جب پوچھا جاتا ہے کہ وہ خود کس کے لئے ہے؟ یعنی خود آدمی کے وجود سے کس نصب العین کی تکمیل ہوتی ہے، ظاہر

ہے کہ عقل و حواس کے سامنے جو کچھ ہے اس کو پیش نظر رکھکر نہ اسکا کوئی جواب ہی دیا جاسکتا ہے اور نہ اس جواب کے بغیر انسانی وجود بلکہ کائنات کی پیدائش کی معقول یا غیر معقول توجیہ ہی سمجھ میں آتی ہے جس کے لئے سب کچھ ہے جب وہی بے قیمت، بے معنی، لاحاصل، بے نتیجہ وجود بنکر رہ جاتا ہے، تو جو کچھ اس لئے ہے، اس کی بھی قدر و قیمت کیا باقی رہی؟[1]

نبوات و رسالات کا نظام جسکی تعبیر ہم مذہب اور دین وغیرہ کے الفاظ سے کرتے ہیں سچ پوچھئے تو اسی جزر وضم (بہرے گونگے) سوال کا جواب ہے۔ مذہب ہی نے اس سوال کے جواب کو پیش کرکے عالم کے اس نظام کو ایک بامعنی اور بامقصد نظام بنا دیا۔ اور انسان جو مخلوقات کے سلسلے میں کسی کے کام کا نظر نہیں آرہا تھا اسکے متعلق یہ اعلان کرکے کہ پیدا کرنیوالے نے آدمی کو صرف اپنے لئے، اپنی عبادت کیلئے اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، مذہب نے انسانی وجود کے اتنا بالا و بلند کر دیا کہ بنی آدم کے کسی ایک فرد کو بچا لینے کیلئے، سارے حیوانات، سارے نباتات الغرض ساری کائنات ہی کے ختم کرنے کی ضرورت پیش آجائے، سمجھا جاتا ہے کہ انسانی وجود کے احترام کا یہ قدرتی اقتضا اور اسکا یہ ناقابل انکار واجبی حق ہے،

الغرض زمین کھودکر پانی کیسے نکالا جائے نہریں کس طرح جاری کی جائیں، باغوں کے لگانے، کھیتوں کے آباد کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسی نوعیت کی دوسری چیزوں سے کام لینے کا ڈھنگ تو آدمی کی عقل بتاتی ہے لیکن خود آدمی کا کام کیا ہے، مذہب صرف اسی سوال کا شارح اور اسی کا وہ قدرتی جواب ہے،

"نہیں ہوں میں، مگر ایک "بشر" رسول" یعنی" خالق کا پیغام پہونچانے والا آدمی ہوں"

جو هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا کا ترجمہ حاصل ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ قدرت نے

---

[1] مطلب یہ ہے کہ کائنات سے آدم کی اولاد اگر نکال لی جائے تو ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز اپنے حال پر باقی رہ جاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں ایسا کوئی نہیں ہے جس کی کسی ضرورت میں کام آکر آدمی اپنے وجود کی قیمت اور اپنی آفرینش کا مقصد بتاتے حالانکہ برعکس اس کے بلاواسطہ یا بالواسطہ حالا یا مآلا کائنات کی ہر چیز انسانی ضرورتوں میں کام آکر اپنی قیمت کو حاصل کر رہی ہے۔

آنکھوں کو دیکھنے کے لئے، کانوں کو سننے کے لئے جیسے بنایا ہے اور یہ غیر فطری مطالبہ ہوگا کہ آنکھوں سے سننے کا اور کانوں سے دیکھنے کا مطالبہ کیا جائے، اسی طرح "جو آدمی رسول یعنی مذہب کا پیغام لے کر بھیجا گیا ہے اس کے آگے ایسے مطالبات رکھنا جو نہ تو بشری فطرت کے عام اقتضاؤں کے مطابق ہیں، اور نہ اس کے عہدۂ رسالت ہی سے ان مطالبوں کا تعلق ہے مطالبہ کرنے والوں کی بدتمیزیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

اور یہی "بشیر رسول" بلکہ "رسول کے ایک ہی لفظ میں مذہب کی اس تنقید کا جواب بھی پوشیدہ ہے کہ تجربہ اور مشاہدہ کے حدود میں جب تک مذہب کے پیش کردہ مسائل اور حقائق نہ آجائیں گے اس وقت تک وہ واجب التسلیم نہیں ہو سکتے۔

آخر خود غور کیجئے، کہ کائنات کا ایک حصہ تو وہ ہے جسے ہمارے حواس یعنی ہماری بینائیاں، شنوائیاں یا دوسرے ادراکی و حسی ذرائع پار ہے ہیں لیکن اسی کے ساتھ ہماری فطرت ہی کا احساس یہ بھی ہے کہ جو کچھ ہمارے حواس کے سامنے ہے، اس کے سوا بھی ہستی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جسے نہ ہم پار ہے ہیں اور نہ ہمارے حواس، اسی حصہ کو ہم "الغیب" کہتے ہیں اور تو اور ہماری موجودہ زندگی کی ابتداء اور انتہا تک ہمارے سامنے نہیں ہے، ہم میں نہ کوئی جانتا ہے اور نہ عقل و حواس کی مدد سے جان سکتا ہے کہ ہم کہاں سے آئے ہیں یا ہم کہاں جارہے ہیں گویا موجودہ زندگی ایک ایسی کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے کھولی گئی ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی اوراق بھی پھاڑ دیئے گئے ہیں اور آخری اوراق بھی، ظاہر ہے کہ جس کی ابتداء بھی سامنے نہ ہو، اور انتہا بھی غائب ہو ہم اس کا صحیح مطلب کیا متعین کر سکتے ہیں اور اس اندھیرے میں جو قدم بھی اٹھائیں گے، نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح قدم اٹھ رہا ہے یا غلط۔

"الرسول" درحقیقت ہماری عقل اور ہمارے حواس کے ان ہی آخری حدود پر پہنچ کر ہمارا ہاتھ پکڑتے ہیں، اور "الغیب" کی جن باتوں کے جانے بغیر ہم اپنی موجودہ زندگی کی رفتار کا صحیح رخ متعین نہیں کر سکتے، ان ہی باتوں سے ہمیں آگاہ کرتے ہیں۔ جس کے بعد ہمارا حال، ہمارے ماضی اور مستقبل دونوں ہی کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ جہل کی تاریکیوں سے نکل کر ہم اچانک "روشنی" میں آجاتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ کسی دین و مذہب یا اسکے پیش کرنیوالے رسولوں اور نبیوں کی طرف سے اسکا مطالبہ کبھی نہیں پیش ہوا کہ جن چیزوں کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، ہاتھوں سے چھو رہے ہیں، کانوں سے سن رہے ہیں، یا جنھیں ہم چکھ رہے ہیں، سونگھ رہے ہیں، ان کو مانا جائے اور ان پر ایمان لایا جائے، یا آفتاب چمک رہا ہے، چاند دمک رہا ہے، ستارے جھلک رہے ہیں یا پانی چھلک رہا ہے، یہ یا اسی قسم کے مشاہدات کا اقرار کروایا ہو کہ کسی دین یا مذہب میں بنی آدم کے آگے اس نوعیت کے مطالبات تاریخ کے کسی زمانہ میں کبھی نہیں رکھے گئے ۔

پھر جو کہتے ہیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کی گرفت میں آنیوالی باتوں ہی کو پیغمبر اگر منوائینگے تب تو ہم انکو مان سکتے ہیں لیکن ہماری جانی ہوئی باتوں کے سوا وہ کچھ اور بتانا چاہتے ہیں، اور جن باتوں سے ہم جاہل ہیں انسے آگاہ کرنا چاہتے ہیں، تو ہم اپنے علم میں پیغمبروں کے اس اضافہ کو کسی طرح شریک نہیں کر سکتے، الغرض ہم جو کچھ جانتے ہیں اس سے زیادہ جاننے اور ماننے پر کہتے ہیں کہ ہم آمادہ نہیں ہو سکتے،

آپ ہی بتائیے کہ جاہلانہ اصرار کے سوا ان کا یہ بیجا اصرار اور بھی کچھ ہے "الرسول" کے وجود کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ عقل و حواس کی حد پرواز سے باہر کی چیزوں سے آگاہ کر کے شہادت کا غیب سے محسوس کا نا محسوس سے، جانی بوجھی باتوں کا انجانی باتوں سے رشتہ قائم کر کے آدمی کے ماضی کا مستقبل سے اور ابتدا کا انتہا سے جو تعلق ہے اسے واضح کر دیا جائے لیکن عقلی و حسی معلومات کے سوا جسکے اندر پیغمبروں کے پیش کردہ جدید معلومات وانکشافات کے ہضم کرنیکی گنجائش ہی نہ ہو، وہ جو کچھ جانتا ہے، اس سے زیادہ جاننے کی صلاحیت ہی سے اپنے آپ کو محروم بتاتا ہو، ان کوتاہ نصیبوں کے لئے پیغمبروں کی تعلیم میں اگر کوئی حصہ نہ ہو، تو اسکے سوا دوسری صورت ہی کیا ہے "نہیں ہوں میں لیکن ایک آدمی رسول" یہ جواب پیغمبر کو قرآن میں ان لوگوں کے مطالبہ کے مقابلہ میں جو سکھایا گیا ان کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا تھا کہ "غیبی حقائق" کو جب تک "محسوس معلومات کے قالب میں نہ لے آؤ گے ہم تم پر ایمان نہیں لا سکتے" غور کرنا چاہئے اس کے سوا اور ان کو کیا جواب دیا جاتا۔ کہ ان لوگوں نے نہ "الرسول" ہی کو سمجھا ہے، اور جس کام کیلئے رسول بھیجے جاتے ہیں، نہ اسی کا واضح تخیل ان کے پاس ہے،

دنیا کا دستور بھی یہی ہے، کہ ناواقف کو پیغام پہنچانیوالا ان خبروں، یا حوادثات و واقعات سے مطلع کرتا ہے جن سے وہ ناواقف ہوتا ہے لیکن یہ بھی کیا کسی نے سنا ہے کہ بیمار کے پاس پیامی یہ خبر لیکر آیا ہو کہ تم بیمار ہو اپنی علالت اور بیماری سے تو غریب بیمار خود ہی واقف ہے، پھر پیامی کے آنے اور مطلع کرنیکا مطلب ہی کیا ہو سکتا ہے، اسی طرح آفتاب موجود ہے، آگ روشن ہے، پانی بہتا ہے ان باتوں کا پیغام تو ہماری آنکھ ہمارے اندر پہنچا رہی ہے پھر ان ہی کے منوانے کے لئے پیغمبر یا رسول کی کیا ضرورت ہے،

الحاصل مذہب سے یہ کام لینا کہ معاشی ضرورتوں سے سہولت جن چیزوں سے پیدا ہوتی ہے ان کے استعمال کے طریقوں کو مذہب بتائے اور سکھائے، یا مشاہدہ اور تجربہ کے حدود تک اپنی تعلیم کو مذہب محدود رکھے، کہنے کی حد تک مذہب کے متعلق فکر و نظر تنقید و اعتراض کے ان دونوں عنوانوں کو پیش کر کے اپنی جدت طرازیوں کی داد لینے والے کیوں نہ داد لے رہے ہوں لیکن اپنے احکام غیر شرفی جنہیں مذہب کی روح سمجھی ہوئی ہے، ان کو حوالہ کرتے ہوئے، قرآن نے مذہب کے متعلق قدیم مغالطوں کے ساتھ ان مغالطوں کا بھی راز واضح کر دیا ہے، جنھیں سمجھنے والے خواہ کچھ بھی سمجھتے ہوں، لیکن ہیں وہ بھی پرانی جاہلی ذہنیتوں کی پارینہ پیداوار یں جاہلیت

کے خفقان کا دورہ جب آدمی کے دل و دماغ پر پڑتا ہے تو اسکے اندر اسی قسم کے شوشے ابلنے لگتے ہیں، بلکہ ادنیٰ درجہ کے سیاسی اغراض کیلئے بھی مذہب کے استعمال کی نوعیت تقریباً وہی ہے جو حال ان لوگوں کا ہے جو مذہب کی کتاب و رمذہب کے رسول سے ہوائی جہاز، ریل، تار، انجن وغیرہ سیکھنا چاہتے ہیں، یہ سچ ہے کہ نام نہاد روحانیت کو مذہب کا معیاری قالب مشہور کر کے "دنیا گریز رجحانات" سے عوام کو جو مانوس بنا رہے تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن نے بار بار یہ اعلان ضرور کیا ہے کہ مخلوقات کا یہ سارا سلسلہ جو تمہارے سامنے ہے اسلئے نہیں ہے کہ ان سے بھاگا جائے بلکہ تمہارے ہی لئے تمکو نفع پہنچانے کے لئے قدرت نے ان کو پیدا کیا ہے لیکن ایک غلط خیال کی تصحیح کیلئے قرآن کے اس اجمالی بیان کا یہ مطلب سمجھنا یا سمجھانا کہ دنیا کی ہر ہر چیز کے استعمال کے صحیح طریقوں کا بتانا، اور جن جن چیزوں سے جو کام لیا جا سکتا ہے اُنسے کام لینے کی تدبیریں سکھانی بھی قرآنی تعلیم کا حقیقی نصب العین ہے جیسے قرآن پر افترار کی یہ ایک بدترین گندی مثال ہے، اسی طرح بنی آدم کی سیاسی بازی گریوں کو دیکھ دیکھ کر اور عزت و نام و نمود کے حاصل کرنے کا ارزاں طریقہ اسی کو پا کر مذہب کی طرف یہ منسوب کرنا کہ تنازع للبقار کے میدان کا ایک کھلاڑی وہ بھی ہے بالفاظ دگر کسی مفاد، یا صرف نام میں شریک کر کے بنی آدم کی کوئی ٹولی مذہب بھی بنا لیتا ہے اور اسی ٹولی کو باقی رکھنے کے لئے دنیا کی دوسری قوموں یا جتھوں کو ختم یا مغلوب کر کے رکھنا چاہتا ہے،

کم از کم جس مذہب کو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی طرف تو اس سیاسی "گھن چکر" کو منسوب کرنا بڑی دیدہ دلیری ہے قرآن بنی آدم کے ہر ہر فرد کے لئے پیغام ہے، وہ سب ہی کا بہی خواہ ہے، کسی قوم، یا ٹولی یا جتھے کو فنا یا مغلوب کرنے کی نیت تو بڑی بات ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہر اس شخص کو جو زمین کے اس کرے پر آدمی بن کے پیدا ہوا ہے ہر ایک کو قرآن راحت و مسرت کی ابدی زندگی میں حصہ دلانے پر اصرار کر رہا ہے جو مٹ رہے ہیں خود مٹ رہے ہیں یا دوسروں کے ہاتھوں مٹائے جا رہے ہیں، ان سب کو بقا، دوام کی نعمت بخشنا چاہتا ہے۔ اور اس کی سیاسی جدوجہد بجائے تنازع للبقار کے ابقار، (یعنی دوسروں کو باقی رکھنے) کی اسی کوشش کا دوسرا نام ہے اسی جدوجہد کو جہاد بھی کہتے ہیں، جس کی مہیب شرحوں، خود ساختہ شرحوں نے غلط اندیشوں کو خدا ہی جانتا ہے کہ اوہام و خرافات کی کن وادیوں میں بھٹکا رکھا ہے دوسروں کو موت کے خطرے میں مبتلا کر کے اپنی یا اپنی ٹولی، اپنے جتھے کی زندگی کی ضمانت حاصل کرنی، جنگ اور دھینگا مشتی کی ان درندگیوں کو بھلا اس پاک اور بلند نقطۂ نظر سے کیا تعلق جسمیں دوسروں تک زندگی ابدی زندگی، دوامی راحت و آرام کی ابدی زندگی کے پیغام پہنچانے کی کوششوں میں حکم دیا گیا ہے کہ موت کا خطرہ بھی سامنے آجائے تو جوتی اس خطرے کو قبول کرنا چاہیئے، یا کہیئے تو کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں کی جلانے اور زندہ کرنیکی کوششوں میں مرنا پڑے تو مرجانا چاہیئے، اسلامی جہاد کی حقیقی روح بھی اور صرف یہی ہے، باقی اسلام کا نام لیکر دنیا کی ٹولیوں کے مقابلہ میں اپنی بھی ٹولی کھڑی کر کے دوسروں کی موت سے اپنی اور اپنی اسی ٹولی کی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں ممکن ہے مسلمان نامی اپنے جتھے کیلئے رنگ رلیوں، ٹھاٹ باٹ کے ساز و سامان کے حاصل کرنے میں کچھ دنوں کے لئے کامیاب بھی ہو جائیں، لیکن اسلام کے آگے بڑھنے اور بڑھانے میں یقیناً وہ راہ کے روڑے بنے ہوئے ہیں۔

اختراعی نصب العینوں کے پیش کرنیوالوں کا یہ دعویٰ کہ ان کے نصب العین کو قبول کرکے حکومت کی باگ ان کے ہاتھوں میں اگر دیدی جائے تو انسانی زندگی کا موجودہ ابتلائی و عبوری دور اسی وقت فردوسی زندگی کا قالب اختیار کرلیگا جو شرور اور برائیوں کے عناصر سے اس خاکی زندگی کو کلیتہً وہ پاک کردینگے جھوٹ بولنے والوں کے منہ پر تو یہ جھوٹ گو نہ پھب بھی جاتا ہے لیکن تاریخ کی شہادتوں کو جھٹلا کر اس مفروضہ کو اسلام کی طرف منسوب کرنیوالوں کو شرم کیوں نہیں آتی، جب وہ بھی پھر اسی قسم کے وعدوں اور وعیدوں سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں، بجائے انسانوں کے فرشتوں کو بنی آدم کے گھرانوں میں نہ پہلے چلتے پھرتے پایا گیا ہے، اور نہ آئندہ پایا جائیگا، آسمان سے اتر کر جنت نہ پہلے کبھی زمین پر آئی ہے اور نہ آئندہ آئیگی، فساد اور فتنوں سے زندگی کا امتحانی و ابتلائی دور نہ پہلے کبھی خالی رہا ہے اور نہ آئندہ رہے گا ہاں مرنیکے بعد آئندہ زندگی میں آدم کی اولاد اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پالے، اسکے لئے جس علم اور عمل کی ضرورت ہے، اسلام اسی کا داعی و ناشر، معلم و مبلغ ہے اسکے سوا منسوب کرنیوالے جن باتوں کو اسکی طرف منسوب کررہے ہیں، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی کتاب "القرآن" والا اسلام نہیں ہے بلکہ منسوب کرنیوالوں کے دماغوں کا پیدا کردہ اسلام ہے، اور اپنے دعاوی و خیالات کے وہ خود ذمہ دار ہیں ان ہی کو جواب اس قسم کے سوالوں کا دینا چاہیے، کہ تیرہ چودہ صدیوں میں پندرہ بیس سال کے سوا اپنے نصب العین کو عملی قالب عطا کرنے سے جو اسلام مسلسل محروم ہی رہا کیا دنیا کے کامیاب مذاہب میں وہ شمار ہوسکتا ہے؟

جوہری توانائی

از

(جناب مولوی محمد عبدالرحمٰن خاں صاحب سابق پرنسپل جامعہ عثمانیہ صدر حیدرآباد اکاڈمی)

ابتدائے تاریخ سے انسان قوائے فطرت کا راز معلوم کرکے نہ صرف اپنے آرام و آسائش کا سامان فراہم کرنا چاہتا ہے بلکہ اپنے بنی نوع پر تفوق قایم کرکے ان کو اپنا محکوم بنانے کی بھی کوشش کرتا ہے چونکہ اس کو عموماً اپنی طبیعت پر دسترس حاصل نہیں ہے اور نہ باوجود مذہب و انسانیت کی مسلسل تلقین کے وہ علی العموم اس قسم کا دسترس حاصل کرنے کا خواہشمند ہے اس لئے اس کو ہر وقت طاقت و توانائی کے بڑے سے بڑے اور جلد سے جلد اثر کرنے والے ذرائع کی والہانہ تلاش رہتی ہے اس تلاش میں نہ صرف ایک منفرد انسان دوسرے منفرد انسان سے متصادم ہوتا ہے بلکہ ایک قوم دوسری قوم سے ٹکراتی ہے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بمصداق مشہور انگریزی کہاوت (All is fair in love and war) محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے) ایک قوم دوسری قوم کو نیست ونابود کرنے پر بھی آمادہ ہوجاتی ہے۔ گزشتہ عالمگیر جنگوں میں ہم نے دیکھا کہ جرمنوں اور ان کے ساتھیوں نے مروت و اخلاق کا کہاں شمار انسانیت و عقل سلیم تک کو ٹھکرا کر ظلم و تشدد کا ہر جگہ طوفان برپا کردیا۔

طبیعیات و کیمیا کے ماہرین کو ایک عرصہ سے جوہر کی اندرونی توانائی کا انکشاف ہوتا آرہا تھا، آزاد و ترقی یافتہ ممالک کے تجربہ خانوں میں کوشش کی جارہی تھی کہ جوہر کی اس توانائی پر اقتدار حاصل کرکے اپنے ملک کی دولت و ثروت کو ممکنہ وسعت دی جائے اور مخالف اقوام کو ہمیشہ کے لئے سرنگوں کیا جائے دوسری عالمگیر جنگ نے کچھ ایسی ہولناک صورت اختیار کی کہ تقریباً تمام دنیا کے ممالک سے کم از کم دس لاکھ سربرآوردہ سائنس دانوں نے نازی و آمری ظلم و تشدد کے خلاف اشتراک عمل کرکے جوہر کی اندرونی توانائی پر بالآخر قابو پالیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ انسان اگر دیانت داری سے مل جل کر کام کرے

تو مشکل سے مشکل مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے۔

اگرچہ اس کوشش میں جیسا کہ ہم آگے چل کر بتائیں گے بعض چوٹی کی تحقیقات جرمنی ہی کے سائنسدانوں نے کی خوش قسمتی سے ان میں سے اکثر و بیشتر سائنس داں نازی حکومت کے نسلی امتیاز اور ظلم و تشدد سے تنگ آکر اپنی معلومات کے ذخائر اور جو کچھ بھی ساز و سامان اس تحقیق سے متعلق اٹھالیا جا سکتا تھا باندھ کر اپنے ساتھ انگلستان اور امریکہ کو لے گئے۔

ممالک متحدہ امریکہ میں اول اول اس جدید سائنس (نیوکلیر فزکس یعنی مرکزہ کی طبیعیات) سے سنجیدہ واقف اشخاص کی تعداد نسبتہً بہت تھوڑی تھی اور جو بھر رشتہ جنگ اپنے قدیم بری و بحری لڑائیوں کے طریقے چھوڑ کر اس سائنس کے جدید اور غیر آزمودہ آلات حرب (جوہری بمب وغیرہ) کی تیاری پر بے شمار روپیہ صرف کرنے کے لئے آمادہ نہ تھا۔ آخر البرٹ آئنسٹائین (Albert Einstein) نیل بور (N. Bohr) انریکو فرمی (Enrico Fermi) وغیرہ جیسے ذی اثر سائنس دانوں کے ہمت دلانے پر پریزیڈنٹ روزویلٹ (ROOSEVLT) نے حسب ضرورت روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دی۔

جوہری توانائی کا استعمال سمجھنے کے لئے جوہر کی ساخت سے متعلق چند اہم امور سے واقفیت ناگزیر ہے اس لئے ہم پہلے ان سے آگاہ کرانا چاہتے ہیں دنیا کے تمام کام بتدریج ہی عمل میں آتے ہیں گوئی جلد کوئی آہستہ، جوہر جو قدما کے قیاس میں اتنا چھوٹا تھا کہ اس کا توڑنا پھوڑنا ناممکن العمل تھا بالآخر انیسویں صدی کے آخری دس سال سے زبردست برقی قوتوں کے زیر اثر ٹوٹنے لگا اسی زمانہ سے طبیعیات کے چند انقلاب انگیز انکشافات اور نظریے شائع ہونے لگے۔ رنٹگن (Rontgen) ۱۸۹۵ء میں لاشعاعیں دریافت کرکے دنیائے جراحی و طب کو ناقابل فراموش فائدہ پہنچایا اس سال سے جے جے تھامسن (J. J. Thomson) نے خلائی نلی میں بلند قوت کی برقی رو دوڑا کر الیکٹرون (Electron) یعنی برقیے کے کرشمے دکھلائے اور اس کے برقی بار اور کمیت کی پیمائش کی جس سے جوہری طبیعیات کا ایک نیا باب کھل گیا ۱۸۹۶ء میں پیرس کے ہنری بیکرل (Henry Becquerel) کو یورینیم کی تابکاری کا انکشاف

ہوا اور ہنگے پیل کر میڈام کیوری (Curie) اور ردرفرڈ (Ruther Ford) وغیرہ کے تجربوں سے ریڈیم اور اس کے تابکاری الفا (α) اور بیٹا (B) ذرات اور جیما (Y) شعاعوں کی حقیقت معلوم ہوگئی۔

بیسویں صدی کے آغاز پر میکس پلانک (Max Planck) نے نظریہ قدریہ پیش کرکے قدیم طبیعیات کے اہم اصول میں ترمیمات نافذ کئے اور ردرفرڈ نے ۱۹۱۱ء میں جوہر کے مرکزہ کا ابتدائی نظریہ شائع کیا۔ نیل بور نے ۱۹۱۳ء میں اس کی مدد سے طیفی خطوط کی توجیہ کی۔ ایف۔ ڈبلیو ایسٹن F.W. ASTON نے ۱۹۲۰ء میں اپنے مرمکیتی طیف نگار کے ذریعہ جواہر کے متعدد ہمجاؤں (Isotopes) کی کمیتیں دریافت کیں [ہمجا سے مراد ایک ہی جوہری عدد کے عنصر ہیں جن کا مقام منڈلیف (Mendeleef) کے جدول ادوار (Periodic Table) میں ایک ہی ہے، اس لئے ان کے کیمیائی خواص بھی ایک ہی ہیں مگر جوہری کمیتیں مختلف ہونے سے طبیعی خواص کسی قدر مختلف ہیں۔]
مائکلسن اور مورلے (Mikelson and Morley) کے ۱۸۸۶ء کے تجربہ سے معلوم ہوا تھا کہ نور کی رفتار پر زمین کی حرکت کا اثر نہیں محسوس ہوتا تو اس کی تعبیر میں البرٹ آئینسٹائن نے ۱۹۰۵ء تا ۱۹۱۵ء اپنے انقلاب انگیز نتائج شائع کئے جن میں جوہر کی توانائی سے متعلق سب سے اہم کلیہ مادّہ اور توانائی کا باہمی استحالہ ہے۔

اگرچہ ابتدائی صدی سے سائنسداں جانتے تھے کہ زمین پر ایک ایسے شعاع کی بوچھاڑ چلی آرہی ہے جس کا مبدار بیرونی فضا رہے اور جس کی وجہ سے کامل احتیاط کے باوجود برقائے ہوئے مجوزہ اشیاء امنرقا جاتے ہیں ۱۹۱۱ء میں گوکل (Gockel) کے تجربوں سے معلوم ہوا کہ یہ اشعاع کائناتی کہلانے کے قابل ہے اور بعد کو ظن غالب پیدا ہوا کہ وہ شاید کوکبی یا بین الکوکبی مادّے کے توانائی میں تبدیل ہونے کا نتیجہ ہے۔

۱۹۱۹ء میں ردرفرڈ اور اس کے شاگردوں نے جوہر کے مرکزہ میں انتہائی تیز رفتار ذرات کو داخل کرکے مصنوعی طریقوں سے ایک عنصر کو دوسرے عنصر میں تبدیل کرنا شروع کیا۔

۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک لوئی ڈے بروگلی (L. de Broglie) ہائزنبرگ (Heisenberg) شروڈنگر (Schrodinger) اور ڈیراک (P. A. M. Dirac) نے قدری میکانیات ایجاد کی اور اس کو کامیابی کے ساتھ مرکزہ کے پیچیدہ مسائل کی توجیہ میں استعمال کیا۔

[جوہری توانائی کا راز معلوم کرانے کے لئے فنی تفصیلات سے بچ کر صرف اتنا کہہ دینا مناسب ہے کہ حالیہ تصورات کے بموجب جوہر ایک مرکزہ پر مشتمل ہے (جس کا قطر سنٹی میٹر کی دس لاکھویں کسر کی دس لاکھویں کسر ہے) اسکے گرد ایک تقریباً خالی فضا ہے جسکا قطر سنٹی میٹر کا دس کروڑواں حصہ ہے۔ اس فضا کے اندر مرکزہ کے گرد منفی برقی بار کے برقیئے (ایلکٹرون) گھومتے ہیں۔ مرکزہ مثبت برقی بار کے پروٹونوں اور انبرقائے نیوٹرونوں سے بنا ہوتا ہے۔ پروٹونوں کی تعداد ایک صحیح عدد ہے ہر ایک کا برقی بار بقدر ۱٫۶ مضروب دس بقوت منفی ۱۹ کولومب ہے۔ منڈلیف کے جدول ادوار میں عنصر کا جو نمبر یا مقام (یعنی جوہری عدد Z) ہوتا ہے مرکزہ میں اتنے ہی پروٹون ہوتے ہیں۔ نیوٹرون (انبرقایا ذرہ ہوتا ہے۔ اگر جوہر کا کمیتی عدد (A) ہو تو مرکزہ کے نیوٹرونوں کی تعداد (A منفی Z) ہوتی ہے۔ پروٹون کی کمیت ہیڈروجن کے مرکزہ کی کمیت ہے۔ نیوٹرون اس سے کچھ ہی زیادہ کمیت کا ہوتا ہے۔ ایلکٹرون اسیقدر منفی برقی بار کا حامل ہوتا ہے جسقدر پروٹون مثبت برقی بار کا حامل ہے۔ مرکزہ کے گرد گھومنے والے الیکٹرونوں کی تعداد مرکزہ کے پروٹونوں کی تعداد کے ٹھیک مساوی ہے۔ اس لئے طبعی حالت میں جوہر انبرقایا ہوتا ہے۔ ایک ہی کیمیائی عنصر کے جوہری عدد (Z) باہمدیگر مساوی ہوتے ہیں اور ایک ہی جوہری عدد کے عناصر کیمیائی حیثیت سے مماثل ہوتے ہیں اگرچہ ممکن ہے کہ ان کے مرکزے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔ مرکزہ کے گرد الیکٹرون مختلف خولوں میں معین ضوابط کے تحت مترتب ہوتے ہیں۔

جملہ مستقل عناصر کی تعداد اسوقت ۹۲ ہے ممکن ہے کہ کائنات کے ابتدائی زمانہ میں اس سے زائد ہو۔ ان کے کمیتی اعداد ایک سے لیکر ۲۳۸ تک ہیں۔ مرکزہ کی کمیت ہمیشہ ایک اساسی اکائی کی تقریباً صحیح عددی ضعف ہوتی ہے۔ یہ اکائی ہیڈروجن کے مرکزہ یعنی پروٹون کی کمیت کے قریب قریب مساوی ہے۔ اس صحیح عدد کو کمیتی عدد کہتے ہیں اور وہ باستثناء ہیڈروجن اور ایک شاذ و نادر ہمجائے ہیلیم (کمیتی عدد ۳) کے ہمیشہ جوہری عدد کا کم

ازکم دو چند ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹون کی کمیت کے قریب قریب مساوی ہے۔ اس صحیح عدد کو کمیتی عدد کہتے ہیں اور وہ باستثنا ہیڈروجن اور ایک شاذونادر ہمجائے ہیلیم (کمیتی عدد ۳) کے ہمیشہ جوہری عدد کا کم ازکم دو چند ہوتا ہے۔ چونکہ پروٹونوں کی کمیت الیکٹرونوں کی کمیت کا ۱۸۴۰ گنا ہوتی ہے اس لئے جوہر کی کمیت تقریباً تمام کی تمام اس کے مرکزہ ہی پر مجتمع ہے۔

فطری تابکار اشیاء سے عہ، بہ ذرات اور جہ شعاعیں مسلسل خود بخود خارج ہوتے رہتے ہیں۔ اخراج کی مدتیں مختلف عناصر کے لئے مختلف دریافت ہوئی ہیں۔ یہ چند منٹوں سے لے کر کئی لاکھ برس تک دریافت ہوئی ہیں عموماً ان مدتوں کے نصف ہی معلوم کرتے جاتے ہیں اور وہ نصف عمر کی مدت کہلاتے ہیں۔

عہ ذرہ کا جوہری عدد ۲۔ اور کمیتی عدد ۴ ہے۔ کسی مرکزہ سے جب وہ خارج ہوتا ہے تو عنصر کی کیمیائی نوعیت بدل جاتی ہے، کیونکہ اس کا جوہری عدد بقدر ۲۔ اور کمیتی عدد بقدر ۴ گھٹ جاتا ہے بہ (B) ذرہ چونکہ الیکٹرون یعنی منفی برقی بار کی اکائی ہے اس کے اخراج سے مرکزہ کا مثبت برقی بار بقدر ایک اکائی بڑھ جاتا ہے اس لئے عنصر کے جوہری عدد میں بقدر اکائی اضافہ ہوتا ہے لیکن کمیتی عدد میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی نہیں ہوتی جہ شعاعیں لاشعاعوں کے مماثل ہیں مگر طول موج ان سے بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان سے زیادہ سرایت پذیر ہیں۔ باستثنا چند، عموماً بڑے جوہری و کمیتی عدد ہی کے عناصر [یورینیم تھوریم ریڈیم اور اکٹینیم] میں تابکاری فطرتاً مشاہدہ ہوتی ہے ان کے مرکزہ بھی بہت پیچیدہ ساخت کے ہوتے ہیں۔

۱۹۱۹ء سے قبل کوئی شخص تابکاری کے فطری عمل میں دست اندازی نہ کرسکا اس سال روزر فرڈ نے عملی طور پر ثابت کیا کہ تیز رفتار بڑی توانائی کے عہ ذرات سے جب کسی عنصر کے مرکزہ پر ضرب لگائی جاتی ہے تو اس عنصر کی نوعیت بدل جاتی ہے اور بعض اوقات اس میں عارضی تابکاری مصنوعی طور پر رونما ہوتی ہے۔ بیرونی ذرائع سے مرکزہ کے اندر مداخلت کر کے اس کے شکست و ترمیم کی یہ پہلی مثال ہے چنانچہ منجملہ اور سنسنی خیز تجربوں کے روزر فرڈ نے نیٹروجن کے چند جواہر کو عہ ذرات (یعنی ہیلیم مرکزوں) سے بمباری کر کے آکسیجن کے ایک کمیاب ہمجا (کمیتی عدد ۱۷) اور ہیڈروجن کے مرکزہ میں

بدل دیا۔ گویا ایک طرح سے قرون وسطیٰ کے مایوس کیمیا گروں کی امید بر لائی اور ایک عنصر کو ایک دوسرے عنصر میں (خواہ اس کی مقدار کتنی ہی قلیل ہو، اور نوعیت میں سونا چاندی نہ ہو) تبدیل کر دیا۔ ہیڈروجن کا مرکزہ (پروٹون Proton) اگرچہ فطری تابکاری میں کسی عنصر سے خارج نہیں ہوتا لیکن یہ تجربہ بتاتا ہے کہ وہ جوہر کے مرکزہ میں سے مناسب زدوکوب کے ذریعہ جھڑا دیا جا سکتا ہے۔ جوہر کے مرکزہ کی زدوکوب یوں تو عہ (α) ذرات اور پروٹونوں کے ذریعہ مختلف تجربوں میں کی گئی ہے۔ لیکن چونکہ ان ذرات پر مثبت برقی بار ہوتا ہے جوہر کے مرکزہ کے اندر ان کو داخل کرنے کے لئے ان کو ابتداءً بہت بڑی توانائی دینی پڑتی ہے حالیہ اصطلاح میں ان کو کئی ملین الیکٹرون وولٹ توانائی کا حامل بنانا پڑتا ہے بریں ہم وہ جدول ادوار عناصر کے ابتدائی (یعنی چھوٹے جوہری اور کمیتی اعداد ہی کے) عنصروں کے جواہر کے اندر داخل ہو سکتے ہیں بڑی کمیت والے جواہر کے اندر داخل نہیں کئے جا سکتے اس مقصد کے لئے نیوٹرون (Neutron) ذرات جن پر کسی قسم کا (مثبت یا منفی) برقی بار نہیں ہوتا بہت کار آمد ہیں۔ چونکہ جوہری توانائی پر دسترس حاصل کرنے میں نیوٹرون کا استعمال ناگزیر ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے ہم اس ذرہ کے انکشاف کے واقعات کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں جرمنی میں ڈبلیو بوتھے اور ایچ بکر (Bothe-Becker) نے دریافت کیا کہ جب پولونیم کے بڑی توانائی والے فطری عہ ذرات بعض کم کمیت کے جوہر والے عناصر (خصوصاً بیریلیم، بورون یا لیتھیم) پر گرائے جاتے ہیں تو بڑے سے بڑے سرایت پذیر جیہ (یعنی گاما) اشعاع سے بھی زیادہ سرایت کرنے والا "اشعاع" رونما ہوتا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں پیرس میں آئرن کیوری (I. Curie) اور الف جولیو (Joliot) نے معلوم کیا کہ جب یہ نام نہاد "اشعاع" پرافین یا ہیڈروجن کے کسی مرکب سے ٹکراتا ہے تو اس سے بہت بڑی توانائی کے پروٹون برآمد ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ وہ گاما شعاع کی کوئی قسم نہیں ہو سکتی۔ بالآخر جیمز چیڈوک نے اسی سال کچھ دنوں بعد ثابت کیا کہ یہ نئی چیز اشبر قاتے ذرات پر مشتمل ہے اس لئے اس کا نام نیوٹرون رکھا گیا اس پر برقی یا مقناطیسی میدانوں کا کوئی اثر نہیں۔ مرکزہ کی تعمیر میں نیوٹرون کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیونکہ مرکزہ محض پروٹون اور نیوٹرون کے ارتباط سے تیار ہوتا ہے۔ پروٹون اپنے

مثبت برقی بار کی وجہ سے ایک دوسرے کو کولومب کے کلیہ کے بموجب دفع کرتے ہیں ان کو باندھے رکھنے کے لئے ایک قوت انجذاب کی ضرورت ہے جو مرکزہ کی انتہائی محدود اندرونی فضا میں قلیل فاصلوں ہی تک عمل کرنے کے لئے درکار ہے ابھی اس قوت کے متعلق کوئی مستقل قیاس آرائی نہیں ہوسکی۔ سمجھا جاتا ہے کہ مرکزہ کے اندر نیوٹرونوں کا وجود اس ضرورت کو کسی طرح پورا کرتا ہے۔ صرف اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ان اندفاعی و انجذابی قوتوں کے زیر اثر پروٹونوں اور نیوٹرونوں کی صرف معدودے چند ترکیبیں قیام پذیر ہیں۔ اگر ان ہر دو ذرات کی تعداد قلیل ہے تو مرکزہ قیام پذیر ہوتا ہے جبکہ ان کی تعداد تقریباً مساوی ہوتی ہے لیکن بھاری کمیت کے جوہر کا مرکزہ قیام پذیر ہونے کے لئے نیوٹرونوں کی تعداد نسبتہً زیادہ ہونی چاہئے۔

یہ یاد رہے کہ نیوٹرون شاید بین الکواکبی فضا میں کائناتی شعاعوں کی طرح پیدا ہوتے ہوں اور وہیں سے زمین پر آتے ہوں۔ زمین پر ان کے حاصل کرنے کا واحد ذریعہ مرکزہ کی شکست و ریخت ہے۔ ان پر قابو حاصل کرنے اور ان کی توانائی کو گھٹانے کا طریقہ بھی یہی ہے کہ مرکزہ ہی کو ان کے سدراہ بنا کر ان سے ٹکرایا جائے نیوٹرون اپنی بڑی سرایت پذیری کی وجہ سے بہت ہی غیر قیام پذیر ہوتے ہیں۔ کسی مرکزہ میں داخل ہوتے ہی تو اس کے اندر رہ جاتے ہیں اور پروٹون یا α ذرہ کو خارج کرتے ہیں بالآخر γ شعاعوں کی شکل میں اپنی توانائی منتشر کرتے ہیں۔ آزاد نیوٹرون آدھ گھنٹہ سے زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہ سکتے۔ معمولی الیکٹرون اور پروٹون میں بدل جاتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں مرکزی طبیعیات سے متعلق دو اور دو درس انکشافات ہوئے ایک پوزٹرون ہے جس کو سی ڈی اینڈرسن (Anderson) نے دریافت کیا جو الیکٹرون کے مساوی کمیت اور مساوی مثبت برقی بار رکھتا ہے وہ فطری تابکار اشیاء سے نہیں بلکہ مصنوعی تابکار اشیاء سے خارج ہوتا ہے۔ دوسرا انکشاف بھاری ہیڈروجن کا وجود ہے جو فطری ہیڈروجن میں بقدر ۱/۵۰۰۰ موجود ہے۔ ایچ۔ سی۔ یورلی (H. C. Urey) اور اس کے رفقا نے اس کا پتہ چلایا۔ اس کا کمیتی عدد ۲ ہے۔ اس کی اہمیت کے مدنظر اس کو ایک خاص نام یعنی ڈیوٹیریم (Deuterium) دیا گیا ہے اس کا مرکزہ ڈیوٹیرون (Deuteron) کہلاتا ہے مرکزہ کے شکست و ریخت میں اس سے بہت کام لیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر نیوٹرونوں کی تیاری میں وہ

بے حد مفید ہے۔ جب ایک ڈیوٹرون دوسرے ڈیوٹرون سے متوسط رفتار کے ساتھ ٹکراتا ہے تو ہیلیم کا ایک نادر ہمجا (کمیتی عدد ۳) اور ایک نیوٹرون برآمد ہوتا ہے ٹکرانے سے قبل بجائے کئی ملین الیکٹرون وولٹ توانائی کے صرف ۲۰ ہزار کافی ہے۔ جوہری بم کی تیاری میں غالباً اسی طریقے سے نیوٹرون حاصل کئے گئے۔ ڈیوٹرون زیادہ تر بھاری پانی کی برق پاشی سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ پیرس سے ایک ممتاز فرانسیسی سائنسداں جرمن تسلط کے وقت جب فرار ہوا ہے تو جتنا بھی ذخیرہ بھاری پانی کا موجود تھا اپنے ساتھ لے لیا۔

اور بھی دو قسم کے ذرات دریافت ہوئے ہیں۔ ایک نیوٹرینو (Neutrino) ہے جس کی کمیت الیکٹرون کے مساوی ہے لیکن اس پر کوئی برقی بار نہیں۔ دوسرا میسوٹرون (Mesotron) ہے جس کی کمیت ۱۸۰ اکائیاں اور برقی بار منفی الیکٹرون یا مثبت پوزٹرون کا ہے اس بحث میں ان کی چنداں ضرورت نہیں۔ چونکہ پروٹونوں کی تعداد ح۔ اور نیوٹرونوں کی تعداد (۸) منفی (ح) ہے اس لئے جدول ادوار کے آخری عنصر یورینیم کے مرکزہ میں پروٹونوں کی تعداد ۹۲۔ اور نیوٹرونوں کی تعداد (۲۳۸ - ۹۲) یعنی ۱۴۶ ہے۔ ساتھ ہی ہم نے دیکھا کہ اس حصہ کے چار عناصر تابکار ہونے کی وجہ سے ان کا مرکزہ غیر قیام پذیر ہے۔

جب کوئی مرکزہ اس کے اندر ایک زائد نیوٹرون یا پروٹون کے داخل کئے جانے سے غیر قیام پذیر ہو جاتا ہے تو اس میں تغیر تبدل ہو کر بالآخر قیام پذیری عود کر آتی ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اس تغیر و تبدل میں پروٹون یا نیوٹرون خارج نہیں ہوتے بلکہ پوزٹرون یا الیکٹرون باہر نکل آتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزہ کے اندر پروٹون پھوٹ کر نیوٹرون اور پوزٹرون بنتا ہے یا نیوٹرون پھوٹ کر پروٹون اور الیکٹرون بنتا ہے۔ بہرکیف کمیتی عدد تقریباً وہی رہتا ہے جو ذرہ کے داخل ہونے سے صورت پذیر ہوا، صرف ہلکا ذرہ خارج ہو کر جوہری عدد میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اب تک مختلف عناصر کے قیام پذیر ہمجاؤں کی تعداد ڈھائی سو تک پہنچ گئی ہے۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں کیوری اور جولیو نے بورون، میگنیسیم، اور الومینیم کے مرکزوں کو ع ذرات سے بمباری کر کے ان میں مصنوعی تابکاری پیدا کرائی بمباری ختم ہونے پر بھی کچھ عرصہ تک ان سے پوزٹرون خارج ہوتے

رہے ان کی نصف عمریں بھی دریافت کی گئیں جو علی الترتیب ۱۴ منٹ، ۲ر۵ منٹ اور ۲ر۲۵ گھنٹیں۔

اسی طرح فرمی نے نیوٹرون سے مرکزوں کی بمباری کرکے ایسے کئی عارضی تابکار مرکزے تیار کئے بلکہ آگے چل کر ۹۲ سے زائد جوہری عدد کے عارضی عناصر کی تیاری کا امکان بھی ثابت کیا اس طرح اب کوئی ۵۰۰ غیر قیام پذیر مصنوعی تابکار مرکزے دریافت ہو چکے ہیں جو نہ صرف جوہر کی توانائی کے استعمال میں کارآمد ہو رہے ہیں بلکہ توقع ہے کہ بعض سابقہ ناقابل علاج بیماریوں کے علاج میں بھی مفید ثابت ہونگے۔

کمیت کی توانائی میں تبدیل ہونے کا تجربی ثبوت بڑی آسانی سے ملتا ہے ہیلیم کا مرکزہ (یعنی عنصر ۲) جس کا جوہری عدد ۲ اور کمیتی عدد ۴ ہے دو پروٹونوں اور دو نیوٹرونوں کا مرکب ہے۔ حالیہ دقیق پیمائشوں سے پتہ چلا ہے۔ کہ پروٹون کی کمیت ۱ر۰۰۷۵۸ اکائی ہے اور نیوٹرون کی ۱ر۰۰۸۹۳ اس حسابی عمل سے ہیلیم کے ان منفردہ اجزا کی مجموعی کمیت ۴ر۰۳۳۰۲ اکائیاں ہے لیکن ہیلیم کے مرکزہ کی کمیت جب براہ راست دریافت کی جاتی ہے تو ۴ر۰۰۲۸۰ اکائیاں برآمد ہوتی ہیں جس سے ظاہر ہے کہ مرکزہ کی اس تعمیر میں (۰ر۰۳۰۲) اکائی کی کمی واقع ہوئی اگر آئنسٹائن کے کلیہ کے بموجب اس قلیل مقدار کو رفتار نور کے مربع سے ضرب دیا جائے تو تقریباً ۴ر۵ مضروب ۱۰ بقوت منفی پانچ ارگ توانائی فی مرکزہ حاصل ہوتی ہے پس ہیلیم کے گرام سالمہ کی تعمیر سے ۲ر۷ مضروب ۱۰ بقوت ۱۹ ارگ توانائی برآمد ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر پروٹون نیوٹرون اجزا کو ترکیب دے کر ایک گرام ہیلیم بنانے سے ۱۹ ہزار کیلوواٹ ساعت توانائی حاصل ہو سکتی ہے جو ایک کثیر مقدار ہے۔

چونکہ مشاہدات فلکی اور تابکار اشیاء کے تکسر کی شرح سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ کائنات کو موجودہ صورت اختیار کئے ہوئے کوئی ۳ ہزار ملین سال ہوتے ہیں اگر اس عرصہ مدت میں ہمارا آفتاب اور سارا کوکبی نظام حالیہ شرح سے چمک رہے ہوں تو ان کی ابتدائی توانائی کبھی کے ختم ہو جاتی اور وہ سب کے سب بجھ جاتے۔ لیکن چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لئے لازمی ہے کہ ان کے اندر ایسے محرکات عمل کر رہے ہوں جن سے خرچ شدہ توانائی کی خود بخود تلافی ہو جاتی ہے۔ اس کا واحد موثر طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ مادے کی مناسب مقدار توانائی میں مسلسل تبدیل ہوتی جائے۔

آفتاب کی توانائی برقرار رہنے کی نسبت ایچ بیتھے (H. Bethe) کا مصرحۂ ذیل نظریہ کہ ہیڈروجن کے چار مرکزے (پروٹون) یکے بعد دیگرے ایک زنجیرنما دور میں کاربن اور نیٹروجن کے ساتھ باری باری سے ترکیب کھا کر چھٹی منزل پر ہیلیم میں تبدیل ہوتے ہیں۔ عام طور پر مسلم ہے (۱) $C^{12}_{6} + H^{1}_{1} = N^{13}_{7}$ (۲) $N^{13}_{7} = C^{13}_{6} + e^{0}_{1}$ (۳) $C^{13}_{6} + H^{1}_{1} = N^{14}_{7}$ (۴) $N^{14}_{7} + H^{1}_{1} = O^{15}_{8}$ (۵) $O^{15}_{8} = N^{15}_{7} + e^{0}_{1}$ (۶) $N^{15}_{7} + H^{1}_{1} = C^{12}_{6} + He^{4}_{2}$

(۱) ایک پروٹون ایک معمولی کاربن سے مل کر نیٹروجن کا ہلکا ہمجا (A = ۱۳) بنتا ہے (۲) اس سے ایک پوزٹرون نکل کر کاربن کا بھاری ہمجا (A = ۱۳) پیدا ہوتا ہے (۳) یہ ایک دوسرے پروٹون سے مل کر معمولی نیٹروجن (A = ۱۴) حاصل ہوتا ہے۔ (۴) اسکے ساتھ ایک تیسرا پروٹون ترکیب کھا کر آکسیجن کا ایک ہلکا ہمجا (A = ۱۵) رونما ہوتا ہے۔ (۵) اس سے بھی ایک پوزٹرون خارج ہو کر نیٹروجن کا ایک بھاری ہمجا (A = ۱۵) تیار ہوتا ہے (۶) بالآخر اسکے ساتھ ایک چوتھا پروٹون شامل ہو کر ہیلیم دستیاب ہوتا ہے اور معمولی کاربن جس سے سلسلہ شروع ہوا تھا عود کر آتا ہے۔ اس پیچیدہ تعامل سے تقریباً ۳۰ ملین الیکٹرون وولٹ (mev) توانائی خارج ہوتی ہے۔

آئنسٹائین نے اگرچہ مادہ اور توانائی کا استحالہ خالص ریاضی کے اصول سے اخذ کیا تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے استدلال کا تیقن تابکاری کے مظاہرے ہوا چنانچہ اس نے اس امر کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اور عملی ثبوت کے لئے تابکار اشیا کے اندرونی تعاملات کی حسابی تعیین پر زور دیا ہے۔

مثال کے طور پر ہم جے۔ ڈی کوکرافٹ (J. D. Cockcroft) اور ای ٹی ایس والٹن (E. T. S. Walton) کا وہ تجربہ پیش کرتے ہیں جس سے انھوں نے ردرفرڈ کی لیبوریٹری میں ۱۹۳۲ء میں لیتھیم (Lithium) کو ۲۰۰ کیلو واٹ توانائی کے پروٹون سے بمباری کر کے معمولی ہیلیم کے مرکزے خارج کئے حسابی عمل بتاتا ہے کہ اس تعامل میں لیتھیم اور ہیڈروجن کی مجموعی کمیت ۸٫۰۲۴۱ اکائیاں تھی اور خارج شدہ ۲ عدد ذرات کی مجموعی کمیت ۸٫۰۰۵۶ اکائیاں۔ گویا ۰٫۰۱۸۵ اکائی کمیت تلف ہوئی خارج شدہ دو عدد ذرات کی مجموعی توانائی ناپی گئی تو ۱۷ ملین الیکٹرون وولٹ برآمد ہوئی جو ۲٫۷۷ مضروب دس بقوت منفی آٹھ ارگ کے مساوی ہے تلف شدہ مادے کو رفتار نور کے مربع سے ضرب دینے سے ۲٫۷۶ مضروب دس بقوت منفی آٹھ ارگ حاصل ہوتے ہیں جو پہلی توانائی سے کافی منطبق ہیں۔

ہیڈروجن گیس کو آیونائز کرکے یعنی اسکا ایلکٹرون علیحدہ کرکے ہروانات کو بلند قوت کے ٹرانسفارمر رکسٹی فائر (Transformer Rectifier) (مبدّل مخطط) میں اسراع دلانے کافی بلند توانائی کے پروٹون پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ڈیوٹیریم استعمال کرکے اعلیٰ توانائی کے ڈیوٹیرون یا ہیلیم سے عدہ ذرات حاصل کئے جاسکتے ہیں اس سے بھی بلند تر توانائی مطلوب ہو تو ان ردانات کو سائکلوٹرون یا فان ڈی گراف کے آلہ میں اسراع دلاسکتے ہیں۔ سب سے زیادہ موثر طریقہ اعلیٰ توانائی کے نیٹرون استعمال کرنے سے دستیاب ہوتا ہے۔ اس کے لئے بیریم یا یورون کی فطری صفرات سے بمباری کی جاتی ہے۔ سب سے عام ذریعہ نیوٹرون مہیا کرنے کا ریڈیم اور بیریم کا آمیزہ ہے جس میں ریڈیم اور اس کے تکسر کی پیداوار سے حاصل شدہ عدہ ذرات بیریلیم کے مرکزہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر نیوٹرون کی بنسل مطلوب ہو تو ڈیوٹیرون کی رَو کو اسراع دے کر بھاری پانی کی برف سے ٹکرایا جاتا ہے نیز رفتار ڈیوٹیرون اس برف کے ڈیوٹیرون سے ٹکراکر نیوٹرون اور ہیلیم کے مرکزے تیار کرتے ہیں اس نوع کے کوئی نصف درجن اور طریقے ہیں جن میں ڈیوٹیریم لیتھیم بیریم یا بورون کو نشانہ بنایا جاتا ہے ان سب تعاملات میں مجموعی کمیتی عدد اور مجموعی برقی بار کا عدد غیر متبدل رہتا ہے۔

کسی تعامل کو کامیاب طریقہ پر مسلسل جاری رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عامل اشیاء جیسے جیسے کام پر لگ کر ختم ہوتے جاتے ہیں تقریباً اسی طرح ویسے ہی دوسرے عامل اشیاء خود اس تعامل سے پیدا ہوتے جائیں اور سلسلہ عمل کو جاری رکھیں جیسے آگ سلگھائی جاتی ہے تو آگ لکڑی کے ایک حصہ کو جلاتی ہے اس کی حرارت بازو کے دوسرے حصوں کو منتقل کرتی ہے اور اس طرح پوری لکڑی جل جاتی ہے۔ مرکزہ کے تعاملات میں بھی اگر نیوٹرون عمل کرتے ہوں تو ابتدائی نیوٹرون مرکزہ کے اندر داخل ہوکر اپنے جیسے دوسرے متعدد نیوٹرون تیار کریں تو تعامل کا تسلسل قایم رہ سکے گا۔

اس طریقہ کار کو سلسلہ یا زنجیر نما تعامل کہتے ہیں جو ہری بمب کی تعمیر اور جوہر سے توانائی حاصل کرنے کے جملہ کاروبار میں زنجیر نما تعامل ناگزیر ہے۔

اب ہم یورنیم کے مرکزہ کے پھٹنے کا حیرت انگیز اور انقلاب آفریں انکشاف بیان کریں گے یہی جوہری توانائی کے عملی استعمال کا سنگ بنیاد ہے اوائل جنوری ۱۹۳۹ء میں مشہور جرمن کیمیائی ماہر اوٹوہان (Otto Hahn)

اور الف اسٹراسمان (   ) نے برلن میں ایک تجربہ کیا جس میں یورینیم کی نیوٹرون کے ذریعہ بمباری کی گئی معلوم ہوا بیریم کا ایک ہمجا پیدا ہوا جس کا جوہری عدد ۵۶ ہے۔ پس دوسرے جزو کا جوہری عدد ۳۶ ہوگا جو کرپٹوا گیس سے متعلق ہے۔ (۱) آئی کیوری (I. Curie) اور ساوچ (Savitch) نے بھی یہی تجربہ پیرس میں کیا لیکن جو نئی شے پیدا ہوئی قلیل مقدار میں ہونے کی وجہ سے وہ اس کی صحیح شناخت نہ کر سکے اور خیال کیا ایکٹینم کی سی تابکاری اور لین تھانم (Lanthanum) کے مشابہ کوئی شے رونما ہوتی ہے۔

ان منفصلہ جواہر کے مرکزوں کی مجموعی کمیت ابتدائی یورینیم کی کمیت سے بقدر ۱/۵ کمتر پائی گئی چونکہ یورینیم کا کمیتی عدد ۲۳۸ ہے یہ ایک نسبتہً بڑی مقدار مادہ ہے جو اچانک توانائی میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک گرام یورینیم پھٹ جانے سے ۲/۵ ٹن پتھر کا کوئلہ جلنے کی توانائی خارج ہوتی ہے۔ یا ایک گز لمبے ضلعوں کے یورینیم آکسائیڈ کا مکعب لیکر اسکے یورینیم کے مرکزوں کو اس طرح پھاڑا جائے تو ۷ ملین ٹن کوئلے کے جلنے کی توانائی حاصل ہوسکتی ہے۔

اسی زمانہ میں نیل بور کوپن ہیگن سے نیو جرزی (ممالک متحدہ امریکہ جا رہا تھا اس انکشاف کی اسکو اطلاع ملی تو اس نے اس موضوع پر اینرکو فرمی (E. Fermi) اے وہیلر (A. Wheeler) وغیرہ سے واشنگٹن ڈی سی کے نظری طبیعیات کی کانفرنس میں مشورہ کیا اور اس مسئلہ پر سر برآوردہ رسالوں (فزیکل ریویو وغیرہ) میں تقریباً سو مضامین شایع ہوئے۔ بالآخر حکومت امریکہ نے جیسا کہ ابتداءً ذکر کیا گیا ہے یورینیم کو پھاڑ کر توانائی حاصل کرنیکا مصمم عزم کر لیا کئی سائنٹفک بورڈ قائم کئے گئے نیشنل ڈیفنس ریسرچ کمیٹی موسوم بنام (N.D.R.C) از یر صدارت وانیوار بش (Vannevar) اور پھر آفس آف سائنٹفک ریسرچ اینڈ ڈیولپمنٹ (O.S.R.D) قائم کئے گئے اور نہایت منظم طریقہ پر متعدد پروگرام چیفس کے تحت خاص خاص امور کی تحقیقات شروع کر دی گئی۔ سب سے بڑا سوال روپیہ پیسہ کا تھا۔ امریکہ میں ڈالروں کی کیا کمی تھی جنگ جلد جیت جانے کا شوق روپیہ کا پانی کیطرح بہانا نازی تشدد سے بھاگ کر جرمن وطن کے یہودی نژاد ماہران سائنس پروفیسر اوٹوہان،

لیزے مائٹنر (Lise Meitner)، (اسکی دیرینہ شریک کار) او۔آر فرش (O.R. Frisch)
وغیرہ متعدد انگریزی اور پھر امریکی تجربہ خانوں میں (جیسے کولمبیا، پرنسٹن، کیلیفورنیا وغیرہ کی جامعات
کے) اور ٹکنالوجی کے اداروں میں جوہری بم کی تیاری کے مختلف مسائل پر پورے انہاک کے
ساتھ صیغۂ راز میں کام کرنے لگے۔ اس اثنا میں نیل بور بھی وہاں بھاگ کر آیا اور بڑی فراست سے
معلوم کیا کہ یورینیم کا جو مرکزہ پھٹتا ہے اسکی جوہری کمیت ۲۳۵ ہے اور معمولی یورینیم۔ (جوہری کمیت ۲۳۸)
کا ایک ہمجا ہے جو بشرح ایک فی ۱۴۰ کی مقدار میں اسکے ساتھ فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ پہلے اس ہمجا
کو خالص حالت میں علیحدہ کرنے کی ضرورت داعی ہوئی کیمیائی ذرائع سے تو ہمجا علیحدہ نہیں کئے جاسکتے
تھے اسلئے طبیعی ذرایع یعنی حراری نفوذ، گیسی نفوذ کے طریقوں یا سنٹری فیوج اور برقی متناطیسی آلات
کی وساطت ہی سے یہ عمل ممکن تھا اور مختلف اشخاص نے ان کو آزما کر دیکھا سب سے زیادہ کامیاب
اور زود اثر طریقہ حراری نفوذ کا ثابت ہوا جو کلوسیوس (Clausius) نامی ایک جرمن سائنسداں
نے تھوڑے ہی دنوں قبل ایجاد کیا تھا۔ بریں ہم ابتدا میں صرف چند میکرو گرام کی مقدار ہی میں
یہ ہمجا دستیاب ہو سکا۔

پھر اس یورینیم (۲۳۵) کو لوث سے پاک حالت میں جمع کیا گیا اور کافی دیر تک نیوٹرونوں کا
مسلسل تعامل جاری رکھنے کیلئے گریفائٹ کو بطور معتدل استعمال کرنے پر غور کیا گیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ
یورینیم کے ڈلوں کو گریفائٹ سے ملا کر مناسب ابعاد کا کندا بنایا جاتا ہے تو نیوٹرونوں کا تسلسل جاری
رہتا ہے اور ان سے یورینیم کے مرکزے بھی بخوبی پھٹتے ہیں۔ ان تحقیقات میں انگلستان کے سائنس
دانوں نے بھی امریکی اور دیگر ممالک کے ترک وطن کئے ہوئے محققین کا ہاتھ بٹایا کنیڈا والوں کی شرکت
گریٹ بیر لیک (Great Bear Lake) وغیرہ کے علاقوں کے یورینیم آکسائڈ کے معادن کی وجہ
سے ناگزیر تھی پھر یہ بھی معلوم کرنا تھا کہ جوہری بم کے ذریعہ دشمن کو انتہائی نقصان پہنچانے کے لئے اس کا
چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا وزن کیا ہونا چاہئے جب یہ تمام مرحلے طے ہو چکے تو کیلیفورنیا انسٹی
ٹیوٹ آف ٹکنالوجی کے پروفیسر نظری طبیعیات ڈاکٹر اوپن ہائمر (Oppenheimer) کے زیر ہدایات

نیومکسیکو کے صحرا میں ایک بلند فولادی مینار پر روبٹ (Robat) یعنی انسان نما مشین کے ذریعہ بم کو پھینکا گیا۔ اس سے جو سنسنی خیز حالات رونما ہوئے دنیا کے تمام اخبارات میں ان کی تفصیل درج ہے۔ ہر پڑھا لکھا آدمی ان سے بخوبی واقف ہے مینار بخارین کر اڑ گیا اور سارا صحرا روشن ہوگیا یہ پہلا اور آزمائشی بم تھا دوسرے دو بم جاپان کے دو بڑے اور آباد شہروں ہیروشیما (Hiroshima) اور ناگاساکی (Nagashaki) پر بلندی سے گرائے گئے۔ اس سے جان و مال کا جو نقصان ہوا اس کی بھی تھوڑی بہت تفصیل اخباروں کے ذریعہ معلوم ہو چکی ہے۔ جوہری بم کے پھٹنے سے بعینہ وہی آتش زدگی اور تباہی پیدا ہوتی ہے جو آفتاب کے مرکزی حصہ سے اچانک ایک بڑا ٹکڑا زمین پر گرنے سے ہوسکتی ہے۔ اس سے حرارت کی تپش ۴۰ ملین درجہ سے بھی تجاوز ہوتی ہے اس تیز آگ میں ہر چیز بخار بن کر اڑ جاتی ہے۔ زمین کے کرہ ہوائی کا کئی ملین گنا دباؤ آن کی آن میں محسوس ہوتا ہے جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے شہر اور اس کے دور دور کے اطراف و اکناف کی تمام عمارتیں درخت وغیرہ پھونس اور گرد کی طرح اڑ جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہاں کی زمین تابکار اشیاء سے زہر آلود ہو جاتی ہے۔ جو دھواں اوپر ہوا میں اٹھتا ہے بڑی سرعت کے ساتھ تھوڑی ہی دیر میں چالیس پچاس ہزار فٹ بلند ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر عارضی مگر خطرناک تابکار گیسیں ہوتی ہیں جو تمام بالائی فضا میں پھیل جاتی ہیں۔

اگرچہ ان کا بیشتر اثر کچھ دنوں بعد زائل ہوتا ہے تاہم حیوانات و نباتات کے اندرونی نازک حصص خصوصاً تولیدی اور نشو و نما کے نظام کو جو ضرر پہنچتا ہے اس کا ٹھیک پتہ چلانا سر دست ممکن نہیں۔ نقصان کی تلافی کی تدابیر معلوم کرنا تو اور بھی مشکل ہے محققین ان تمام امور کی اہمیت سے آگاہ ہو رہے ہیں اور حتی الامکان ان کے روک تھام کی کوشش میں مصروف ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پھر کسی آباد مقام پر جوہری بم کے گرنے کا موقعہ ہی پیدا نہ ہو۔ یکم جولائی ۱۹۴۶ء کو اور اس کے چند ہی روز بعد بحر الکاہل کے باکینی اٹول (Batkini Atoll) کے پاس سمندر پر جو چوتھا اور پانچواں جوہری بم گرایا گیا ان کا بھی کچھ ذکر اخبارات میں شایع ہوا ہے۔ ان کے ہولناک نتائج

کی سائنٹفک تشریح کا ہنوز انتظار ہے۔]

انسان کو جوہری توانائی پر ابھی اتنا قابو حاصل نہیں ہوا ہے کہ اسکو بآسانی روزمرہ کے مفید صنعتی کاروبار میں استعمال کیا جائے۔ البتہ اس سے جو انتہادرجہ بڑی حرارت پیدا ہوتی ہے اسکو محفوظ طریقہ پر بتدریج کام میں لانا ممکن نظر آتا ہے۔ یورینیم کے مرکزہ کو جب واشنگٹن اور کولمبیا کے تجربہ خانوں میں پھاڑا جارہا تھا اس سے خارج ہونیوالی حرارت کو کولمبیا ندی میں منتشر کرنا پڑا۔ ندی کا پانی بھی خطرناک سرعت کے ساتھ گرم ہونے لگا۔ اسپر قابو حاصل کرنے کے لئے آبپاشی کے بڑے سے بڑے پیمانہ کے نصیبات استعمال کرنے پڑے۔

بعض تجربوں میں یورینیم کے مرکزہ کو پھاڑ کر (۲۳۹ یعنی جوہری کمیت ۲۳۹ والا عنصر بھی بنایا جاسکا۔ اس سے ایک الیکٹرون خارج ہونے پر جوہری عدد ۹۳۔ اور کمیتی عدد ۲۳۹ کا ایک بالکل جدید عنصر جو تاحال زمین پر پیدا ہوا تھا یا کم از کم موجود نہ تھا تیار ہوا۔ اسکا نام نیپٹونیم (Neptunium) رکھا گیا۔ اس سے مزید ایک الیکٹرون نکل جاکر ایک دوسرا نیا عنصر پلوٹونیم (Plutonium) (جوہری عدد ۹۴۔ اور کمیتی عدد ۲۳۹) حاصل ہوتا ہے۔ یہ عنصر بھی جوہری بم کی تیاری میں استعمال ہوا اور ہورہا ہے۔

جوہری توانائی پر انسان کا تسلط اگرچہ دنیا کے سائنس کے سربرآوردہ محققین اور ماہران فن انجینیری وصنعت گری کے اشتراک عمل کی شاندار اور بے نظیر مثال ہے۔ ساتھ ہی وہ ایک انتہا درجہ خطرناک مسئلہ بھی ہے اگر متمدن اقوام ضبط وتحمل اور حقیقی انسانی رواداری سے کام نہ لیں تو اندیشہ ہے کہ تہذیب تو درکنار انسان کی نسل خود دنیا سے مٹ جائے۔ روئے زمین کے تمام سربرآوردہ ماہران سائنس اور ذمہ دار سیاس اس خطرہ سے بخوبی واقف ہیں اور اخباروں اور سائنٹفک جرائد کے مطالعہ سے معلوم ہورہا ہے کہ نہایت تردد واضطراب کے ساتھ اسکے صحیح استعمال پر نگرانی رکھنے سے متعلق قواعد وضوابط کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یورینیم کے معدن بہت جگہ دریافت ہوئے ہیں۔ جنگ سے پہلے ایک پونڈ یورینیم آکسائیڈ کی قیمت تین ڈالر تھی اور ایک ٹن پتھر کے کوئلہ کی بھی یہی قیمت کسی حد

اور الیٹنیم کے کچھ معات بھی زمین پر جا بجا دستیاب ہوتے ہیں ان تابکار اشیاء سے بھی جوہری توانائی حاصل کرنا بعید از قیاس نہیں۔

کیا عجب کہ آگے چل کر سائنٹفک تحقیق اس قدر ترقی کر جائے کہ ایسے تعاملات بھی دریافت ہوں جن سے مادہ کی ایک ہوتی کسر کے بجائے اس کا معتدبہ حصہ توانائی میں تبدیل ہو جائے یا کونٹرا ٹرین (Contra Terrene) مادہ کی ترتیب کا نسخہ ہاتھ آجائے جس کے جواہر مرکزوں پر بجائے پروٹونوں کے ان کے مماثل مگر منفی بار کے ذرات اور نیوٹرون ہوں اور اطراف کے خولوں پر الیکٹرون کے عوض پوزٹرون ہوں۔ ایسا مادہ اگر ہماری دنیا کے کسی بھی موجودہ مادے سے (خواہ وہ ہوا کے ذرات ہی کیوں نہ ہوں) تماس کر جائے تو آن کی آن میں سارے کا سارا مادہ توانائی میں تبدیل ہو کر زبردست جوہری بم کی صورت پیدا کر سکتا ہے۔

اگر کونٹرا ٹرین مادہ کائنات کے کسی پوشیدہ حصہ میں موجود ہے تو دنیا کا عدم سے وجود میں آنا بھی ایک طرح سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اس لئے کہ موجودہ ہماری معلومہ دنیا کا مادہ اور یہ دونوں مل کر مادہ صفر ہو جاتا ہے مگر توانائی ہی توانائی رہ جاتی ہے زمین کے بعض مقامات پر ٹکٹائیٹ (Tektite) ڈاروِن (Darwin Glass) گلاس اور سلیکا (Silica Glass) گلاس بڑی مقدار میں دریافت ہوئے ہیں جن کی توجیہ معمولی میٹیورائٹس کے گرنے سے نہیں ہو سکتی کیونکہ ان میں لوہے کا شائبہ بھی نہیں ہے اس فن کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہ چیزیں شاید کونٹرا ٹرین میٹیورائٹس کے تصادم سے پیدا ہوئیں۔ سبیریا روسیا اور ناگاساکی کھنڈروں میں اگر اس قسم کے گلاس کا پتہ چل جائے تو ان کی پیدائش کا راز شاید منکشف ہو سکے۔

واللہ اعلم بالصواب

نوٹ: کونٹرا ٹرین مادہ کے متعلق ہم نے جو بیان دیا ہے وہ مادہ ٹرین یعنی معمولی مادہ سے اگر متصادم ہو تو جوہری بم کے پھٹنے کی سی حرارت خارج ہو سکتی ہے۔ الاما گارڈو وائٹ سینڈز نیو میکسیکو U.S.A کے جس مینار پر پہلا امتحانی بم گرایا گیا تھا وہاں کے سلیکا گلاس کے متعلق راقم نے چند خصوصیات

کی توضیح کرکے بتایا تھا کہ وہ ٹکٹائیٹ کے سلیکا گلاس کی خصوصیات کے بالکل مشابہ ہونگی چنانچہ بعدکو امریکی محققین نے ایسا ہی پایا لیکن اسکی اطلاع مجھ کو خانگی خط کے ذریعہ دی اس بیان کو کسی رسالہ میں شایع نہیں کیا۔

۲۳ ستمبر ۱۹۴۹ء کو روس میں جو جوہری بمب پھوٹا اسکی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ ہیڈروجن سے بنا تھا۔ امریکی حکومت اور امریکی سائنسداں اس ہیڈروجن بمب کی تیاری میں مصروف ہیں۔ یہ نیا بمب اسلئے مشہور ہے کہ چار ہیڈروجن کے جوہر (دراصل پروٹون) ملکر ایک واحد ہیلیم کا مرکزہ بننے سے بیک وقت دس فیصد مادہ توانائی بالفعل میں تبدیل ہو جاتا ہے جو یورینیم اور پلوٹنیم کے بموں کی توانائی سے بہت زیادہ ہے۔

"جامع اموی دمشق"

از

(مولانا محمد ظفیر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ ...)

"تاریخ مساجد" سے یہ ایک دوسری مسجد کے حالات ہدیۂ ناظرین ہیں، مقصد یہ ہے کہ اہل علم خامیوں سے آگاہ فرمائیں اور جو معلومات فراہم ہونے سے رہ گئے ہیں ان کی طرف راہ نمائی کریں، آج پھر اہل علم سے درخواست ہے کہ ہندو پاکستان کی تاریخی اور قابل ذکر مسجدوں کا حال فراہم کرنے میں حقیر کا ہاتھ بٹائیں۔

ظفیر

دمشق کو اپنی دلفریبی اور خوبصورتی میں خاص شہرت حاصل ہے، سیاح جب وہاں پہنچتا ہے تو بے ساختہ اس کی زبان پر اس کے لئے "بہشت دنیا" کا لفظ آجاتا ہے غیر ملکی انسان وہاں کے بازاروں اور گھروں کی دلکش آرائش دیکھ کر متحیر رہ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سیکڑوں سال پہلے سے دمشق کو "جنت ارض" کا خطاب مل چکا ہے۔

اس شہر کی طرف صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں مسلمانوں کو توجہ ہوئی ۱۳ھ میں غوطہ فتح کرتے ہوئے دمشق میں مسلمانوں کا داخلہ ہوا اور ایک لمبے محاصرہ کے بعد رجب ۱۴ھ میں فتح ہو گیا اس سے پہلے وہاں نصاریٰ کا تسلط تھا۔[1]

دمشق میں مسلمانوں کے داخلہ کے بعد سیکڑوں مسجدیں وجود میں آئیں لیکن ان تمام مساجد میں جامع اموی کو سب سے زیادہ عزت و شہرت حاصل ہے، جہاں یہ مسجد قایم ہے اس حصہ کو عرصہ سے معبد ہونے کا فخر حاصل ہے، پہلے یہاں بت پرستوں کا مندر تھا۔ عیسائیوں کو جب حکومت حاصل ہوئی تو ان کا گرجا بنا اور آخر میں جب اسلام کی نورانی کرنیں دنیا میں پھیلیں اور

---

[1] فتوح البلدان

پھر دمشق میں بھی اس کو مقبولیت حاصل ہوئی تو یہ حصہ مسجد میں تبدیل ہوگیا[1]۔

یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ دمشق کا نصف حصہ صلح سے اور نصف جنگ سے فتح ہوا، ایک طرف سے سیف اللہ حضرت خالد بن الولیدؓ تلوار لے کر داخل ہوئے اور دوسری طرف سے امین الامۃ حضرت عبیدہ بن الجراحؓ مصالحت سے بڑھے اور دونوں بزرگوں نے کنیسہ کے پاس آکر ایک دوسرے سے ملاقات کی گرجا کا جو حصہ حضرت خالد بن الولیدؓ کو فتح میں پڑا وہ مسجد بنا لیا گیا اور جو حصہ حضرت عبیدہ بن الجراحؓ کی طرف صلح میں پڑا وہ علی حالہ گرجا باقی رہا، دوسرے لفظوں میں یوں کہئے، اس کنیسہ کا پوربی حصہ مسجد بنا، اور پچھمی حصہ گرجا کا گرجا ہی رہا[2]۔

خلافت بنی امیہ کا جب دور آیا تو اس مسجد کو وسعت دینے کی رائے ہوئی، اول اول حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی، مگر نصاریٰ نے اپنے حصہ کے دینے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے آپ کو خوشی اختیار کرنی پڑی اور اس وقت یہ کام انجام نہ پاسکا ان کے کچھ عرصہ بعد جب عبدالملک بن مروان کا عہد خلافت آیا، تو ایک مرتبہ پھر انھوں نے اس مسئلہ کو اٹھایا اور کافی دولت خرچ کی اور ہر ممکن طریقہ سے نصاریٰ کو راضی کرنے کی جدو جہد کی، مگر ابھی وقت نہ آیا تھا، وہ راضی نہ ہوئے[3]۔

ان کے بعد ان کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا، ولید نے اپنے عہد حکومت میں وہ کام انجام دینا چاہا جو ان کے پہلے بزرگ نہ کر سکے تھے، جامع دمشق کی توسیع کے لئے عیسائیوں کی رضامندی ضروری تھی کیونکہ مسجد کے بغل کی زمین کے مالک وہی تھے اس لئے ولید نے اس سلسلہ میں کافی دولت صرف کی اور ان کی منہ مانگی مراد دینے کو تیار رہتے، پھر بھی یہ عیسائی راضی نہ ہوئے اب انھوں نے دباؤ سے کام لے کر راضی کرنا چاہا، تو ان کی طرف سے یہ بات مشہور کی گئی کہ جو اس گرجا کو ڈھانے کے لئے جائیگا وہ پاگل بن جائے گا اس پروپگنڈے سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہ رہے، ولید نے جب یہ رنگ دیکھا، تو اس کام کے لئے سب سے پہلے خود تیار ہوئے،

---

[1] تمدن عرب ص۱۶۵ [2] فتوح البلدان باب فتح مدینہ دمشق وارضہا [3] ایضاً۔

پھاوڑا اٹھا، دیوار پر چڑھ گئے، اور یہ کہہ کر ڈھانا شروع کر دیا، کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پہلا پاگل میں بنتا ہوں خلیفۂ وقت کا کسی کام کو شروع کرنا، اس کے انجام کی علامت ہے دوسرے لوگ بھی اس کام میں شریک ہوئے، اور جنون کا پروپیگنڈا غلط ثابت ہوا، مختصر یہ کہ عیسائیوں کو خلیفہ کے حق میں راضی کر لیا پھر کیا تھا ولید بن عبد الملک نے اپنے باجگزار شاہ روم کو حکم دیا، کہ معمار اور انجنیر اس کام کے لئے بھیجے جائیں، چنانچہ خلیفہ کا حکم پاتے ہی وہاں سے مختلف ملکوں کے بارہ ہزار معمار اور انجنیر پہنچ گئے اور ۸۶ھ میں کام باضابطہ شروع کر دیا گیا، اس کار خیر کے لئے شاہی خزانہ کا منہ کھول دیا گیا، قیمتی پتھروں جواہرات اور سونے کا ڈھیر لگ گیا، اور پوری مستعدی سے کام ہونے لگا۔ جامع دمشق کی عمارت میں مسلسل آٹھ برس تک کام لگا رہا، تب جا کر یہ عمارت تکمیل کو پہنچی[۱]، اس کی تعمیر پر پانچ کروڑ روپے سے زیادہ خرچ ہوئے، مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی) اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں۔

"اسلامی مورخ ابن المعلی اسدی نے لکھا ہے کہ اس جامع اموی کی تعمیر میں سو صندوق صرف ہوئے ہیں ہر صندوق میں دو لاکھ اٹھائیس ہزار دینار تھے کل رقم سکۂ انگریزی پانچ کروڑ روپے سے کچھ زائد ہوتی ہے[۲]"

ولید بن عبد الملک کے حوصلہ اور اس کے شوق تعمیر کو دیکھتے ہوئے، یہ رقم کچھ زیادہ نہیں ہے انھوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں جو کام بھی انجام دیا، بڑے حوصلہ سے انجام دیا۔

جامع دمشق کی عمارت اپنے زمانہ میں بے نظیر تھی، اس کی دیواروں میں سونے، قیمتی پتھر اور جواہرات کے جڑاؤ اور ان کی پچی کاری تھی، اس جامع اموی کی چھت سنہری تختیوں کی تھی، اس میں چھ سو طلائی چراغ روزانہ روشن ہوتے تھے، جن کی زنجیریں بھی سونے ہی کی تھیں نماز پڑھنے کے مصلوں میں قیمتی پتھر جڑے تھے، رنگین شیشوں کے چوہتر (۷۴) آفتاب نما جھاڑ آویزاں تھے، اور ان کے پائے مرصع اور رخام کے تھے، مجموعی طور پر یہ جامع دمشق اپنے حسن و جمال میں یکتائے روزگار تھی، دور سے جب کوئی ساربان اپنے اونٹوں کو دوڑاتا ہوا دمشق کی طرف چلتا تھا

---

[۱] سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص ۲۱ [۲] زیارۃ الشام والقدس ص ۴۲ [۳] علامہ ابن کثیر نے اخراجات ایک کروڑ بارہ لاکھ دینار لکھا ہے (تاریخ ملت بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۱۴۲ ج ۹)

تو ریگستان سے پہلی نظر اس کی جامع دمشق پر پڑتی تھی، اور ہجوم اشتیاق میں اسکے بہترین گنبد اور نازک میناروں کو تکتا رہتا تھا، اس مسجد کے گنبد اور اسکے مینار اتنے پاکیزہ اور بلند تھے کہ درختوں اور اونچے اونچے محلوں کے چھپائے بھی چھپتے نہیں تھے[1]

جامع اموی کا فرش اسقدر جاذب نظر اور خوش منظر تھا کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہتا تھا اس کے حوض اور فوارے حور و غلماں کا لطف دیتے تھے، جسکے کناروں پر مختلف ملکوں کے زائرین اور عراقی تاجر پہلو بہ پہلو بیٹھے وضو کرتے نظر آتے تھے، مسجد کی وسیع عمارت میں ایک امام کے پیچھے ہزاروں مسلمان صف بستہ کھڑے ہوتے تھے، جنکے لباس مختلف، رنگ و روپ الگ الگ، اور جو مختلف آب و ہوا اور ممالک کے باشندے ہوتے تھے، مگر یہاں ہر درجہ اور مرتبہ کے لوگ شانہ سے شانہ ملائے ایک ہی مصلے پر کھڑے اور ایک ہی امام کے اشارے پر سربسجود دکھائی دیتے تھے، امیر اور فقیر، بادشاہ اور درویش، آقا اور غلام کی کوئی تمیز نہ ہوتی تھی، اس مسجد کی دیواریں قدِ آدم تک قیمتی پتھروں کی تھیں، اس سے اوپر سونے کے پتر لگے تھے، جس پر جواہرات سے گلکاری کی گئی تھی، جو اپنی آپ مثال تھی پھر اوپر دیواروں میں یہ کیا گیا تھا کہ مختلف رنگوں کے جواہرات سے ان پر دنیا کے تمام مشہور شہروں کے نقشے بنائے گئے تھے، محراب پر کعبۃ اللہ کا نقشہ تھا، محراب الصحابہ، میں جسکا ذکر آگے آرہا ہے، کہا جاتا ہے ایک بیش بہا جوہر تھا، جو پوری مسجد کو چراغوں کے گل ہونے کے بعد تنہا روشن رکھتا تھا (تاریخ ملت ص ۳۳۴)

جامع دمشق تین سو ہاتھ طول اور دو سو ہاتھ عرض میں پھیلا ہے، علاوہ ازیں سو ہاتھ کا صحن ہے جسمیں محدث، فقیہ، مفسر اور دوسرے علماء کا اجتماع رہتا ہے، جو بڑا دیدہ زیب ہوتا ہے[2]

ولید بن عبد الملک کے کچھ ہی عرصہ بعد جب خلافت بنو امیہ کے نامور اور قابل صد احترام خلیفہ عمر بن عبد العزیز رح کا زمانہ آیا تو عیسائیوں کے اس مقبوضہ حصہ کو انھوں نے واپس کرنا چاہا، جسے ولید نے مسجد میں شامل کرلیا تھا، اور جو ان سے پہلے مسلمانوں کے تصرف میں نہ تھا، مسلمانوں نے اسکے خلاف آواز اٹھائی، اور انھوں نے یہ مطالبہ پیش کردیا کہ غوطہ کے وہ تمام کنیسے ہیں واپس دیدئے جائیں جنکو

---

[1] تمدن عرب ص ۱۶۵ و رحلۃ ابن بطوطہ ص ۶۳ ج ۱ و اخبار الاندلس ص ۲۷۳ ج ۱ [2] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۶۳ ج ۱

مسلمانوں نے لڑکر فتح کیا تھا، یہ آواز جب عیسائیوں کو پہونچی تو انھوں نے اپنے اس حصہ سے باز دعوی لکھ دیا جو جامع دمشق میں شامل کیا گیا تھا[1] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بعض لوگوں کے بیان کے مطابق نصاریٰ کو نہایت معقول رقم بھی دی، اور اسطرح جب وہ خوش ہو گئے اور برضا و رغبت یہ حصہ مسجد کو دیدیا، تو کہیں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اطمینان ہوا۔[2]

صاحب "تمدن عرب" کے بیان کے مطابق ولید بن عبدالملک کی تعمیر کردہ مسجد ۱۰۶۹ء مطابق ۴۶۱ھ میں جل گئی اور پھر دوبارہ تعمیر ہوئی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ بعد والی مسجد اس اعلیٰ پیمانہ پر باقی نہ رہی جسے ولید بن عبدالملک نے تعمیر کرایا تھا بلکہ یہ اس سے بہت کمتر درجہ کی ہے[3]۔ مگر جامع دمشق کی یہ جدید عمارت بھی معمولی نہیں ہے آٹھویں صدی ہجری کا مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ جب وہاں پہنچا ہے تو وہ اس عمارت کو دیکھ کر متحیر رہ گیا ہے وہ لکھتا ہے کہ یہ مسجد اپنی صنعت، مضبوطی، خوبصورتی اور دوسری خوبیوں میں دنیا کی تمام مسجدوں سے بڑھی ہوئی ہے، دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے جامع دمشق کی یہ عمارت بڑی دلکش ہے، اس کے تین فرش ہیں اور شرق سے غرب تک مستطیل پھیلے ہوئے ہیں، یہ واضح رہے کہ ملک شام مکہ مکرمہ سے شمال میں واقع ہے، اس لئے جامع دمشق کا قبلہ جنوب پڑتا ہے، اور لوگ جنوب ہی کی جانب منہ کرکے اس جامع میں نماز پڑھتے ہیں؛ اس کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ پورب سے پچھم تک مستطیل کیوں ہیں۔ مسجد کے تین دالان ہیں، ہر ایک کی اٹھارہ قدم وسعت ہے اور (۱۸) ستون پر قایم ہے، تمام ستون کے اوپر محراب بنے ہوتے ہیں جو بہت خوبصورت اور رنگین ہیں اور یہی ستون اور محراب اس گنبد کو تھامے ہوئے ہیں جو سیسہ پلایا ہوا ہے، اور محراب کے مقابل واقع ہے' ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ اس کا نام "قبۃ النسر" ہے اس لئے کہ پوری مسجد دور سے چیل کی شکل کی معلوم ہوتی ہے اور معمار کا کمال فن یہ ہے کہ شہر کے جس کنارے سے اسے دیکھئے معلوم یہی ہوگا کہ کوئی چیل ہے جو ہوا میں اڑ رہی ہے، مسجد کے آگے وسیع صحن ہے، جس میں تین طرف سے دالان ہیں، پورب سے، پچھم سے اور مسجد

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۱۳۲ و سفرنامہ بلاد اسلامیہ صفحہ ۲۴ ج ۲ [2] زیارۃ الشام والقدس صفحہ ۱۸ [3] تمدن عرب صفحہ ۱۶۵

کے آگے سے، ہر دالان میں دس قدم گنجائش اور کشادگی ہے، اور ہر دالان میں (۲۴) ستون اور چودہ پائے ہیں جو دیکھنے میں بہت عمدہ اور بھلے معلوم ہوتے ہیں، خوبصورتی پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے، مغرب سے عشار تک عموماً یہاں ہر علم و فن کے علمار کا اجتماع ہوتا ہے، اس کی دیواریں خوشنما کتبوں سے پُر ہیں، کھڑکیوں میں رنگین شیشے لگے ہیں جامع دمشق کے وسیع صحن میں تین خوشنما قبے ہیں، ایک قبہ پچھم میں ہے اس کا نام حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام مبارک کی طرف منسوب ہے، یہ قبہ رخام کے آٹھ ستونوں پر قایم ہے، اور مختلف رنگ اور سونے کے پانی سے آراستہ ہے، اس کی چھت سیسہ پلائی ہوئی ہے، جامع دمشق کا مال یہیں جمع ہوتا ہے، اس جامع کی آمدنی پچیس ہزار دینار سرخ ہے۔ دوسرا قبہ پوربی کنارے میں ہے یہ بھی آٹھ ستونوں پر قایم ہے اور گو غربی سے چھوٹا ہے مگر بڑا دیدہ زیب ہے، یہ حضرت زین العابدینؒ کے نام نامی کی طرف منسوب ہے، تیسرا قبہ وسط صحن میں ہے اور یہ ہشت پہل اور سب سے زیادہ جاذب نظر اور حسینت نگاہ ہے، اس کے نیچے چاندی کا فوارہ بنا ہوا ہے، جو بہت لطف دیتا ہے[1]

جامع دمشق کے قبلہ میں چار محراب ہیں، صدر محراب میں شافعی امام کی جگہ ہے اس کے بائیں محراب الصحابہ ہے جس میں مالکی امام امامت کرتے ہیں اور صدر محراب کے دائیں محراب الحنفیہ ہے جو حنفی امام کی جگہ ہے اور اسی محراب الحنفیہ کے متصل محراب الحنابلہ ہے، اور یہ حنبلی امام کی جگہ ہے[2]

صاحب خلاصہ تحفۃ النظار نے لکھا ہے کہ ۸۰۳ھ میں جب تیمور لنگ نے دمشق پر حملہ کیا تو اس نے شہر کی تباہی و بربادی کے ساتھ جامع دمشق کے بیشتر حصہ کو بھی برباد کر دیا[3]، اس وقت پھر وہاں کے مسلمانوں نے اس کی مرمت کی ہوگی، اسی طرح مولانا عبدالرحمٰن امرتسری نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ

"یہ مسجد دنیا کی نامور اور خوبصورت مسجدوں میں شمار ہوتی تھی، مگر چار یا پانچ سال ہوتے کہ آتش زدگی سے بالکل ویران ہوگئی[4]"

---

[1] رحلہ ابن بطوطہ ذکر جامع دمشق ص۲۳ [2] ایضاً ص ۲۴ ج ۱ [3] خلاصہ تحفۃ النظار ص۲۳ [4] سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۲۲ ج ۲

انھوں نے اپنا سفرنامہ ۱۸۹۸ء میں لکھا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ جامع دمشق کی خوبصورت عمارت دوسری بار ۱۸۹۲ء میں جل گئی تھی، انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ "اہل شام نے پچاس ساٹھ ہزار پونڈ چندہ فراہم کیا ہے اور بہت عمدگی اور خوبی سے دوبارہ تعمیر ہو رہی ہے" ساتھ ہی رقمطراز ہیں کہ میرے زمانۂ قیام میں نصف سے زیادہ کام ختم ہو گیا ہے۔[۱]

تیسرا سفرنامہ اس سلسلہ میں میرے سامنے مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کا ہے، جنھوں نے ۱۳۲۹ھ میں دمشق کی سیاحت کی ہے اور اسی زمانہ میں اپنا سفرنامہ مرتب کیا ہے، انھوں نے جامع دمشق کی عمارت کی جو ہیئت بیان کی ہے وہ موجودہ عمارت کی تفصیل سمجھی جائیگی، اسلئے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے موجودہ عمارت کا نقشہ یہ ہے۔ کہ جامع دمشق کا طول و عرض سابق ہی ہے، مسجد میں (٦٨) ستون اور بیس محرابی دروازے ہیں، جو نہایت پاکیزہ اور لطیف ہیں ان پر بہت ہی صاف پردے لٹک رہے ہیں، اور اعلیٰ پیمانے کے کواڑ بھی چڑھے ہیں، محراب الصحابہ کے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ یہ صحابۂ کرام کے بیٹھنے کی جگہ مشہور ہے یہ (۴۴) بالشت طویل ہے اور (۲۲) بالشت عریض، یہ حصہ مقصورہ حلقہ میں واقع ہے، دوسرا مقصورہ جو سب سے بڑا ہے اور مقصورۂ ولید میں واقع ہے اس میں محراب و منبر ہیں، اسی میں کھڑے ہو کر خطیب جمعہ وغیرہا میں خطبہ دیا کرتا ہے، تیسرے مقصورہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ غربی جانب میں اضافہ کیا گیا ہے اور یہ اسوقت درس و تدریس کا مرکز بنا ہے، ان مقصوروں کے علاوہ کچھ اور جگہیں ہیں جن کو زاویے کہتے ہیں، ان میں مدرسین بیٹھکر درس دیتے ہیں، لڑکے مطالعہ کرتے ہیں، پوربی کنارے جو امام کے بائیں پڑتا ہے مستورات کے لئے مسجد کا زنانہ درجہ ہے، جسکے دروازے تمام دروازوں سے الگ ہیں، ان کے وضو کے لئے اسی حصہ میں ایک حوض بنا ہوا ہے جن میں وہ وضو کرتی ہیں، پردہ کا معقول اور کافی انتظام ہے، اس زنانہ درجہ میں عورتیں امام مسجد کی اقتدا میں نماز پڑھ سکتی ہیں۔[۲]

مسجد کی چھت بہت عمدہ اور خوش کن ہے، چھت کا قبہ گول ہے، مگر اس میں عجیب کاریگری سے کام لیا گیا ہے، کھڑکیاں عجیب کمال کی کھولی گئی ہیں، جن سے ہر طرف کی ہوا آتی رہتی ہے، بقدر ضرورت

---

[۱] سفرنامہ بلاد اسلامیہ ص۲۲ ج۲ [۲] زیارۃ الشام والقدس ص۲۸، ص۲۹

کافی روشنی بھی ان سے آکر مسجد کو بقعۂ نور بنائے رکھتی ہے گنبد اور چھت کئی حصوں میں منقسم ہیں اور رنگین اور دلآویز شیشوں سے مزین ہیں، دھوپ میں اسکی خوبصورتی دیکھکر آدمی متحیر رہ جاتا ہے، دیوار کے بعض حصوں پر ابتک پرانی پچی کاری ہویدا ہو کر اپنے بانی کی یاد تازہ کر رہی ہے، ان کا حال یہ ہے کہ امتداد زمانہ کے باوجود بھی معلوم ہوتا ہے کہ معمار ابھی بنا کر گئے ہیں،[1]

جامع دمشق میں تین مینار ہیں ان میں سے دو مکعب ہیں اور ایک ہشت پہل ہے جو اپنی صنعت اور زیبائش میں سب سے بڑھا ہوا ہے، اس کے اوپر ایک عمدہ کٹہرا بنا ہوا ہے جسکو بارہ دری کی طرح کا سمجھ لیجئے اور اس ہشت پہل مینار کی بلند و بالا چوٹی پر گولا بنا ہوا ہے اور اس پر اسلامی ہلال بنا لہرا رہا ہے[2]

جامع دمشق کی دیواروں کے متعلق یہ بھی مشہور ہے کہ اس میں ایسے مسالے ملائے گئے ہیں کہ اس میں مکڑی جالا نہیں پور سکتی اور نہ ابابیل اس میں گھونسلہ بنا سکتی ہے[3]

منبر کے سامنے ایک مکبّریہ بنا ہوا ہے جو بڑی عمدگی سے سجایا ہوا ہے، اسقدر وسیع ہے کہ آٹھ دس آدمی بآرام و عافیت نماز پڑھ سکتے ہیں[4]

مسجد کے اندر ایک چھوٹا سا خوبصورت کنواں بھی ہے جس سے مشین کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے، باہر بڑے قبہ کے نیچے ایک حوض ہے جس میں بہترین فوارہ لگا ہوا ہے،[5]

جامع دمشق کے چار دروازے ہیں، ایک دروازہ قبلہ کی طرف یعنی جنوب میں ہے، اسکا نام "باب الزیادۃ" ہے، دوسرا دروازہ شمال میں ہے باب الزیادہ کے متعلق ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اسکے اوپر ایک نیزہ ہے جس میں حضرت خالد بن الولیدؓ کا جھنڈا تھا، اور اس دروازہ سے نکلکر لوگ گھوڑوں کے بازار میں پہنچتے ہیں، خود اس دروازہ کے آگے ایک بڑا وسیع دہلیز ہے جس میں پرانی چیزیں بیچنے والوں کی دکانیں لگی رہتی ہیں، شمالی دروازہ کا نام "باب الطفانیین" ہے اسکے آگے بھی دہلیز ہے اور یہاں حوض ہے اور اسی مقام پر غسلخانے

---

[1] زیارۃ الشام والقدس ص۴۲ و ص۴۹ [2] تمدن عرب ص۱۶۵ [3] زیارۃ الشام والقدس ص۴۹ [4] ایضاً

[5] زیارۃ الشام والقدس ص۴۹

بھی ہیں، جن میں پانی ہمیشہ آتا رہتا ہے،

سب سے بڑا دروازہ شرقی ہے جسکا نام "باب جیرون" ہے، اسکے آگے بھی ایک وسیع دہلیز ہے اس سے نکل کر ایک دالان میں پہنچتے ہیں جس میں پانچ دروازہ ہیں، اور اس میں چھ لمبے عمدہ ستون لگے ہیں، اس کے بائیں ایک بڑا شہر ہے جسمیں بقول بعض حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک مدفون ہے، اور اسی کے مقابل ایک چھوٹی مسجد ہے جو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی طرف منسوب ہے،

چوتھا دروازہ غربی حصہ میں ہے جسکا نام "باب البرید" ہے، اس سے نکل کر ایک شافعی مدرسہ تھا[۱]

جامع دمشق کے ان چاروں دروازوں پر ایک ایک وضو خانہ ہے اور ان میں سے ہر ایک وضو خانہ میں قریباً سو سو کمرے ہیں، جن میں ہر وقت پانی موجود رہتا ہے[۲] غربی دروازہ سے باہر نمازیوں کے لئے متعدد پیشاب خانے اور بیت الخلاء ہیں، جن میں ہر وقت پانی چلتا رہتا ہے[۳]

بقول ابن بطوطہ اس جامع اموی میں وہ قرآن پاک بھی ہے جسے حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے زمانہ میں لکھوا کر شام بھیجا تھا، یہ قرآن پاک ایک محفوظ جگہ میں ہے، ہر جمعہ کو اس قرآن پاک کی زیارت ہوتی ہے، جس میں بڑی بھیڑ ہوتی ہے سب لوگ اسے بوسہ دیتے ہیں، اور اسی مقام پر قرضخواہوں کو حلف دی جاتی ہے اور اگر کوئی کسی پر کسی طرح کا دعویٰ کرتا ہے تو اس سے بھی اسی جگہ قسم لی جاتی ہے[۴]

اس مسجد کے شرق میں ایک صومعہ تھا جس میں غسل خانہ تھا اس میں وہ لوگ غسل کرتے تھے، جو معتکف ہوتے تھے، اسی وجہ سے اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا، یہاں وضو خانہ بھی ہے[۵]

جامع اموی میں مؤذنوں کی تعداد (۷۰) ستر ہے[۶] امام بھی کئی ہیں، اس کے امام بڑے جید عالم اور اپنے وقت کے بڑے باخدا اور خدا ترس بزرگ ہوتے ہیں، ابن بطوطہ نے اپنے زمانہ قیام کے ائمہ کے نام بھی لکھے ہیں اور ہر ایک کے علم اور زہد و تقویٰ کی تعریف بھی کی ہے، ان کی تعداد تیرہ (۱۳) لکھی ہے[۷]

---

[۱] اس مسئلہ میں اختلاف ہے [۱] رحلۃ ابن بطوطہ ص۶۹ [۲] زیارۃ الشام والقدس ص۴۹ [۳] رحلۃ ابن بطوطہ ص۶۹ ج ۱
[۴] ایضاً [۵] ایضاً [۶] ایضاً ص۷۰ [۷] رحلۃ ابن بطوطہ ص۷۴ ج ۱

وسط مسجد میں حضرت زکریا علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر مبارک ہے، ایک تابوت ہے جو دو ستونوں کے درمیان پھیلا ہے، قبر مبارک پر سیاہ ریشمی کپڑا پڑا ہے اور اس پر سفید حروف میں یہ آیت لکھی ہوئی ہے۔ (یَازَکَرِیَّا إِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ یَحْیَىٰ)[1]

اس مسجد کی فضیلت میں ابن بطوطہ نے کچھ اقوال و آثار بھی نقل کئے ہیں، اسی سلسلہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ قبلہ والی دیوار حضرت ہود علیہ السلام کی رکھی ہوئی ہے (جو قابل تحقیق ہے) اور ان کی قبر بھی اسی مسجد میں کہیں ہے، مگر پھر انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہود علیہ السلام کے نام کی قبر میں نے یمن کے علاقہ میں بھی دیکھی تھی۔[2]

ابن بطوطہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جامع اموی کی ایک بڑی فضیلت یہ ہے کہ ہر وقت دن رات اس میں نمازیوں کی ایک جماعت نماز میں مشغول رہتی ہے، کسی وقت نمازیوں سے خالی نہیں رہتی، الا ماشاء اللہ۔ اسی طرح ہمہ وقت یہاں کلام اللہ کی تلاوت ہوتی رہتی ہے، صبح کی نماز بعد لوگ جمع ہوکر باضابطہ سات ختم قرآن پاک پڑھتے ہیں، پھر عصر بعد جمع ہوکر سورۂ کوثر سے ختم قرآن پڑھتے ہیں اسے وہاں کی اصطلاح میں "کوثریہ" کہتے ہیں، اس نیک کام کے لئے تقریباً چھ سو حفاظِ قرآن وظیفہ پاتے ہیں، ایک حاضری نویس ان کی حاضری لکھتا ہے اور غائب رہنے پر ان کا وظیفہ اسی اعتبار سے وضع کیا جاتا ہے، ان کے علاوہ ایک بھاری جماعت مجاورین کی ہے جنکا کام رات دن نماز، تلاوت اور ذکر اللہ ہے، ان کو یہاں کے معتکفین میں شمار کیجئے، یہ لوگ مسجد سے باہر کہیں نہیں جاتے، معتکفین کے لئے جو غسلخانہ اور وضو خانہ ہے اسی سے کام چلاتے ہیں، کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کے نظم سے یہ پاک ہیں ان کی یہ تمام ضروریاتِ زندگی بغیر کہے سنے اہل شہر پوری کرتے ہیں[3]

باب جیرون کے باہر دائیں جانب ایک کمرہ ہے جس میں گھڑی کا عجیب وغریب سامان ہے اس سے وقت کا اندازہ ملتا ہے، کہتے ہیں کہ اسکا اندرونی حصہ سبز رنگ سے اور بیرونی زرد رنگ سے رنگا ہوا ہے،

---

[1] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۶۴ ج ۱ [2] ایضاً [3] رحلۃ ابن بطوطہ ص ۶۵ ج ۱

ہر گھنٹہ کے وقت اسکے رنگ میں ایک خاص طریقہ سے تبدیلی ہوتی ہے[۵]،

صاحب صناعۃ العرب نے لکھا ہے کہ "دیوار میں طاق کی شکل کا ایک دریچہ تھا، جس میں ۱۲ چھوٹے چھوٹے پیتل کے طاقچے تھے ان طاقچوں میں بارہ بارہ چھوٹے دروازے تھے، پہلے اور اخیر طاقچہ کے نیچے دو باز بنے تھے، جو پیتل کی تھالیوں پر کھڑے تھے، جب ایک گھنٹہ گذر جاتا تو دونوں باز اپنی گردنیں بڑھاتے اور چونچ سے ان تھالیوں میں اس انداز سے پیتل کی گولیاں گراتے، کہ جادو معلوم ہوتا تھا، گولیوں کے گرنے سے گونج پیدا ہوتی اور طاقچہ کا دروازہ جو اسی گھنٹہ کیلئے بنا تھا خود بخود بند ہو جاتا اسی طرح جب ایک دور ختم ہو جاتا، تو تمام دروازے بند ہو جاتے" (کتاب مذکور ص۱۰۵)

ابن بطوطہ نے اس مسجد میں درس و تدریس کے متعلق لکھا ہے کہ اسکے متعدد حلقے ہیں حدیث کی کتابیں اونچی کرسیوں پر رکھکر پڑھی جاتی ہیں، صبح و شام قرأت کی مشق ہوتی ہے، کچھ اساتذہ ہیں جو بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، کچھ اساتذہ کتابت سکھاتے ہیں مگر قرآن پاک کی آیتیں تختیوں پر لکھکر مشق نہیں کرائی جاتی، اسے بے ادبی شمار کرتے ہیں، اشعار وغیرہ لکھکر بچوں کے حروف درست کراتے ہیں[۶]

ابن بطوطہ نے اپنے زمانۂ قیام میں جامع دمشق کے ائمۂ نماز میں ان بزرگوں کا نام لیا ہے۔

(۱) قاضی القضاۃ جلال الدین محمد بن عبد الرحمٰن القزوینی (۲) فقیہ ابو عمر بن ابی الولید بن الحاج التیجی القرطبی، (۳) فقیہ عماد الدین الحنفی المعروف بابن الرومی (۴) شیخ عبد اللہ الکفیف

اور جامع دمشق کے مدرسین کی جماعت میں سے ان علمار کرام کا نام لیا ہے۔

(۱) برہان الدین بن الفرکح الشافعی (۲) نور الدین ابو الیسر بن الصائغ (۳) شہاب الدین بن الجہبل۔ (۴) بدر الدین علی السخاوی المالکی، انمیں بعض وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن پر مصر اور دمشق کی قضا پیش کی گئی، مگر انھوں نے انکار کر دیا[۵]، رحمہم اللہ تعالیٰ،

---

[۱] رحلۃ ابن بطوطہ ص۶۶ [۲] ایضاً ص ۶۷ ج ۱ [۳] یہ گھنٹہ گھر ابن الساعتی نے نور الدین زنگی کے زمانہ میں بنایا تھا اور انعام کثیر حاصل کیا تھا (صناعۃ العرب ص۱۰۳) [۵] رحلۃ ابن بطوطہ ج ۱

امیر الامراء نواب نجیب الدولہ ثابت جنگ

اور

جنگ پانی پت

از

(مفتی انتظام اللہ صاحب شہابی اکبر آبادی)

(۱۴)

نواب مجیب الدولہ عرف ملو خاں

ذی لیاقت اور شجاع اور سوجھ بوجھ کے آدمی تھے باپ کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک رہے اور دادِ شجاعت دی انکے صاحبزادے شجاعت خاں تھے انکو ولی النسا بیگم منسوب تھیں نواب عبد السلام خاں لکھتے ہیں کہ نکاح ولی النساء بیگم دختر نواب نصر اللہ خاں خلف نواب عبد اللہ خاں بہادر پسر نواب علی محمد خاں بہادر با شجاعت خاں ولد مجیب خاں المخاطب مجیب الدولہ عرف ملو خاں خلف نواب نجیب الدولہ بہادر شد[1]

اولاد | نجیب الدولہ کے تین بیٹے تھے

ضابطہ خاں ۔ کلو خاں ۔ منو خاں یہ بادشاہ کی طرف سے وکیل مرہٹوں کے کیمپ کے تھے۔

نواب ضابطہ خاں کا بیاہ نواب سید علی محمد خاں بہادر کی بیٹی کے ساتھ ہوا جو نواب فیض اللہ خاں کی حقیقی بہن تھیں۔

نجیب الدولہ کے انتقال کے بعد ضابطہ خاں مسند نشین ریاست ہوئے اور دربار شاہی میں

---

[1] سرگذشت نجیب الدولہ از نواب عبد السلام خاں رامپوری۔

بھی باپ کی جگہ پر فائز رہے شاہ عالم دہلی آنے کو تھے اور مرہٹوں کا زور بندھنے لگا تھا اپنا رہنا شاہجہاں آباد پسند نہ کیا اور اپنے علاقہ سہارنپور و نجیب آباد چلا جانا مناسب سمجھا۔ شاہ عالم نے مہادجی سندھیا جو پیشوا کا مدار المہام تھا اسکو دعوت دی کہ الہ آباد آکر ہمرکابی کا شرف حاصل کرے اور دلی ساتھ چلے مگر اس نے یہ کیا کہ دلی پر چڑھ دوڑا اور گھیر کر گولہ باری کی اور لال قلعہ کو ضابطہ خاں کے گماشتہ سے چھڑا کر بادشاہ کے نام پر قبضہ کر لیا۔

شاہ عالم ۱۷۷۱ء میں دلی پہنچے پہلا فرمان یہ تھا کہ ضابطہ خاں پر تاخت کی جائے چنانچہ شاہی فوج زیر سرکردگی ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں ایرانی وزیر اعظم و سپہ سالار مع ٹوکوجی ہلکر مہادجی سندھیا اور ویساجی کرشنا سرداران مرہٹہ حدود حکومت ضابطہ خاں میں داخل ہوا۔ کچھ دن بعد شاہ عالم بھی دہلی سے روانہ ہوئے ضابطہ خاں نے اہل خاندان اور خزانہ جات پتھر گڑھ میں نجیب آباد ضلع بجنور کا سنگین قلعہ تھا وہاں بھجوا دیا اور خود ایک لاکھ روہیلہ فوج کے ساتھ دریائے گنگا کے مشرق کنارہ پر مقابلہ کے لئے کھڑا ہو گیا۔"

۱۷۷۲ء کو بمقام سکرتال متصل ہردوار فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں روہیلے مات کھا گئے۔ ہزارہا جان سے مارے گئے ضابطہ خاں نے راہ فرار اختیار کی تمام اہل خاندان عورتیں بچے ضابطہ خاں کے گرفتار کر لئے گئے اور تمام مال اسباب لاکھوں کا بحق شاہ عالم ضبط ہوا جو مرہٹوں میں تقسیم ہوا اس جنگ کے بیٹے سے حافظ الملک بھی نہ بچ سکے چالیس لاکھ کا تاوان ان پر قائم کیا گیا جس کا ضامن شجاع الدولہ بنا جس نے ۱۷۷۴ء میں روہیلوں پر انگریزی معاونت سے چڑھائی کی ببول نالہ کی جنگ میں حافظ الملک حافظ رحمت خاں شہید ہوئے اور علاقہ روہیلکھنڈ پہلے حکومت اودھ کے قبضہ میں پھر انگریزی سلطنت میں شامل ہوا۔ مرہٹوں نے خاندان ضابطہ خاں پر بڑے ظلم توڑے بادشاہ دیکھ رہے تھے آخر شش آگرہ کے قلعہ میں قید کئے گئے اور غلام قادر خورد تھا اس کو بادشاہ نے اختہ کرا کر منظور نظر کیا۔ غرضکہ ضابطہ خاں نے شجاع الدولہ کا ساتھ حافظ صاحب کے مقابلہ میں دیا مگر کچھ اچھا نہ ملا جملہ املاک پر نجف خان ایرانی نے قبضہ کیا اور بے یار و مددگار رہ گیا ۱۷۸۶ء میں مرہٹوں نے بادشاہ کو مجبور کر کے ضابطہ خاں کو پھر امیر الامرائی

دلوائی بخت خاں وزیر الممالک بنے۔ اور مختار سلطنت کا منصب پایا حضرت مرزا مظہر جان جاناں لکھتے ہیں۔

حالی مردم این شہر از روز یکہ بخت خاں امدہ است از شاہ تا گدا واست شاہ است

بخت خاں نے ضابطہ خاں سے تعلقات بڑھائے اور ۱۱۸۹ھ میں مسند نظامت سہارنپور دلوادی چنانچہ ضابطہ خاں قلعہ غوث گڑھ چلا گیا کچھ عرصہ بعد سکھ بل کی لائے اپر فتح پائی ۸ / ۲ اپریل ۱۷۷۸ء کو شاہ عالم ذی مرہٹوں اور مغلوں کی کثیر فوج سے ضابطہ خاں کی آخری جائے پناہ علامہ قادر روہیلہ شہزادہ مولوی سید الطاف علی بریلوی (مصنف صفحہ ۹۷ جلد ۳ ع ۱۲) قلعہ غوث گڑھ ضلع سہارنپور پر سخت لڑائی ہوئی حملہ کیا قلعہ فتح ہو گیا ضابطہ خاں اپنی جان بچا کر سکھوں کے علاقہ کی طرف چلتا بنا ۱۱۹۷ھ میں اسنے انتقال کیا صاحب نجیب التواریخ لکھتا ہے کہ

غلام قادر نے اپنی والدہ کے ذریعہ ضابطہ خاں کو زہر دلوادیا۔

۱۱۸۵ھ میں غلام قادر کو سہارنپور کا علاقہ مل گیا ۳

نجیب الدولہ کے بھائی | نواب سلطان خاں نجیب آبادی۔ نواب امیر خاں نجیب آبادی نواب مہر خاں دستکار، کار | نجیب آبادی۔ افضل خاں بانی افضل گڑھ امان خاں باز خاں رئیس کونڈہ ان کی صاحبزادی روشن آرا بیگم کو غلام قادر نے مثل اولاد کے پرورش کیا اور اپنی لڑکی بنایا۔

شجرہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

ع ۱ کلمات طیبات ع ۲ نجیب التواریخ صفحہ ۶۵ ع ۳ غلام قادر روہیلہ شہزادہ مولوی سید الطاف علی بریلوی (مصنف)

شجرہ

سردار اسمٰعیل خاں - نظیر خاں - جہان خاں - منیر خاں - ملک عنایت خاں
سردار اصالت خاں
فاضل خاں
بشارت خاں
منور خاں
نواب نجیب خاں
سلطان خاں
دختر امیر خاں
منیر خاں
افضل خاں
امان خاں
نواب ضابطہ خاں
نواب الف خاں
مرتضیٰ خاں
بلند خاں
جمو خاں
جلال الدین خاں
نواب غلام قادر خاں
باز خاں
جنرل محمود خاں
دختر اہلیہ نواب علاء الدین خاں رئیس لوہارو
نواب فتح اللہ خاں
روشن آرا بیگم
سعد اللہ خاں
اسحاق خاں
نواب محمد عبدالسلام خاں
نواب عبدالصمد خاں
دختر اہلیہ ہز ہائنس نواب سید رضا علی خاں بہادر نواب رام پور

فہرست کتب
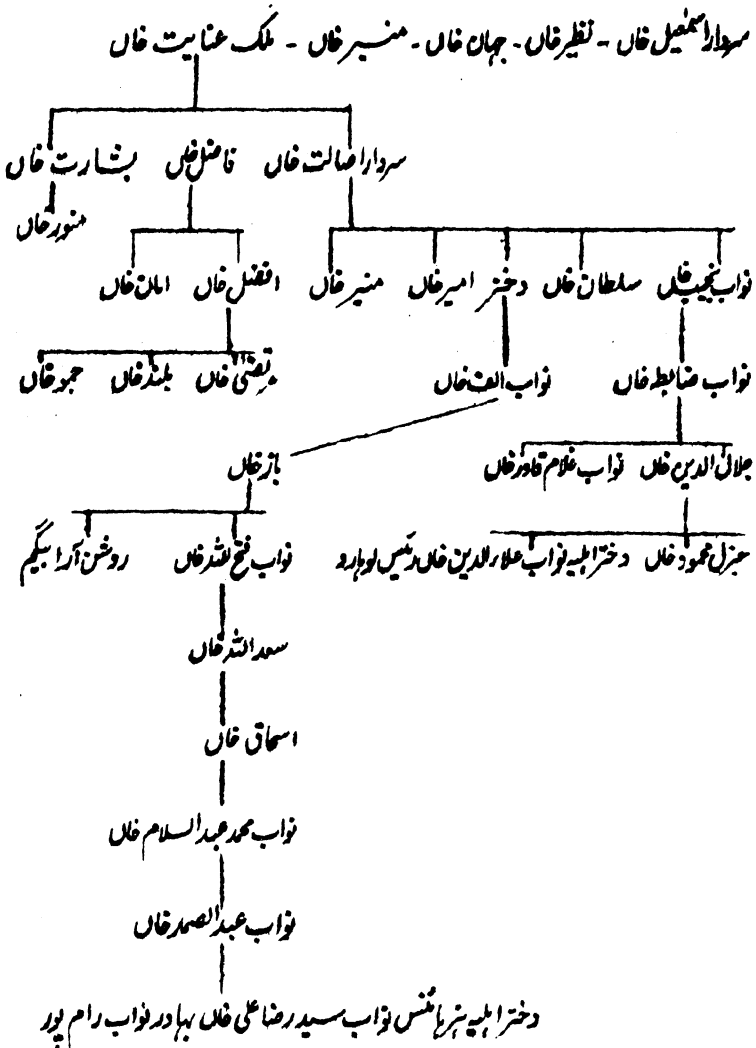
کتاب	مصنف
نجیب التواریخ	مرزا نصیر الدین محمد
احوال نجیب خاں نجیب الدولہ	سید نورالدین حسین خاں بہادر فخری
مرآت آفتاب نما	شاہ نواز جنگ بخشی شاہ عالم
عمدۃ الانساب	خان دوران خان
گل رحمت	حافظ الملک حافظ رحمت خاں
تاریخ جنگ شاہ ابدالی	علی ابراہیم خاں
(مترجم)	(سید محمد مہدی طباطبائی)
تاریخ روہیلکھنڈ	نبی احمد خاں
روزنامچہ غدر ۵۷ء بعہد نواب محمود خاں	نواب شجاع اللہ خاں
مختصر التواریخ	نبی بخش
تذکرۃ الانساب	مولوی مصطفٰے علی خاں فاروقی گوپاموی
ذکر علما	مولوی اکرام اللہ گوپاموی
تاریخ ہندوستان	مولوی سید مدد علی تپش
تاریخ خورشید جہاں	
عادت السعادت	غلام حسین
شاہ عالم نامہ	
تاریخ احمد	منشی عبدالکریم
مآثر الامراء	صمصام الدولہ
خزانۂ عامرہ	غلام علی آزاد

تاریخ نادری	
سیر المتاخرین	طباطبائی
جامع التواریخ	
مرات السلاطین	
منتخب التواریخ	حکیم خوہر
تاریخ مظفری	
چہار گلشن	
مفتاح التاریخ	
زبدۃ التاریخ	عبدالکریم
اخبار الصنادید جلد ۲	
تاریخ مرہٹہ	
تاریخ تراب	پروفیسر تراب علی گوالیاری
تاریخ فرخ آباد (ترجمہ)	مسٹر اردن
تزک شاہجہانی	
تذکرہ عالم	مولوی رحیم بخش دہلوی
تاریخ بلند شہر	رائے منگل سین ڈپٹی کلکٹر
بہار ہند	رشک گوالیاری
وقائع عالمگیر	خان بہادر چودھری نبی احمد سندیلوی
حیات حافظ رحمت خاں	مولوی سید الطاف علی بریلوی بی اے علیگ
حالات نجیب الدولہ	مولانا اکبر شاہ خان (عبرت ۱۹۱۶ء)
تاریخ خاندان مغلیہ	انتظام اللہ شہابی

جغرافیہ ضلع بجنور	احسان علی
طلسم	طوطارام شایان
آئینہ تاریخ نما	راجہ شیو پرشاد
تاریخ ہندوستان	مولوی ذکاءاللہ خاں دہلوی
ترجمہ تاریخ ہندوستان	الفنسٹن
تاریخ نجیب آباد کہنہ	پنڈت درگا پرشاد
جنگ پانی پت	سداسکھ لال
پانی پت کا خونیں میدان رزنامہ مارچ ۲۹ء ۱۹	سید جالب دہلوی ایڈیٹر ہمدم لکھنؤ

انگریزی

ہسٹری آف دی مرہٹاز	کپتان گرانٹ ڈف جلد ۲
〃 〃 نوابس	ولیم اردن
ترجمہ رسالہ کاشی رائے	کرنل جیمس براون
ہسٹری آف مرہٹہ پٹیل	رکسنکیڈ دپارسیس جلد ۳
ڈکلائن اینڈ فال دی مغل امپائر	اودین دا ایچ لکھن
ہسٹری آف انڈیا	پادری مارشمس
	بیورنج
تاریخ راجستھان	حکیم نجم الغنی رام پوری
تاریخ اودھ	مولوی نظام الدین نظامی بدایونی
سرگذشت نواب نجیب الدولہ	نواب عبدالاسلام خاں
تاریخ رامپور	حکیم نجم الغنی

انتخاب یادگار	امیر مینائی
نواب دوندے خاں (مصنّف)	مولوی سید الطاف علی صاحب بریلوی بی اے
غلام قادر خاں شہید (مصنّف)	"
جنرل محمود خاں نجیب آبادی نبیرۂ نواب ضابطہ خاں ضابطہ خاں	سیدہ انیس فاطمہ بریلوی

حالاتِ حاضرہ

بقاءِ امنِ عالم کی تحریکات پر ایک نظر

(جناب اسرار احمد صاحب آزاد)

جنگ وجدل یا کسی ایک قبیلہ، قوم اور نسل کے لوگوں کی دوسرے قبیلہ، قوم یا نسل کے لوگوں کے خلاف جارحانہ یا مدافعانہ لشکر کشی کوئی ایسا واقعہ نہیں جسے ان برائیوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکے جو انسان کی علمی ترقیوں اور ذہنی ارتقا کی بدولت عالمِ وجود میں آئی ہیں - اس کے برعکس انسان روزِ اوّل ہی سے غیر شعوری طور پر جس قابلِ ذکر کمزوری اور برائی میں مبتلا رہا ہے اسے جنگ وجدل ہی کے الفاظ سے موسوم کیا جاسکتا ہے -

اس میں شک نہیں کہ زمانہ قبل از تاریخ کا انسان جنگ وجدل کے لئے جن وسائل سے کام لیا کرتا تھا وہ اپنی تباہ کاری اور ہلاکت آفرینی میں آج کے وسائل جنگ وجدل کے مقابلہ میں کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتے اور اس دور کے مقاصدِ جنگ کو بھی عہدِ حاضر کے مقاصدِ جنگ کی طرح وسیع اور ہمہ گیر قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ان ہر دو ادوار کے وسائل اور مقاصدِ جنگ کے مابین اختلاف کی موجودگی سے یہ امر لازم نہیں ہو جاتا ہے کہ عہدِ قدیم کا انسان جنگ وجدل کے تصوّرات سے قطعاً محروم تھا لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذہنِ انسانی کے ارتقا کی بدولت جہاں انسانی زندگی کے بے شمار شعبوں کی ایک منظم ترتیب پیدا ہوتی رہی ہے وہیں اس کی حیاتِ اجتماعی کے مختلف ادوار میں جنگ وجدل کے تصوّرات بھی ایک مرتب اور منظم شکل اختیار کرتے رہے ہیں - حتیٰ کہ آج جنگ وجدل نے اقوامِ عالم کی زندگی میں ایک مستقل حکمت اور فلسفہ کی حیثیت حاصل کرلی ہے -

مثال کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ کے انسان کو جب کبھی یہ خطرہ لاحق ہوتا ہوگا کہ کوئی درندہ اس پر حملہ آور ہونے والا ہے یا اسی جیسا کوئی انسان اسے اس کی ضرورت کی کسی شے سے محروم کردینے کا

ارادہ کر رہا ہے تو وہ غیر شعوری طور پر اپنی جان یا اپنی ضرورت کی چیزوں کی حفاظت کے لئے اس درندہ پالنے ہی جیسے اس انسان کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہوگا اور اس مقابلہ کے دوران میں اسلحہ کے طور پر پتھروں اور درختوں سے توڑی ہوئی موٹی موٹی شاخوں کے علاوہ اور کوئی شے استعمال نہ کی جاتی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی لڑائیوں اور مقابلوں سے فریقین کے علاوہ کسی اور کو کوئی نقصان نہ پہونچتا ہوگا اور اسی لئے اس دور کے انسان کو کبھی یہ بات سوچنے کی ضرورت بھی پیش نہ آئی ہوگی کہ اس قسم کی لڑائیوں کو روکنے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ مگر آہستہ آہستہ جب ان لڑائیوں کے مقاصد اور وسائل میں وسعت پیدا ہونا شروع ہوگئی اور اسی نسبت سے انسان کے مختلف طبقات پر جنگ و جدل کے تباہ کن اثرات مرتب ہونے لگے تو بعض لوگوں نے جنگ و خونریزی کی تدابیر پر بھی غور کرنا شروع کیا اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطیٰ ہی میں جنگ و جدل کی مخالفت شروع ہو گئی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ آج کرۂ ارض کے مختلف گوشوں میں پیسیف ازم کے نام سے جنگ آزمائی کے خلاف جو تحریک جاری ہے وہ بیسویں صدی عیسوی ہی میں عالم وجود میں آئی ہے اور پیسیف ازم یعنی فلسفۂ امن خواہی ہر قسم کی منظم لڑائیوں کا شدید مخالف ہے۔ اور اس فلسفہ کو ماننے والے انسان کے طبعی اتحاد کے قائل ہیں۔ وہ جنگ و جدال کو اجتماعی قتل و غارت گری سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جنگ کسی حال میں بھی صداقت کا معیار نہیں بن سکتا۔ وہ جنگ کو تنازعات طے کرانے اور شکایات دور کرنے کا منطقی ذریعہ تصور نہیں کرتے بلکہ تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے یہ تحریک بہت قدیم ہے اور اسے قرون وسطیٰ کے طویل محاربات کا ردِ عمل تصور کیا جاتا ہے چنانچہ اس عہد میں بھی بہت سے افراد جنگ و جدل کے شدید مخالف واقع ہوئے تھے۔ مشرق میں بودھ اور جین مذاہب جنگ و خونریزی کے شدید ترین مخالف اور بقاء امن کے زبردست ترین حامی اور مبلغ تھے اور مغرب میں بھی ازمنۂ وسطیٰ کے مذہبی انقلابات کے بعد ایسی متعدد تحریکات کا پتہ چلتا ہے جو جنگ و جدل ہی کو نہیں بلکہ ہر قسم کے متشددانہ اقدامات کو مسیحی تعلیمات کے خلاف قرار دیتی تھیں۔ چنانچہ جرمنی، ہالینڈ، پولینڈ، بوہیمیا اور انگلستان کے آنابیپٹسٹ، مینونائٹ، پولش برادرز، بینر سوسیٹی آن، بوہیمین برادرز اور کوئکرز

نامی فرقے اِس عہد کے ممتاز امن خواہ اور مخالف جنگ فرقے تصور کئے جاتے تھے۔ اور پھر ان فرقوں نے نہ صرف فوجی خدمات ہی انجام دینے سے انکار کر دیا تھا بلکہ بعض نے اس بنا ٹیکس دینا بھی بند کر دیا تھا کہ حکومت ٹیکس کی آمدنی سے فوجی سپاہیوں کے مصارف برداشت کرتی ہے۔

پھر انیسویں صدی عیسوی کی لڑائیوں کے دوران میں براعظم یورپ کے جو لوگ ذاتی مشاہدات اور تجربات کی بدولت جنگ کی تباہ کاریوں کے قائل ہو گئے تھے انہوں نے "ادارۂ احباب" کے نام سے ایک بین الاقوامی جماعت قائم کرکے ازمنۂ وسطیٰ اور عہد حاضر کی تحریکات بقاء امن کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اب برطانیہ، امریکہ، فرانس، جرمنی اور دیگر ممالک میں "مجالس امن" کے نام سے اس تحریک کے ساتھ وابستہ متعدد جماعتیں قائم ہیں اس تحریک کے حامی اور داعی جنگ کے زمانہ میں فوجی خدمات انجام دینے سے انکار کر دیتے ہیں حتیٰ کہ اگر انہیں اس جرم کی پاداش میں ملکی قانون کی رو سے کوئی سزا بھی دی جائے تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں اور زمانۂ امن میں یہ لوگ جنگ کی تباہ کاریوں کو بے نقاب کرکے لوگوں کو جنگ کی مخالفت پر متحد الرائے بنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر بشمین نے ۱۹۳۰ء میں مورل ری آرممنٹ" یعنی اخلاقی اسلحہ بندی یا تجدید اخلاق کے نام سے جو تحریک شروع کی تھی اور جس کے حامی آج دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں اگرچہ بظاہر اس کی بنیاد مسیحی تعلیمات پر قائم ہے لیکن درحقیقت اس کا مقصد بھی انسان کے اخلاق کو بلند کرکے اسے جنگ و جدل سے باز رکھنا ہی ہے۔ لیکن کیا یہ امر انتہائی حیرت انگیز اور افسوسناک نہیں کہ بقاء امن کی متعدد عالمگیر تحریکات کی موجودگی کے باوجود بیسوی صدی عیسوی کے نصف اوّل ہی میں دنیا کو دو ایسی عظیم اور خونریز لڑائیوں کے دور سے گذرنا پڑا ہے جنکی تباہ کاریوں کا اندازہ لگانا بھی آسان کام نہیں لہٰذا یہی وجہ ہے جس پر غور کرنے کے بعد نہ صرف بقاء امن کی مذکورہ بالا تمام تحریکات کی ناکامی ہی واضح ہو جاتی ہے بلکہ وہ صورت بھی سمجھ میں آجاتی ہے جو مستقبل میں انسان کو جنگ و خونریزی سے محفوظ رکھ کر پائدار امن کی ضامن ثابت ہو سکتی ہے۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ زمانۂ قبل از تاریخ سے عہد حاضر کے آغاز تک جسقدر جنگ اور خونریزیاں برپا ہوتی رہی ہیں اگرچہ شعورِ انسانی کے ارتقا کے ہر دور میں ان کے مقاصد و وسائل اور انکی

تباہ کاریوں کی حدود ایک دوسرے سے مختلف رہی ہیں لیکن ان میں سے کسی جنگ اور تصادم نے کسی دور میں بھی عوام کی زندگی پر وہ ہمہ گیر تخریبی اثرات مرتب نہیں کئے جو گذشتہ دو عالمگیر لڑائیوں کی بدولت رونما ہوئے ہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ بیسویں صدی عیسوی سے قبل جو لڑائیاں برپا ہوا کرتی تھیں چونکہ وہ حکمراں اور صاحب اقتدار طبقوں ہی تک محدود رہتی تھیں اس لئے فتح و شکست دونوں صورتوں میں عوام بہت بڑی حد تک ان کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے تھے لیکن آج جبکہ مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ و جدل کا دائرہ وسیع ہو گیا ہے عوام پہلے سے کہیں زیادہ جنگ کے ہولناک اور تباہ کن اثرات کا شکار ہوتے ہیں اور اسی لئے ازمنۂ وسطی اور اس کے بعد کے زمانوں کی تحریکات بقائے امن سے مایوس ہو کر کوئی ایسی تدبیر سوچنے پر مجبور ہوئے ہیں جو مستقبل میں انہیں جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ و مامون رکھ سکے۔ اور اس سلسلہ میں وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اس کی حقیقت اور اہمیت کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پیشتر اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ وہ بنیادی قوت و طاقت کیا ہے جو عہد حاضر کی لڑائیوں میں فتح و کامرانی کی ضامن ثابت ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض مخصوص حالات کے علاوہ انسان کی اجتماعی زندگی کے ہر دور میں معاشرہ کے بعض مخصوص طبقات ہی جنگ و جدل ہی کی قیادت کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حالات پیش نظر ہے لیکن چونکہ آج مقاصد اور وسائل کے اعتبار سے جنگ کا دائرہ بے حد وسیع ہو چکا ہے اس لئے ماضی کے برعکس آج کوئی چھوٹی سے چھوٹی لڑائی بھی عوام کے پورے تعاون اور اشتراک عمل کے بغیر فتح و نصرت کی منزل تک نہیں پہونچ سکتی اور اس لئے عوام کا تعاون اور اشتراکِ عمل ہی وہ بنیادی قوت ہے جس کو متحرک کئے بغیر جنگ و جدل کے حامی طبقات بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر دنیا کے عوام ہی جنگ و جدل کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ جنگ باز طبقوں کے قوی عمل بھی مضمحل و معطل ہو کر رہ جائیں گے اور دوسری عالمگیر جنگ کے بعد دنیا کے عوام نے مستقبل میں جنگ و خونریزی کو ناممکن بنانے کے لئے جو تدبیر سوچی ہے وہ حالات کے مذکورہ بالا منطقی تجزیہ ہی پر مبنی ہے۔ اور وہ تدبیر یہ ہے کہ ایک جانب تو دنیا کے عوام خود اپنی اپنی جگہ اس بات کا عہد کریں کہ وہ تیسری عالمگیر جنگ برپا کرانے کے سلسلے میں جنگ باز طبقوں اور گروہوں کے ہر اقدام کی شدید ترین مخالفت اور مزاحمت کریں گے۔ اور دوسرے

دنیا کے ان طاقتور ممالک کو جن کے تعاون باہمی پر بقائے امن عالم کا انحصار ہے اس امر پر مجبور کر دیں گے کہ وہ صرف موجودہ بین الاقوامی تنازعات ہی کو مفاہمت کے ذریعہ سے طے کریں بلکہ مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو معدوم کرنے کے لئے بقائے امن کا ایک مستقل معاہدہ بھی کریں۔

بقائے امنِ عالم کی یہ عوامی تحریک اگرچہ آج سے کم و بیش ڈھائی سال قبل ہی شروع ہوئی ہے لیکن اصابت کی بنا پر اس قلیل سی مدت ہی میں اس نے ہمہ گیر حیثیت حاصل کر لی ہے اور دنیا کے ہر گوشہ کے کروڑوں باشندے اپنے اپنے ملک کی حکومتوں ادارہ اقوام متحدہ اور دنیا کے پانچ بڑے ممالک —— متحدہ امریکہ، سوویٹ یونین، چین، برطانیہ اور فرانس —— سے اس امر کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ وہ تمام ایٹمی اسلحہ کے استعمال کو ممنوع قرار دینے، اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی کو روک دینے، موجودہ مسلح افواج میں تخفیف کرانے اور جنگ باز طبقات کی طرف سے جنگ کی حمایت میں جو پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسے خلاف قانون قرار دینے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور اس طرح مستقبل میں جنگ کے ہر امکان کو قطعاً معدوم کر دیں۔

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بقاء امن عالم کے سلسلہ میں مذکورہ بالا عوامی تحریک میں جو قوت کارفرما ہے پیسیفزم اور اسی قسم کی دوسری تحریکات میں وہ قوت موجود نہیں ہو سکتی تھی اور اسی لئے بقاء امن کی متعدد تحریکات کی موجودگی کے باوجود موجودہ صدی کے نصف اول میں برپا ہونے والی دو عالمگیر لڑائیوں کو بھی نہیں روکا جا سکتا تھا لیکن چونکہ بقاء امن کی یہ نئی تحریک عوام کے عزم مخالفت جنگ اور حصولِ مقصد کے لئے ان کے جذبۂ عمل پر مبنی ہے اس لئے اسی تحریک کو بقاء امن عالم کی حقیقی تحریک کہا جا سکتا ہے اور گذشتہ دو سال کی مدت میں عالمگیر جنگ برپا ہونے یا ایٹمی اسلحہ سے کام لینے کے جو مواقع پیدا ہوتے رہے ہیں اگر بین الاقوامی جنگ باز طبقے انھیں اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لئے استعمال نہیں کر سکے تو اس کے لئے بھی دنیا کو بقاء امن کی اسی عوامی تحریک کا مرہونِ منت ہونا چاہئے۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری نہیں معلوم ہوتی کہ بقاء امن عالم کی یہ عوامی تحریک دنیا کے

عوام کی کتنی بڑی تعداد اس پر اثر انداز ہو چکی ہے اور دنیا کے کس کس ملک نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں کیا کیا اقدامات کئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادارہ اقوام متحدہ کی مجلس عمومی پر تخفیف اسلحہ اور ایٹمی اسلحہ کی تیاری اور استعمال پر بین الاقوامی نگرانی قائم کرنے کی جن تجاویز پر غور کیا جا رہا ہے وہ بھی اسی تحریک کا نتیجہ ہیں لیکن جب تک اس سلسلہ میں دنیا کے عوام کے تمام مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا مستقبل میں جنگ کے تمام امکانات کو مسدود بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ادبیات

اشارے

(جناب الٓم مظفر نگری)

مہکتے ہوئے پھول صحنِ چمن میں چمکتے ہوئے آسماں پر ستارے
نگاہِ محبت کی خاطر سجے ہیں ازل سے یہ رنگین رنگین نظارے

جو اٹھے تو حرماں نصیبی کے ہاتھوں جو بیٹھے غمِ بیکسی کے سہارے
نہ اللہ دشمن کو وہ دن دکھائے جو تیری محبت میں ہم نے گزارے

حقیقت ہو کیا اوس کے موتیوں کی ابھی تو گریں گے فلک سے ستارے
گلوں کی طرح کوئی پہلے چمن میں عقیدت سے دامن تو اپنا پسارے

دبائے ہوئے شورشِ غم کو سینے میں بیٹھا ہوں ضبطِ جنوں کے سہارے
کوئی بھیگی راتوں کی تنہائیوں میں سنے کیسے کی دھن میں مجھ کو پکارے

رہِ غم کی دشواریوں سے ہوں واقف ضرورت ہے کیا خضرِ منزل کی مجھ کو
سمندر کی موجوں پہ نظریں جمائے چلا جا رہا ہوں کنارے کنارے

یہ اعجازِ حسنِ عمل کوئی دیکھے جو نبّاض تھے مقصدِ زندگی کے
بساطِ جہاں پر کچھ اس طرح کھیلے کہ بازی الفت نہ جیتے نہ ہارے

وہی ناخدا ہے تمہاری نظر میں جو کشتی کو اپنی بچا لے بھنور سے
تو پھر کیا کہوگے اسے تم بتاؤ جو خود ڈوب کر ڈوبتوں کو ابھارے

ہے باطل کا ہر عزم باطل کہ اس کو بزعمِ خودی ہے شکستوں سے نفرت
لچک پائی ہو فطرتِ حق نے ایسی کسی وقت جیتے کسی وقت ہارے

نہ ہیں وسعتیں باغباں کی نظر میں نہ ادراکِ بلبل کو رنگِ چمن کا
بہار و خزاں کی حقیقت وہ سمجھے سمجھتا ہے جو پھول کے نازک اشارے

فنا و بقا کی حلفانہ قوت سنبھالے ہوئے ہے یوں ہی زندگی کو
کہ آہنگِ رفتار جیسے ہمارے قدم کو زمیں پر رکھے اور ابھارے

ذرا کھول آنکھیں الٓم اور نظر کر لگا ہوئے شب ہے سوئے روزِ روشن
مگر بے خبر ہو کے تو اپنی منزل سے ہے خوابِ غفلت میں قسمت کے مارے

تبصرے

خاص نمبر

جمہور صدر یار جنگ نمبر
مقام اشاعت علی گڈھ
بڑی تقطیع ۲۰×۳۰/۴ ضخامت ۹۶ صفحات قیمت دو روپے،

روزنامہ جمہور کا شمار ہندوستان کے سنجیدہ اخباروں میں ہے جس کو اس کے فاضل مدیر مولانا عبدالشاہد خانصاحب شیروانی بڑی محنت اور سلیقے سے ترتیب دیتے ہیں، شاہد صاحب کے قلم میں سنجیدگی بھی ہے اور زندگی بھی اور اب چونکہ نواب صدر یار جنگ کے پوتے ریاض الرحمٰن خانصاحب ایم۔ اے بھی ان کے شریکِ قلم ہوگئے ہیں اسلئے اس زندگی میں اور بھی تازگی اور بالیدگی محسوس ہوتی ہے۔

صدر یار جنگ نمبر اسی پرچے کی اشاعتِ خاص ہے جس میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی مرحوم کے حالاتِ زندگی، ان کی علمی، مذہبی، اخلاقی اور تہذیبی خصوصیات اور ان کے ذوقِ علم و علم پروری و علم نوازی کے ایک ایک پہلو کو ایک خاص سلیقے سے اجاگر کیا گیا ہے اور اس دور میں جس قدر معلوماتی مضمون مرحوم کے متعلق فراہم کئے جاسکتے تھے کئے گئے ہیں، مضمون نگاروں میں قدیم و جدید دونوں اسکولوں کے اربابِ قلم شامل ہیں، اسلئے یہ نمبر نواب صاحب جیسی جامع الصفات شخصیت کے کمالات اور فضائلِ اخلاق کا ایک دلکش مرقع بنگیا ہے اور اہلِ ذوق کے مطالعہ کے لایق ہے (ع)

پرچم تعزیت نمبر
مقام اشاعت مکتبۂ پرچم، پرچم اسٹریٹ حسن علی آفندی روڈ کراچی، ضخامت ۲۲۶ صفحات، قیمت عہ، کتابت، طباعت بہتر، کاغذ معمولی

مولانا سیماب مرحوم کے مشہور رسالے ماہنامہ "پرچم" کا یہ تعزیت نمبر مرحوم کی یاد میں مرتب کیا گیا ہے،

موصوف نے اردو زبان وادب کی جو لازوال خدمات انجام دی ہیں قدرتی طور پر ان کا تقاضا تھا کہ ان خدمات کی پذیرائی کرنے کے لئے ان کے اپنے جاری کئے ہوئے پرچے کا ایسا خاص نمبر شایع کیا جاتا جو مرحوم کے عظیم الشان کارناموں کے شایان شان ہو،

پرچم کا یہ خاص نمبر جو ایک ضخیم کتاب کی حیثیت رکھتا ہے ہر حیثیت سے قابل قدر ہے، اس کو پڑھکر ملک کے اس مایۂ ناز ادیب کی زندگی کے تمام گوشوں پر بصیرت کی روشنی پڑتی ہے اور ان کے کارناموں کا نقشہ آنکھوں میں گھوم جاتا ہے، اس کے مضامین نثر و نظم، پیغامات، اقتباسات اور فوٹو سب ہی محنت اور سلیقہ سے ترتیب دئے گئے ہیں حضرت سیماب کے قدردانوں کو خاص طور پر اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے۔ (ع)

شاعر سالنامہ ۱۹۵۱ء اشاعت گاہ قصر الادب پوسٹ بکس ۱۵۲۶ بمبئی ۸ ضخامت ۲۰۴ سرورق خوبصورت

شاعر ہندوستان کا مشہور و معروف اور مقبول ادبی ماہنامہ ہے جو مولانا سیماب کے لایق صاحبزادے اعجاز صدیقی صاحب کی زیر ادارت سالہا سال سے زبان وادب کی قابل قدر خدمت کر رہا ہے، انقلاب ۴۷ء کے بعد سے ملک میں جو ایک خاص طرح کی حالت رونما ہو گئی ہے، شاعر اور مکتبۂ قصر الادب بھی اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکے، سیماب صاحب مرحوم کے پاکستان چلے جانے سے آگرہ کے ناہموار اور حواس باختہ ایڈمنسٹریشن کو اودھم مچانے کا موقع مل گیا اور بالآخر اعجاز صاحب آگرہ چھوڑنے کے لئے مجبور ہو گئے،

تاہم آپ کی یہ ہمت لایق ستائش ہے کہ خانہ ویران ہو جانے پر بھی آپ نے ہندوستان چھوڑنا گوارا نہیں کیا، اور آگرہ کے بجائے بمبئی کو اپنی مصروفیتوں کا مرکز بنالیا۔

چنانچہ ہر قسم کی دشواریوں کے باوجود آپ نہ صرف قصر الادب کو تھامنے کی بلکہ اس کو پہلی سی آن بان کے ساتھ چلانے کی کوشش کر رہے ہیں، زیر نظر سالنامے میں "شاعر" کی پہلی تمام خصوصیتیں باقی رکھنے کی کامیاب سعی کی گئی ہے اور اسے دیکھکر بے اختیار مولانا سیماب کے ادبی سکول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے، مقالات مدیر کے علاوہ جو بہت ہی اثر انگیز ہیں، متعدد ادبی اور تنقیدی مضامین شریک اشاعت کئے گئے ہیں، نظموں، غزلوں اور افسانوں کا انتخاب بھی خوب ہے، حضرت سیماب کے فوٹو کے نیچے مرحوم کا یہ شعر لکھا گیا ہے جسے پورے نمبر

کی جان کہنا چاہیئے۔

کہانی ہے تو اتنی ہے فریب خواب ہستی کی
کہ آنکھیں بند ہوں اور آدمی افسانہ بنجائے (ع)

عربی زبان حصہ اول و دوم

مرتبہ جناب عبدالرحمن صاحب ظاہر سورتی تقطیع خورد ضخامت حصہ اول ۱۹۲ صفحات قیمت مجلد ۲ روپیہ آٹھ آنہ ضخامت حصہ دوم ۲۲۰ صفحات قیمت مجلد تین روپیہ بارہ آنہ طباعت و کتابت بہتر پتہ :- سفید کتب خانہ محمد علی روڈ بمبئی ۳

عربی زبان میں مذکر و مونث اور مفرد و تثنیہ و جمع کے لئے الگ الگ افعال کے صیغے اور ضمائر ہیں۔ اور پھر ثلاثی۔ رباعی اور خماسی میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں اور ان میں سے ہر قسم کے لئے الگ الگ ابواب ہیں اور ہر باب کی خاصیتیں مختلف ہیں۔ علاوہ بریں ان میں تعلیلات کا ایک غیر مختتم اور پیچیدہ سلسلہ ہے پھر عوامل کا اختلاف قدم قدم پر۔ اوزان سماعی و قیاسی کا جھیلا ہر مرحلہ پر۔ ایک ذرا سے زیر زبر کے فرق سے معنی کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اس بنا پر اس زبان کی نسبت عام طور پر مشہور یہ ہے کہ یہ نہایت مشکل زبان ہے اور اس پر حاوی ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس عام مگر بالکل بے بنیاد خیال اور وسوسہ کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے ارباب ذوق جو زبان کی دینی حیثیت یا اس کی علمی و ادبی اہمیت کے پیش نظر اس کو سیکھنے کا جذبہ رکھتے ہیں ان کی ہمت بھی پست ہو جاتی ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زبان اس وقت تک آہی نہیں سکتی جب تک کوئی شخص بچپن سے ہی دل لگا کر اور اپنی عمر کے کم از کم آٹھ نو سال صرف کر کے اسکو حاصل نہ کرے۔ اس عام خیال کی تغلیط و تردید اور عربی زبان کو عام کرنے کی غرض سے اردو زبان میں ابتک مختلف طرز پر متعدد کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ چنانچہ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور ہمارے خیال میں "دیر آمد و درست آمد" کا مصداق ہے۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ لائق مصنف نے تین باتوں کی کامیاب کوشش کی ہے ایک یہ کہ صرف و نحو کے قواعد کو آسان و عام فہم طریقہ پر کسی قدر جامعیت کے ساتھ طالب علم کے ذہن نشین کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ الفاظ متداولہ کا ایک بڑا ذخیرہ مہیا کر دیا گیا ہے اور تیسرے یہ کہ ایک ہی لفظ کی متعدد شکلیں مختلف عبارتوں میں اسطرح کھپا دی گئی ہیں جن کو پڑھنے اور یاد کرنے

کے بعد ایک متوسط درجہ کا طالب علم خود بخود اس جیسے دوسرے الفاظ کی مختلف شکلیں بنا سکتا ہے، یہ طریقہ آج کل کے فلسفۂ طرزِ تعلیم میں "طریقۂ راست" (Direct Method) کہلاتا ہے اور مصنف نے اسی طریقہ کو اپنی کتاب میں استعمال کرکے عربی زبان کی ایک مفید خدمت انجام دی ہے، امید ہے کہ اربابِ ذوق اس کی قدر کریں گے،

(س)

معلم القرآن از مولانا محفوظ الرحمٰن نامی تقطیع خورد ضخامت ۱۱۲ صفحات کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸؍ پتہ:۔ مکتبۂ ترجمۂ قرآن ناظر پورہ بھرائچ یوپی

لائق مصنف قرآن مجید کی تعلیم کو عام کرنے کی ایک تحریک چند سالوں سے بڑے شغف وانہماک کے ساتھ چلا رہے ہیں اور عملی سرگرمیوں کے علاوہ اس سلسلہ میں ابتک متعدد مفید رسالے لکھ چکے ہیں. چنانچہ یہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ قرآن مجید کی اہمیت اور اسکی عظمت وشان کیا ہے؟ اس کو پڑھنے پڑھانے سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور اس سے بے اعتنائی برتنا کتنی بڑی محرومی ہے پھر ان طریقوں کا ذکر ہے جنکے ذریعہ قرآن مجید کی تعلیم بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اسکے بعد عربی صرف ونحو کی چند قواعد کا ذکر ہے جنکا بیان ہماری رائے میں بہت تشنہ اور ناتمکمل ہے اور جنکے بیان کی اس رسالہ میں کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آخر میں قرآن مجید کے بعض علوم کا تذکرہ ہے. اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ کتاب الٰہی کی اہمیت وعظمت اور اس کی زبان یا علوم کی نسبت جو بات بھی کہی جائے اور جسطرح بھی کہی جائے سرتاسر خیر وبرکت اور موجب فلاح وہدایت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ لایق مؤلف نے رسالہ کی ترتیب کو خلط مباحث سے بچانے کی کوشش نہیں کی، اس بنا پر رسالہ کی حیثیت بجائے منظم ومرتب رسالہ کے اس نوٹ بک کی سی ہوگئی ہے جسمیں کوئی لکچرر اپنے موضوع سے متعلق مختلف یادداشتیں بے ترتیبی کے ساتھ جمع کر لیتا ہے. اس خامی کے باوجود بحیثیت مجموعی رسالہ کے مفید اور سرمۂ چشم یقین وایمان ہونے میں کلام نہیں۔

آسان قرآنی کورس از مولوی سید عبدالسبحان عظیمی ربانی. تقطیع کلاں طباعت وکتابت متوسط درجہ کی. ضخامت ۴۸ صفحات قیمت ۹؍ پتہ:۔ "بزم قرآن" مسجد سعیدیہ معروف صاحب اسٹریٹ مونٹ روڈ مدراس ۲۔

قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے عربی کا جاننا ضروری ہے اس مقصد کے پیش نظر یہ رسالہ لکھا گیا ہے جس میں عربی زبان کے صرفی و نحوی قواعد سے متعلق دس اسباق ہیں اور ہر سبق میں مثالوں اور الفاظ کی مشق کے لئے الفاظ اور جملوں کا انتخاب زیادہ تر قرآن مجید سے ہی کیا گیا ہے مصنف نے بقول اپنے ان میں سے اکثر کو اپنے ذاتی تجربہ میں مفید پایا ہے۔ امید ہے کہ مصنف اسی طرح باقی اسباق لکھ کر اس سلسلہ کو مکمل کر دیں گے اور ارباب ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ (س)

مشام روح از جناب تاباں القادری تقطیع متوسط کتابت و طباعت متوسط صفحات ۱۶۲ صفحات قیمت مجلد ؏ پتہ:۔ مکتبۂ قادریہ ۲۲ خانقاہ شریف لین کلکتہ ۱۴۔

جناب تاباںؔ کلکتہ کے نوجوان اور خوش گو شاعر ہیں وہ نظم اور غزل دونوں میں یکساں قدرت رکھتے ہیں تاہم فطری طور پر ان کو تغزل سے زیادہ لگاؤ معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان کے تغزل میں درد و تاثر بھی ہے اور سوز و گداز بھی ہے بے ساختگی اور آمد بھی ہے اور حسن تخیل بھی انھوں نے اپنی شاعری کے دو دور قائم کئے ہیں ایک ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۴۱ء تک کا اور دوسرا ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۰ء تک۔ اس مجموعہ میں شاعر کے ان دونوں دوروں کا کلام جو نظموں غزلوں اور رباعیات پر مشتمل ہے جمع کیا گیا ہے۔ کتاب کے شروع اور آخر میں اردو زبان و ادب کے متعدد نامور ارباب قلم کی تقریظات ہیں جن میں انھوں نے جناب تاباںؔ کی شاعری کی نسبت اظہار خیال کیا ہے امید ہے کہ ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے "مشام روح" حاصل کریں گے

قصص القرآن جلد چہارم حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور متعلقہ واقعات کا بیان ۔ دوسرا ایڈیشن جس میں ختم نبوت کے اہم اور ضروری باب کا اضافہ کیا گیا ہے ۔ قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے مجلد سات روپے آٹھ آنے عہ

اسلام کا اقتصادی نظام وقت کی اہم ترین کتاب جس میں اسلام کے نظام اقتصادی کا مکمل نقشہ پیش کیا گیا ہے ۔ چوتھا ایڈیشن ۔ قیمت صہ مجلد ہے

اسلام کا نظام مساجد ۔ قیمت ہے مجلد للعہ

مسلمانوں کا عروج و زوال :۔ جدید ایڈیشن ۔ قیمت للعہ مجلد صہ

مکمل لغات القرآن مع فہرست الفاظ لغت قرآن پر بے مثل کتاب ۔ جلد اول طبع دوم

قیمت للعہ مجلد صہ

جلد ثانی قیمت للعہ مجلد صہ

جلد ثالث قیمت للعہ مجلد صہ

جلد رابع (زیر طبع)

مسلمانوں کا نظم مملکت مصر کے مشہور مصنف ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کی محققانہ کتاب النظم الاسلامیہ کا ترجمہ ۔ قیمت للعہ مجلد صہ

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت

جلد اول :۔ اپنے موضوع میں بالکل جدید کتاب

قیمت چار روپے للہ مجلد پانچ روپے صہ

جلد ثانی :۔ قیمت چار روپے للہ مجلد پانچ روپے صہ

قرآن اور تصوف حقیقی اسلامی تصوف پر محققانہ کتاب ۔ قیمت [illegible] ۔ مجلد [illegible]

ترجمان السنہ جلد اول ۔ ارشادات نبوی کا بے مثل ذخیرہ ۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

ترجمان السنہ جلد دوم ۔ اس جلد میں چھ سو کے قریب حدیثیں آگئی ہیں ۔ قیمت للعہ مجلد [illegible]

تحفۃ النظار یعنی خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ مع تنقید و تحقیق از مترجم و نقشہائے سفر قیمت [illegible]

قرون وسطی کے مسلمانوں کی علمی خدمات

قرون وسطی کے حکمائے اسلام کے شاندار علمی کارنامے

جلد اول ۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

جلد دوم قیمت ہے مجلد [illegible]

عرب اور اسلام :۔

قیمت تین روپے آٹھ آنے ہے مجلد چار روپے آٹھ آنے عہ

وحی الٰہی

مسئلہ وحی اور اس کے تمام گوشوں کے بیان پر پہلی محققانہ کتاب جس میں اس مسئلہ پر ایسے دل پذیر انداز میں بحث کی گئی ہے کہ وحی اور اس کی صداقت کا ایمان افروز نقشہ آنکھوں کو روشن کرتا ہوا دل کی گہرائیوں میں سما جاتا ہے ۔

جدید ایڈیشن ۔ قیمت [illegible] مجلد [illegible]

منیجر ندوۃ المصنفین ۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۔ ۶

REGISTERED No E. P. 10

مختصر قواعد ندوۃ المصنفین دہلی

۱- محسن خاص جو مخصوص حضرات کم سے کم پانچ سو روپیہ یکمشت مرحمت فرمائیں وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنینِ خاص کو اپنی شمولیت سے عزت بخشیں گے ایسے علم نواز اصحاب کی خدمت میں ادارے اور مکتبۂ برہان کی تمام مطبوعات نذر کی جاتی رہیں گی اور کارکنانِ ادارہ ان کے قیمتی مشوروں سے مستفید ہوتے رہیں گے۔

۲- محسنین جو حضرات پچیس روپئے مرحمت فرمائیں گے وہ ندوۃ المصنفین کے دائرہ محسنین میں شامل ہوں گے۔ ان کی جانب سے یہ خدمت معاوضہ کے نقطۂ نظر سے نہیں ہوگی بلکہ عطیہ خالص ہوگا۔ ادارے کی طرف سے ان حضرات کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات جن کی تعداد تین سے چار تک ہوتی ہے۔ نیز مکتبۂ برہان کی بعض مطبوعات اور ادارہ کا رسالہ "برہان" بلاکسی معاوضہ کے پیش کیا جاتا ہے۔

۳- معاونین:- جو حضرات اٹھارہ روپئے پیشگی مرحمت فرمائیں گے ان کا شمار ندوۃ المصنفین کے حلقہ معاونین میں ہوگا ان کی خدمت میں سال کی تمام مطبوعات ادارہ اور رسالہ برہان (جس کا سالانہ چندہ چھ روپئے ہے) بلاقیمت پیش کیا جائے گا۔

۴- احبا:- نو روپئے ادا کرنے والے اصحاب کا شمار ندوۃ المصنفین کے احبا میں ہوگا۔ ان کو رسالہ بلاقیمت دیا جائے گا اور طلب کرنے پر سال کی تمام مطبوعات نصف قیمت پر دی جائیں گی یہ حلقہ خاص طور پر علما اور طلبہ کے لئے ہے۔

قواعد رسالہ بُرہان

(۱) برہان ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے۔

(۲) مذہبی، علمی، تحقیقی، اخلاقی مضامین اگر وہ زبان وادب کے معیار پر پورے اتریں برہان میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۳) باوجود اہتمام کے بہت سے رسالے ڈاک خانوں میں ضائع ہو جاتے ہیں۔ جن صاحب کے پاس رسالہ نہ پہنچے وہ زیادہ سے زیادہ ۲۵ تاریخ تک دفتر کو اطلاع دیں۔ ان کی خدمت میں پرچہ دوبارہ بلاقیمت بھیجدیا جائے گا۔ اس کے بعد شکایت قابلِ اعتنا نہیں سمجھی جائے گی۔

(۴) جواب طلب امور کے لئے ۲ر آنہ کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ بھیجنا چاہیئے۔ خریداری نمبر کا حوالہ ضروری ہے۔

(۵) قیمت سالانہ چھ روپئے۔ دوسرے ملکوں سے ساڑھے سات روپئے (مع محصول ڈاک) فی پرچہ ۱۰ر

(۶) منی آرڈر روانہ کرتے وقت کوپن پر اپنا مکمل پتہ ضرور لکھئے۔

مولوی محمد ادریس پرنٹر پبلشر نے جید برقی پریس میں طبع کرا کر دفتر برہان جامع مسجد دہلی سے شائع کیا